NTA-NET/JRF

II Paper

نئے نصاب کے عین مطابق اپنی نوعیت کی منفرد اور پہلی کتاب

ضیائے اردو

ضیاء المصطفیٰ مصباحی

ناشر

آسی بک سینٹر، سیوان

Unit-5

اردو داستان اور ڈراما

داستان کا فن

- داستان وہ رومانی کہانی ہے جس میں خیالی واقعات کا بیان، مافوق الفطرت عناصر کی تحیر خیزی، حسن و عشق کی رنگینی، واقعات و حادثات کی بہتات و پیچیدگی اور بیان کی لطافت ہو اور اس کا مقصد اپنے قاری کو فرحت و مسرت کا سامان فراہم کرنا ہو۔
- کہانی کی طویل اور پیچیدہ صنف کو داستان کہا جاتا ہے۔
- کہانی قصہ در قصہ ہو کر داستان بنتی ہے۔
- کلیم الدین احمد کے مطابق ''داستان کہانی کی طویل اور پیچیدہ، بھاری بھر کم صورت ہے''۔
- غالب کے مطابق ''داستان طرازی منجملہ فنون سخن ہے۔ سچ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لیے اچھا فن ہے''۔

داستان کے اجزائے ترکیبی

(1) طوالت (2) پلاٹ (3) کردار نگاری (4) مافوق الفطرت عناصر (5) منظر نگاری (6) اسلوب نگارش

داستان کی روایت

- اردو کی پہلی داستان 'سب رس' (1045ھ-1635) ہے اور پہلا داستان گو ملا وجہی۔
- شمالی ہند کی پہلی داستان عیسوی خان کی تصنیف 'قصۂ مہر افروز و دلبر' (1770) ہے۔
- شمالی ہند میں اردو میں پہلا ادبی نمونہ 'داستان نو طرزِ مرصع' (1775) ہے۔
- شمالی ہند کی پہلی طبع زاد داستان رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب ہے۔

دکن میں اردو داستان کی روایت:

- ملا وجہی:۔ سب رس
- طوطی نامہ یا طوطا کہانی سب رس کے سو سال بعد ملتی ہے جو دکنی نثر کا ایک اہم کارنامہ ہے جس کا مصنف نامعلوم ہے۔
- محمد ابراہیم بیجاپوری:۔ انوار سہیلی (فارسی انوار سہیلی کا ترجمہ ہے) ابراہیم نے اس کا نام 'دکن انجمن یا دکنی انوار سہیلی رکھا ہے۔
- مسعود حسین خان ابراہیم بیجاپوری کے انوار سہیلی کو قدیم اردو کا آخری بڑا نثری کارنامہ قرار دیا ہے۔

- محمد خاطر اور شمشیر علی: قصہ گل و ہرمز
- یاد رہے کہ اس قصے کو دکنی میں سب سے پہلے وجدی نے اپنی مثنوی 'تحفۂ عاشقاں' میں پیش کیا تھا۔
- قصۂ دلا لہ محتالہ — : فارسی مثنوی کا ترجمہ ہے۔ مترجم کا نام نامعلوم ہے۔
- 'قصۂ اگر گل دکنی': مصنف نامعلوم
- 'قصۂ معظم شاہ و چتر ریکھا' مصنف نامعلوم
- فقیر اللہ شاہ حیدر — : تناولی 1244ھ
- فقیر اللہ شاہ حیدر نے قصۂ بکاولی (مذہب عشق) کے جواب میں تناولی لکھا تھا۔
- منشی شمس الدین احمد — : حکایۃ الحلیہ (الف لیلۃ ولیلہ کا پہلا اردو ترجمہ)
- دکھنی سنگھاسن بتیسی — : اس میں 32 کہانیاں ہیں — یہ چتر بھوج داس کے فارسی شاہ نامہ (فارسی سنگھاسن بتیسی) کا آزاد ترجمہ ہے۔ مترجم نامعلوم ہے۔
- 'ملکہ زماں و کام کندلہ' — : منظور فارسی داستان 'جواہر سخن' کا آزاد دکنی ترجمہ ہے — مترجم نامعلوم ہے۔

شمالی ہند میں اردو داستان کی روایت

فورٹ ولیم کالج سے پہلے کی داستانیں (اٹھارہویں صدی میں)

- عیسوی خان/عیسی خان — : قصۂ مہر افروز و دلبر
- 'قصۂ مہر افروز دلبر' اردو کا واحد داستان ہے جس میں کہیں کوئی شعر اردو، فارسی یا برج بھاشا کی بھی زبان کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔
* قصۂ مہر افروز و دلبر کا قصہ مثنوی سحر البیان سے ملتا جلتا ہے۔
* اس کا متن 241 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے بعد 135 صفحات پر ایک نصیحت نامہ ہے جو بادشاہ اور وزیر اپنے اپنے بیٹوں کو سناتے ہیں۔
* اصل داستان میں چھ ضمنی کہانیاں ہیں۔
* قصۂ مہر افروز و دلبر اردو ہندی کے خوش گوار امتزاج کا اولین نمونہ ہے۔
* قصۂ مہر افروز و دلبر کے ذریعہ دہلی کے اطراف کی بولی اور وہاں کی طرز معاشرت، آداب گفتگو اور ماحول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
- میر محمد حسین عطا خان تحسین * نوطرز مرصع
- نوطرز مرصع اٹھارہویں صدی کی سب سے اہم داستان ہے۔
- عطا خان تحسین نے نوطرز مرصع کا آغاز 1768 میں کیا تھا اور تکمیل 1775 میں ہوئی تھی۔

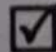
- تحسین نوطرز مرصع کو شجاع الدولہ کو پیش کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے وفات کی وجہ سے انھوں نے اسے آصف الدولہ کو پیش کیا تھا۔
- تحسین نے نوطرز مرصع کے بارے میں لکھا ہے کہ ''جو کوئی زبانِ اردوے معلٰی سیکھنے کا حوصلہ رکھے وہ اس کا مطالعہ کرے۔
- یادرہے کہ نوطرز مرصع فارسی قصہ چہار درویش کا آزاد ترجمہ ہے۔
- مہر چند کھتری مہری ــــ * نوآئین ہندی عرف قصہ ملک محمد وگیتی افروز'
(1208ھ مطابق 1793ء)
- مہر چند کھتری مہر نے 'قصہ آذر شاہ اور سمن رخ بانو' کا فارسی سے ہندی میں ترجمہ کر کے 'نوطرز مرصع' کے انداز پر 'نوآئین ہندی' رکھا تھا۔
- 'نوآئین ہندی' اپنی ضمنی حکایت کے نام پر 'قصہ ملک محمد وگیتی افروز' کے نام سے مشہور ہوئی تھی۔
- بادشاہ عالم ثانی ــــ عجائب القصص (1207ھ مطابق 1792ء)
- سید حسین شاہ حقیقت بریلوی ــــ جذبِ عشق (1852 سن اشاعت)

فورٹ ولیم کالج کی داستانیں:

- نوٹ: فورٹ ولیم کالج کی داستانوں کی تفصیل فورٹ ولیم کالج کے تحت صفحہ نمبر 846 پر درج ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

فورٹ ولیم کالج سے ہٹ کر لکھی گئی داستانیں:

- انشاءاللہ خان انشا ــــ * سلک گوہر اور رانی کیتکی کی کہانی۔
- رجب علی بیگ سرور ــــ * فسانۂ عجائب، شگوفۂ محبت، گلزارِ سرور اور شبستان سرور
- نول کشور پریس نے داستانِ امیر حمزہ کے سلسلے میں 46 جلدیں لکھوا کر شائع کی تھیں۔
- میر محمد تقی خیال ــــ: بوستان خیال
- نیم چند کھتری ــــ گل صنوبر
- فخرالدین حسین سخن ــــ * سروشِ سخن
- یادرہے کہ سروشِ سخن فسانۂ عجائب کے جواب میں لکھی گئی تھی۔
- جعفر علی شیون ــــ * طلسم حیرت
- طلسم حیرت سروش سخن کے جواب میں لکھی گئی تھی۔
- طلسم حیرت میر امن اور سرور کے معرکے کی آخری کڑی ہے۔
- جعفر علی شیون نے طلسم حیرت میں چار صفحوں میں سخن، امن اور غالب پر پھبتیاں کسی ہیں۔



اردو کے اہم داستان گو اور داستانیں

سب رس

(1045ھ مطابق 1635ء)

- سب رس اردو میں ادبی نثر کا پہلا نمونہ اور پہلی تمثیلی داستان ہے جو سترہویں صدی میں لکھی گئی۔
- سب رس وجہی نے قلی قطب شاہ کے نواسے عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر 1045ھ مطابق 1635ء میں تحریر کی تھی جس نے وجہی کو 'بیانِ عشق' میں کتاب لکھنے کی درخواست کی تھی۔
- سب رس کے قصے کے دو محور ہیں (1) آبِ حیات کی تلاش (2) معرکۂ حسن و عشق
- سب رس میں آبِ حیات کی تلاش پر توجہ کم دی گئی ہے اور حسن و عشق اور ان کی کیفیات کی تفصیل پر زیادہ زور صرف کیا گیا ہے حالانکہ اس داستان کا اصل مقصد آبِ حیات کی تلاش ہے۔
- سب رس دکنی زبان کی پہلی داستان ہی نہیں بلکہ پہلی تمثیل بھی ہے۔ جس میں حسن و عشق کی کشمکش اور عشق اور دل کے معرکے کو قصے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔
- سب رس میں عشق، عقل، دل، حسن، ہمت، وفا، مہر اور وہم وغیرہ مجرد خیالات کو انسانی کردار میں ڈھال کر رمزیہ انداز میں تصوف کے مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔
- وجہی نے اس قصے کا عنوان "سب رس اس لیے رکھا ہے کہ اس نے زندگی خصوصاً عشق سے متعلق سارے 'رس' (سب رس یعنی سارے جذبات) مثلاً محبت، اطاعت، قربانی، رشک، رقابت، ہجر، وصال، خوشی اور غم کو ان جذبوں کے ماخذات یعنی حسن، عشق، دل، نظر، عقل کے کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔
- سب رس کا اسلوب رنگین، مرصع، مسجع اور مقفیٰ ہے۔
- وجہی کا اسلوب داستان اور انشائیہ دونوں سے عبارت ہے۔ وجہی نے خود کہا ہے کہ "اس نے نظم اور نثر ملا کر ایک نیا طرز ایجاد کیا۔"
- وجہی نے اس قصے کو 'گنج العرش'، 'بحر المعانی' اور وحی الہام لکھا ہے۔
- سب رس کو مولوی عبدالحق نے دریافت کر کے پہلی بار انجمن ترقی (دکن) سے 1932 میں شائع کیا تھا۔

- وجہی نے سب رس کو اپنا کارنامہ بنا کر پیش کیا ہے اور اس کے موجد ہونے کا مدعی ہے اور کہیں اس نے اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن مولوی عبدالحق نے سب رس کا ماخذ محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کی فارسی مثنوی دستور عشاق (تقریباً پانچ ہزار اشعار کی فارسی مثنوی) کے نثری خلاصہ (450 سطروں پر مشتمل) 'حسن و دل' کو قرار دیا ہے جبکہ عزیز احمد نے مثنوی 'دستور عشاق' اور اس کا نثری خلاصہ 'حسن و دل' دونوں کو سب رس کا ماخذ قرار دیا ہے۔
- وجہی نے 'سب رس' میں عشق پر گیارہ انشائیے لکھے ہیں۔
- سب رس کے متعلق نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے کہ یہ تصوف کی بہترین کتاب ہے۔ جس کو فرضی قصے کے طور پر لکھا ہے۔

سب رس کا خلاصہ

قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک سیستان کے بادشاہ عقل کا بیٹا دل جو علاقۂ تن کا حکمراں ہے وہ آبِ حیات تلاش کرنا چاہتا ہے۔ پتا چلتا ہے کہ شہر دیدار کے باغ رخسار میں آبِ حیات کا چشمہ ہے۔ شہر دیدار سلطان عشق کی مملکت ہے۔ عشق کی بیٹی حسن ہے۔ دل اپنے دوست نظر کو بھیجتا ہے۔ نظر حسن سے ملتا ہے اور دل سے حسن کی خوبصورتی کی تعریف کرتا ہے۔ دل، حسن پر عاشق ہو جاتا ہے، دل حسن سے ملنے جاتا ہے۔ عقل کا لشکر ساتھ ہے۔ عقل اور عشق کے لشکر میں جنگ ہوتی ہے اور عقل و دل کو شکست ہوتی ہے۔ دل کو پکڑ کر حسن کے پاس لایا جاتا ہے۔ دونوں بام وصل پر ملتے ہیں لیکن رقیب کی بیٹی غیر کی غداری سے دل فراق کے کوٹ میں قید کر دیا جاتا ہے کچھ دن بعد غیر اقبال جرم کر لیتی ہے، دل رہا ہو جاتا ہے۔ ہمت کی مصالحت سے عقل، عشق کا وزیر مقرر ہوتا ہے۔ دل اور حسن کا عقد ہو جاتا ہے۔ باغ رخسار میں خضر علیہ السلام دل اور حسن کے سامنے اسرارِ حیات منکشف کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آبِ حیات سخن ہے جو چشمۂ دہن میں ہے۔

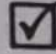
کرداروں اور مقامات کی پہچان

- عقل سیستان کا بادشاہ ہے جس کے بیٹے کا نام 'دل' ہے جو علاقہ 'تن' کا حکمراں ہے۔
- شہزادہ دل نے اپنے دربار میں شراب نوشی کرتے ہوئے آبِ حیات کا ذکر سن کر کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔
- شہزادہ دل نے آبِ حیات کی تلاش کے لیے شاہی فوج کے ایک جاسوس نظر کو بھیجا تھا۔
- نظر آبِ حیات کا پتہ پوچھنے کے لیے 'عافیت' نامی شہر کے بادشاہ 'ناموس'، 'زہد' پہاڑ پر رہنے والے بوڑھے 'زرق' اور 'ہدایت' نامی قلعے کے حکمراں 'ہمت' سے ملا تھا۔

ہے۔ 'رخسار' کے چشمۂ 'دہن' میں آبِ حیات ہے۔
* ہمت نے نظر کو بتایا تھا کہ شہر 'دیدار' کے باغ 'رخسار' کے چشمۂ 'دہن' میں آبِ حیات ہے۔
* ہمت نے نظر کو بتایا تھا کہ شہر دیدار جو کہ 'مشرق' کے بادشاہ عشق کی بیٹی حسن کی ملکیت ہے۔
  اس شہر کی سخت نگرانی مقام 'سنگسار' کا نگراں 'رقیب' جو کہ بادشاہ عشق کا غلام ہے وہ کرتا ہے۔
* ہمت نے اپنے بھائی 'قامت' کے نام جو 'رقیب' ہی کے شہر میں رہتا ہے خط لکھ کر نظر کو دیا تھا تاکہ قامت نظر کی مدد کرے۔
* شہر سنگسار کے لوگوں نے نظر کو چور اور جاسوس سمجھ کر گرفتار کر کے رقیب کے حوالے کر دیا تھا۔
* نظر رقیب کو مٹی کو سونا بنانے کا لالچ دے کر باغ رخسار پہنچا تھا اور قامت کی مدد سے رقیب کے چنگل سے آزاد ہوا تھا۔
* قامت نے اپنے ایک غلام کی مدد سے نظر کو باغ کی گھاس کی تہہ کے نیچے اس طرح چھپا دیا تھا کہ وہ رقیب کے ہاتھ نہ آسکے۔
* باغ رخسار میں نظر کی ملاقات شہزادی حسن کی سہیلی 'زلف' (لٹ) سے ہوئی تھی جس نے نظر کو کچھ بال دے دیئے تھے اور مصیبت میں جلانے کو کہا تھا۔
* بادشاہ عشق کا ایک سپاہی ''غمزہ'' نے نظر کو باغ رخسار سے گرفتار کیا تھا۔
* غمزہ کو نظر کے بازو پر بندھے لعل کو دیکھ کر یاد آیا تھا کہ نظر غمزہ کا بچھڑا ہوا بھائی ہے۔
* غمزہ ہی نے شہزادی حسن سے نظر کا تعارف کرایا تھا کہ نظر جوہری ہے جسے ہیروں کی پہچان ہے۔
* شہزادی حسن نے نظر کو ایسا ہیرا دکھایا تھا جس پر شہزادہ دل کی تصویر کندہ تھی اور اس تصویر پر حسن فدا تھی۔
* شہزادی حسن نے نظر سے شہزادہ دل سے ملانے کی درخواست کی تھی۔
* شہزادی حسن نے اپنے ایک غلام خیال کو نظر کے ساتھ شہزادہ دل کو لانے کے لیے بھیجا تھا۔
* شہزادی حسن نے نظر کو اپنی وہ انگوٹھی دی تھی جس پر آبِ حیات کی مہر لگی تھی، جس کی مدد سے چشمۂ آب حیات تک پہنچا جا سکتا تھا اور اگر کوئی اس انگوٹھی کو اپنے منہ میں رکھ لے تو وہ دوسروں کو نظر نہیں آتا تھا۔
* خیال نے شہزادی حسن کی تصویر بنا کر دل کو دکھائی تھی جس پر شہزادہ عاشق ہو کر شہر دیدار چلنے کو تیار ہوا تھا۔
* بادشاہ عقل نے وزیر وہم کے ذریعے دل کے شہر دیدار جانے کی خبر سن کر نظر اور دل کو قید کر دیا تھا لیکن نظر خیال کی مدد سے قید سے نکل آیا تھا۔

- پھر رقیب نے چشمۂ آب حیات سے نظر کو گرفتار کر کے اپنی کوٹھری میں قید کر دیا تھا جہاں سے زلف نے نظر کو چھڑایا تھا۔
- حسن نے دل کو آزاد کرانے کے لیے اپنے ایک غلام غمزہ کو نظر کے ہمراہ مملکت تن بھیجا تھا۔
- بادشاہ عقل نے زرق کے بیٹے توبہ کو زہد پہاڑ پر نگراں مقرر کیا تھا۔
- غمزہ اور نظر شہر عافیت پر قبضہ کرنے کے لیے قلندر بن کر گئے تھے۔
- غمزہ نے اپنی فوج کو ہرنوں کی ڈار میں دعائے سیفی کی مدد سے تبدیل کر دیا تھا۔
- بادشاہ عقل دل کو قید سے نکال کر ایک سپہ سالار صبر کے ساتھ حسن کی فوج کے مقابلے کے لیے بھیجتا ہے۔
- شہزادہ دل اور شہزادی حسن میں چار دن تک جنگ ہوئی تھی جس میں حسن کی طرف سے غمزہ، قامت اور زلف نے حصہ لیا تھا۔
- شہزادی حسن نے اپنے غلام خال کی مدد سے جنگ سے بچنے کی تدبیر نکالی تھی۔
- شہزادی حسن کی ہمزاد جو کوہِ قاف میں بستی تھی اس کا کمانڈر ہلال دل کو زخمی کر کے اور گرفتار کر کے لایا تھا۔
- بادشاہ عشق کے حکم کے مطابق شہزادی حسن اور ناز (دائی) نے دل کو چاہِ ذقن میں قید کیا تھا۔
- سپہ سالار مہر کی بیٹی وفا کی تجویز پر دل کو چاہ ذقن سے زلف کی مدد سے نکالا گیا تھا۔
- شہزادی حسن اور شہزادہ دل دونوں کی ملاقاتیں بامِ وصال یا وصال کے چھجے پر ہوتی تھیں۔
- رقیب کی بیٹی غیر کی غداری کی وجہ سے حسن و دل میں بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔
- رقیب نے دل کو ہجراں کے قلعے میں قید کیا تھا۔
- بادشاہ عقل، خیر اور ہمت تینوں اپنی اپنی فوج کے ساتھ عشق کا مقابلہ کرنے نکلے تھے۔
- ہمت کے بھائی قامت کے سمجھانے پر سب سے پہلے ہمت نے عشق کی اطاعت قبول کی تھی۔
- سپہ سالار مہر کے سمجھانے پر عقل عشق کی اطاعت کے لیے راضی ہوا تھا۔
- بادشاہ عشق کے حکم پر ہمت نے دل کو ہجراں کے قلعے سے نکال کر رقیب اور اس کی بیٹی غیر کو ہجراں کے قلعے میں قید کر دیا تھا۔
- شہنشاہ عشق نے صلح کے بعد عقل کو اپنا وزیر بنا لیا تھا۔
- عشق نے حسن و دل کی شادی کر دی تھی۔
- شہزادہ دل، نظر اور خیال کی ملاقات باغ رخسار میں چشمہ آب حیات پر خضر سے ہوئی تھی۔

* شہزادہ دل نے نظر کے کہنے پر خضر سے آب حیات کا پتہ پوچھا تھا۔
* خضر نے دل کو آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک ہدایت دی۔ دل نے اس ہدایت پر عمل کیا اور اسے کئی لڑکے ہوئے۔ جو بڑا لڑکا ہے وہ یہی کتاب سب رس ہے جو حقیقت میں آبِ حیات ہے۔
* وجہی نے آبِ حیات سب رس کو کہا ہے۔
* سب رس میں چھوٹے بڑے کل کردار 76 ہیں۔
* سب رس میں سب سے جاندار اور متحرک کردار دل کا جاسوس نظر ہے۔
* سب رس کے مرکزی کردار حسن (ہیروئن) اور دل (ہیرو) ہیں۔
* حسن کا کردار نسبتاً جاندار ہے۔



فضل علی خان فضلی اور کربل کتھا

- کربل کتھا اب تک کی تحقیق کے مطابق شمالی ہند میں اردو نثر کی قدیم ترین کتاب ہے۔
- کربل کتھا کو فضل علی فضلی نے 1145ھ مطابق 33-1732 میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں لکھا تھا۔
- فضل علی فضلی کی کربل کتھا طبع زاد نہیں ہے بلکہ کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی کی روضۃ الشہدا کا آزاد ترجمہ ہے۔
- مولوی کریم الدین نے سب سے پہلے طبقات شعرائے ہند کے ذریعہ کربل کتھا کو اہل علم کے درمیان متعارف کرایا تھا۔
- فضل علی فضلی نے کربل کتھا پر نظر ثانی 1161ھ مطابق 1748ء میں احمد شاہ کے عہد میں کیا تھا۔
- کربل کتھا لکھتے وقت فضل علی فضلی کی عمر 22 یا 23 سال تھی۔
- تصنیف کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے معلوم ہوتی ہے:

یہ جو نسخہ ہوا ہے اب تصنیف   بہر کسب ثواب و فیض بشر
چاہا تاریخ اوس کی، بولا سروش   شیعوں کی نجات کا 'مظہر'
(1154ھ)

- فضلی نے کربل کتھا میں کربلا کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔
- نظر ثانی کی تاریخ کا شعر یہ ہے:

ہر کس از من کند بہ نیکی یاد   بجہاں نامش ہم بہ نیکی باد
1161ھ

- کربل کتھا فضلی نے کسی ادبی مقصد سے نہیں بلکہ مذہبی ضرورت کے پیش نظر لکھا تھا۔
- فضلی نے لکھا ہے کہ وہ ہر سال روضۃ الشہدا کا خلاصہ مجلسوں میں سنایا کرتا تھا لیکن عورتیں فارسی سمجھنے سے قاصر تھیں۔ اس لیے اس نے اس کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا۔
- کربل کتھا عربی فارسی سے ناواقف کم پڑھے لکھے یا ان پڑھ لوگوں کے لیے عام بول چال کی زبان میں لکھی گئی تھی۔ فضلی کا بیان ہے کہ "مجھ احقر...... کی خاطر میں گزرا کہ اگر ترجمہ اس کتاب (روضہ الشہدا) کا برنگینی عبارت وحسنِ استعاراتِ ہندی قریب الفہم عامۂ مومنین ومومنات کیجیے۔"

- فضلی نے ایک شعر میں اپنا نام اور تخلص اس طرح باندھا ہے:

نام اوس کا جو ہے گا فضل علی
اور تخلص کرے ہے وہ فضلی

- فضلی نے اپنے ترجمہ کا نام 'کربل کتھا' رکھا ہے لیکن فہرست نگار مخطوطات فورٹ ولیم کالج، ڈاکٹر اشپرنگر اور مولانا محمد حسین آزاد نے 'دہ مجلس' لکھا ہے۔
- ہمارے زمانے میں کربل کتھا کی بازیابی کا شرف پروفیسر مختارالدین کو حاصل ہے— مختارالدین نے کربل کتھا کو ٹوبنگن سے حاصل کیا تھا جیسے اشپرنگر نے رکھا تھا۔
- کربل کتھا کو سب سے پہلے پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے مرتب کر کے شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کی جانب سے مارچ 1961ء میں شائع کیا تھا۔
- کربل کتھا کو ترتیب و تدوین کے جدید اصولوں کے تحت مالک رام اور مختارالدین نے مرتب کر کے اکتوبر 1965 میں ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ کی جانب سے شائع کرایا تھا۔
- خواجہ فاروقی نے مقدمے میں لکھا ہے کہ فضلی کی کربل کتھا میں ایک مقدمہ، بارہ مجلسیں اور ایک خاتمہ ہے—ایسا ہی کربل کتھا کے مقدمہ میں فضلی نے بھی لکھا تھا۔
- کربل کتھا کے شروع میں فاتحہ کے دس عنوانات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن مجتبیٰ، حضرت حسین، ائمہ طاہرین، حضرت امام مہدی، شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بادشاہ محمد شاہ کے شان میں دس منقبتیں ہیں۔
- کربل کتھا کی پہلی مجلس کے شروع میں ایک عربی خطبہ ہے اور اس کے بعد محتشم کے فارسی مرثیے کا بند اوّل ہے۔
- پہلی مجلس میں فضلی کے بقول:

اس مجلس اول میں نبی کا وصال ہے   جس غم سوں آج دونوں جہاں پر ملال ہے

- دوسری مجلس کو بھی فضلی نے ایک عربی خطبے اور محتشم کے فارسی مرثیے کے دوسرے بند سے شروع کیا ہے۔اس کے بعد فضلی لکھتا ہے کہ:

یہ دوسری جو مجلس ہے سو اس میں سر بسر
خیرالنسا کے مرنے کا یاراں جوالی ہے

- فضلی نے تیسری مجلس کو بھی ایک عربی خطبے اور محتشم کی فارسی مرثیے کے تیسرے بند سے شروع کیا ہے۔آگے تیسری مجلس کے متعلق فضلی لکھتا ہے کہ:

یہ مجلس ہے گی تیسری جس میں شہادت اب
شاہ نجف کی ہے جسے سونا محال ہے

- فضلی نے چوتھی مجلس کو بھی ایک عربی خطبے اور محتشم کے فارسی مرثیے کے چوتھے بند سے شروع کیا ہے۔ آگے چوتھی مجلس کے بارے میں لکھتا ہے:

چوتھی ہے مجلس آج کی ہر دل کے باغ میں
حضرت حسن کے مرگ کا غم نونہال ہے

- پانچویں مجلس کے شروع میں ایک عربی خطبہ اور محتشم کے مرثیے کا پانچواں بند ہے اس کے بعد اس مجلس کے بارے میں فضلی نے لکھا ہے کہ:

ہے مجلس آج پانچویں مسلم عقیل کی
کوفے میں جانا مرنا شروع قتال ہے

- فضلی نے چھٹی مجلس ایک عربی خطبے اور ایک فارسی مرثیے کے ایک بند سے شروع کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتا ہے۔ اس مجلس کے بارے میں:

اس مجلس چھٹی میں جو پڑھتا ہو وا دریغ
مسلم کے دونوں بچو غریبوں کا حال ہے

- ساتویں مجلس کے شروع میں بھی عربی میں ایک خطبہ اور فارسی مرثیے کا ایک بند ہے:

یہ مجلس ہے گی ساتویں تس میں حسین کا
کعبہ سے کوفہ کوں سفر اور حسر کا حال ہے

- آٹھویں مجلس کے شروع میں فارسی مرثیے کا ایک بند ہے پھر اردو میں چند اشعار ہیں جس کا پہلا شعر ہے:

ہے مجلس آج آٹھویں قاسم کا بیاہ
کس میں قضا قدر کا عجائب خیال ہے

- نویں مجلس کے شروع میں بھی فارسی مرثیے کا ایک بند ہے۔ پھر فضلی لکھتا ہے کہ:

اس مجلس نویں میں شہادت پڑھوں ہوں میں
عباس علی محمد انس کی. کرال ہے

- دسویں مجلس کو بھی فضلی نے محتشم کے فارسی مرثیے کے ایک بند سے شروع کیا ہے پھر لکھتا ہے کہ:

ہے آج دسویں مجلس اکبر علی شہید
غم بیچ جس کے باغ خوشی پائے مالی ہے

- گیارہویں مجلس کے شروع میں بھی فارسی مرثیے کا ایک بند ہے۔ پھر فضلی اس مجلس کے بارے میں بتاتا ہے:

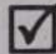
اس گیارہویں میں ذکر ہے اصغر شہید
جس کا گلا ہے لوہو سے تر کرتہ لال ہے

- بارہویں مجلس فضلی نے ان اشعار سے شروع کیا ہے:

اے فضلی کل نفس جس حق میں قال ہے
پڑھ مجلس بارہویں حضرت حسین کی
ٹک ایک رولو کہ یہ وقت وقت فرصت
اے یارو آج حسین علی کی رخصت ہے

- فضلی کی کربل کتھا کا خاتمہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ جس کی تفصیل فضلی نے ان اشعار میں بیان کیا ہے:

اس خاتمہ کی پانچ ہیں فصلیں سوتن میں ہاے
شہ کے سر اور اہل حرم کا حوال ہے
یہ پہلی فصل اس میں سو تیجے کا ماجرا
احوال ذوالجناح کے بعد اتصال ہے
یہ فصل دوسری ہے کہ ہفتم کے پڑھنے میں
بے ہوش سونے والے و پڑھو یہ لال ہے
یہ فصلِ تیسری ہے دہم کی بہ سامعان
ہر حرف جس کا گویا ہر چہیوں کی بہال ہے
یہ چوتھی فصل بیستم از چشم دوستاں
پڑھنے کے وقت بادل غم برشکال ہے
اس فصل پانچویں میں ہے چہلم کا سبب بیان
اور ظلم اپنے سے بہ یزید انفعال ہے



انشاء اللہ خاں انشا

(1752ء-1817ء)

- نام سید انشا اللہ خان تھا اور تخلص انشا
- انشا 1752 میں مرشد آباد میں پیدا ہوئے تھے۔
- انشا کا انتقال 1817ء میں ہوا۔
- انشا کے والد کا نام سید ماشاء اللہ خان تھا اور تخلص مصدر جو مشہور و معروف طبیب تھے اور اردو و فارسی دونوں میں شعر کہا کرتے تھے۔
- انشا کے دادا سید نور اللہ فرخ سیر کے عہد میں ہندوستان آئے تھے اور انھیں کے علاج سے بادشاہ کو شفا ملی تھی اور خان بہادر کے خطاب سے نوازے گئے تھے۔
- انشا اپنے والد کے ساتھ سات برس کی عمر میں لکھنؤ گئے تھے۔
- انشا شعر گوئی میں اپنے والد سے اصلاح لیا کرتے تھے۔
- انشا کا دیوان سولہ سال کی عمر میں ہی مکمل ہو چکا تھا۔
- انشا آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ گئے تھے۔
- انشا لطیفہ گوئی، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔
- انشا کا رنگین سے گہرا دوستانہ تعلق تھا۔
- اردو کے ریختی گو شعرا میں انشا و رنگین کا شمار ہے۔
- انشا کی ادبی چشمک مصحفی اور مرزا عظیم بیگ کے ساتھ تھی۔
- انشا نواب سعادت علی خاں کے مصاحب تھے۔
- انشا نے دو شادیاں کی تھیں بڑی بیوی کا نام عاشوری بیگم اور چھوٹی بیوی کا نام اچھی بیگم تھا۔

انشا کے کارنامے

نثری تصانیف:

- دریائے لطافت 1802: انشا کی یہ تصنیف اردو نحو و صرف اور قواعد پر مشتمل ہے۔ دریائے لطافت ایک صدف اور سات جزیروں پر مشتمل ہے۔ اس کی زبان فارسی ہے جس کا اردو ترجمہ

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے کیا ہے۔

- دریائے لطافت سعادت علی خان کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔
- دریائے لطافت میں تین سونو صفحات انشا کے لکھے ہوئے ہیں اور ایک سو چھیاسٹھ صفحات قتیل کے لکھے ہوئے ہیں۔
- دریائے لطافت کی تصنیف میں مرزا محمد قتیل بھی ان کے ساتھ رہے تھے۔
- دریائے لطافت اردو زبان و قواعد کی پہلی کتاب ہے جسے کسی اہل زبان نے لکھی تھی۔

* **لطائف السعادت**: اس کتاب میں انشا نے نواب سعادت علی خان کے ان لطائف کو جو وقتاً فوقتاً ان کی صحبتوں میں پیش آئے تھے، جمع کیا ہے۔ اس کتاب سے دونوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔
* **سلک گوہر**: یہ چھتیس صفحات کی مختصر داستان ہے۔ یہ صنعت غیر منقوطہ میں ہے (یعنی اس نثری داستان میں کوئی حرف نقطہ والا نہیں ہے)
* **رانی کیتکی کی کہانی**
* **ترکی روزنامچہ**: یہ روزنامچہ ایک ماہ اور چھ دن کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں انشا نے روز کے واقعات لکھے ہیں۔ سہ شنبہ 7 جمادی الاوّل کے روزنامچے کی تحریر سے رانی کیتکی کے سنہ تالیف پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

رانی کیتکی کی کہانی

(1803ء)

- 'رانی کیتکی کی کہانی' اردو کی مختصر ترین طبع زاد نثری داستان ہے۔
- انشا نے رانی کیتکی کی کہانی نواب صاحبزادہ حسین علی خان کی فرمائش پر فارسی اور عربی لفظوں کے استعمال کے بغیر 1803 میں لکھی۔
- انشا نے دعویٰ کیا تھا کہ ایسی کہانی لکھوں گا جس میں غیر ملکی یعنی عربی و فارسی الفاظ شامل نہ ہوں گے۔ انھوں نے اسے رانی کیتکی کی کہانی لکھ کر پورا کر دکھایا۔
- انشا نے لکھا ہے کہ "یہ وہ کہانی ہے جس میں ہندی چھٹ کسی اور بولی کا میل ہے نہ پٹ۔"
- انشا نے رانی کیتکی کی کہانی میں نہ صرف خالص ہندی زبان کا استعمال کیا ہے بلکہ اس کے کردار بھی ہندو پیش کیے ہیں جن کا تعلق ہندو معاشرے سے ہے اور اس کا پلاٹ بھی ہندو علم الافہام کی

مدد سے بنایا ہے۔

- امتیاز علی عرشی کے مطابق ''داستان رانی کیتکی کی کہانی 1808 میں لکھی گئی۔
- مولوی عبدالحق نے رانی کیتکی کی کہانی کتابی صورت میں 1933 میں شائع کی تھی۔

رانی کیتکی کی کہانی کا خلاصہ

راجہ سورج بھان کا بیٹا کنور اودے بھان ایک روز شکار کرنے کے لیے جنگل کی طرف نکلا اور ایک ہرنی کو دیکھ کر شام تک اس کا پیچھا کرتا ہوا ایک ایسے باغ میں جا پہنچا جہاں خوبرو دوشیزائیں جھولے کا لطف لے رہی تھیں۔ ان میں جگت پرکاش کی چاند جیسی بیٹی رانی کیتکی بھی تھی۔ کنور اودے بھان بھی کچھ کم خوبصورت نہیں تھا۔ باغ میں دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دونوں ایک دوسرے پر فدا ہو گئے۔ رانی کیتکی نے اپنی سہیلی مدن بان سے بتایا کہ وہ کنور اودے بھان کے عشق میں گرفتار ہو چکی ہے پھر مدن بان کے مشورے پر اودے بھان اور رانی کیتکی ایک دوسرے سے مل کر اپنا تعارف کراتے ہیں اور محبت کی نشانی کے طور پر ایک دوسرے کی انگوٹھیاں بدل لیتے ہیں۔ پھر کنور اودے بھان اپنے وطن لوٹ آتا ہے۔

کنور اودے بھان اور رانی کیتکی پر ہجر کے لمحات مشکل سے گزرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی یاد میں بے قرار و بے چین اور ہوش گم کیے رہتے ہیں۔ کنور اودے بھان کی حالت انشا کے الفاظ میں کچھ اس طرح رہتی ہے۔

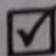
> ''کنور جی کا انوپ روپ کیا کہوں، کچھ کہنے میں نہیں آتا، نہ کھانا، نہ پینا، نہ کسی سے کچھ کہنا نہ سننا، جس دھیان میں تھے اسی میں گوتھے رہنا اور گھڑی گھڑی کچھ سوچ سوچ کر سر دھننا۔''

کنور اودے بھان کے والدین اس کی یہ حالت دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ تب وہ اس حادثۂ محبت کے بارے میں بتاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوئی تھی۔ پھر کنور کے والدین رانی کیتکی کے والد جگت پرکاش کے یہاں ایک برہمن کی معرفت بیاہ کا سندیس بھیجتے ہیں۔ جگت پرکاش اسے اپنی رسوائی سمجھ کر شادی کے رشتے کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور برہمن کو قید کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے کنور کے باپ سورج بھان اور کیتکی کے باپ جگت پرکاش کے درمیان لڑائی ہو جاتی ہے۔ لڑائی کے دوران کنور اودے بھان کیتکی کو اپنے ساتھ بھاگنے کو کہتا ہے مگر کیتکی بھاگنے سے انکار کرتی ہے۔ کیتکی کا باپ جگت پرکاش اپنے گرو جوگی مہندر گر جو کیلاس پہاڑ سے آیا تھا اس کی مدد سے اودے بھان، اس کے باپ سورج بھان اور اس کی ماں رانی لچھمی باس کو ہرن ہرنی کی روپ میں تبدیل کر دیتا

ہے اور ساری فوج ایک آگ کے بگولے سے تباہ کر دی جاتی ہے۔ کیتکی اس واقعہ سے غم زدہ اور فکرمند ہو جاتی ہے۔ سہیلی مدن بان کے دلاسہ دینے سے کچھ سکون محسوس کرتی ہے۔ پھر کیتکی ایک روز بڑی چالاکی سے کھیلنے کے بہانے اپنی ماں 'کام لتا' سے جوگی مہندر گر کا دیا ہوا وہ بھبھوت لے لیتی ہے جسے آنکھوں میں لگانے والے دوسروں کو نظر نہیں آتے اور بھبھوت کو آنکھوں میں لگا کر اپنے عاشق اودے بھان کو تلاش کرنے کے لیے جنگل کی طرف نکل جاتی ہے۔ کیتکی کے اس طرح سے غائب ہو جانے سے اس کے والدین جگت پرکاش اور کام لتا پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس کی سہیلی مدن بان کو بھی بھبھوت آنکھوں میں لگا کر کیتکی کو تلاش کر کے واپس لانے کے لیے بھیجتے ہیں۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد کیتکی واپس لائی جاتی ہے پھر رونگٹا جلا کر جوگی مہندر گر کو بلایا جاتا ہے اور تمام واقعات سے باخبر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کنور اودے بھان اور اس کے والدین کو ہرن ہرنی سے واپس انسانی شکل میں تبدیل کیا جاتا ہے پھر کنور اودے بھان اور رانی کیتکی کا نہایت تزک و احتشام کے ساتھ بیاہ رچ دیا جاتا ہے۔

کرداروں کی پہچان

* کنور اودے بھان (ہیرو) اور رانی کیتکی ہیروئن۔
* 'مدن بان' جو کہ رانی کیتکی کی ہمراز سہیلی ہے وہ اس داستان کا باعمل، باہمت اور سب سے جاندار کردار ہے۔
* 'سورج بھان' کنور اودے بھان کا باپ ہے
* 'رانی لچھمی باس' کنور اودے بھان کی ماں ہے
* 'چندر بھان' کنور اودے بھان کا چچا ہے
* 'راجہ جگت پرکاش' رانی کیتکی کا باپ ہے
* 'رانی کام لتا' رانی کیتکی کی ماں ہے
* 'جوگی مہندر گر' جگت پرکاش کا گرو ہے جس کے نولاکھ اتیت تھے۔
* 'راجہ اندر' مہندر گر کا دوست ہے
* 'پھول کلی' ایک مالن ہے
* 'امراوات ہاتھی' راجہ اندر کے ہاتھی کا نام ہے
* 'کیلاس' ایک پہاڑ کا نام ہے



میر امن دہلوی

- نام، میر امن تھا اور تخلص لطف (گنج خوبی کے خطی نسخے اور باغ و بہار کے آخری شعر کے مطابق)
- تذکرہ طبقات شعرائے ہند میں کریم الدین نے ان کا نام میر امن اور تخلص امان لکھا ہے۔
- محمد یحییٰ تنہا اور نورالحسن نقوی نے اصلی نام میر امان اور امن تخلص بتایا ہے۔
- ڈاکٹر سہیل بخاری نے نام میر امان اور تخلص لطف اور امن دونوں قرار دیا ہے۔
- میر امن دہلی میں 1732 میں پیدا ہوئے تھے۔
- میر امن کا انتقال 1808 کلکتہ میں ہوا۔
- میر امن شاعر بھی تھے۔
- میر امن دہلی کے رہنے والے تھے۔
- میر امن 1761 میں دہلی سے عظیم آباد گئے تھے۔
- میر امن عظیم آباد سے کلکتہ جاکر نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کے اتالیق مقرر ہوئے تھے۔
- جان گل کرسٹ تک میر امن کی رسائی بہادر علی حسینی کے وسیلے سے ہوئی تھی۔
- 4 مئی 1801 کو فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی شعبہ میں چالیس روپے مہینے پر بحیثیت منشی میر امن کا تقرر ہوا تھا۔
- میر امن پانچ سال ملازمت کرنے کے بعد 4 جون 1806 میں سبکدوش ہو گئے۔

میر امن کے کارنامے

* میر امن نے کل دو کتابیں تحریر کی ہیں اور یہ دونوں کتابیں انھوں نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دوران ہی لکھی تھیں۔
* (1) باغ و بہار طبع اوّل 1804 (رشید حسن خان کے مطابق)
  (2) گنج خوبی 1219ھ
* میر امن نے باغ و بہار کے علاوہ گنج خوبی بھی گل کرسٹ کی فرمائش پر فورٹ ولیم کالج میں 1217ھ میں لکھنا شروع کی تھی اور 1219ھ میں تکمیل کو پہنچائی تھی۔

* گنج خوبی ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب اخلاق محسنی کا اردو ترجمہ ہے۔ (تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی، ص 424 جلد سوم)
* یو جی سی کے مطابق گنج خوبی انوار سہیلی کا ترجمہ ہے۔

میر امن کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- میر امن نے ناول کے لیے موزوں زبان کی بنیاد ڈالی۔ (احسن فاروقی)
- میر امن کو اردو نثر میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو میر تقی میر کو اردو شاعری میں حاصل ہے۔ (سرسید)
- میر امن کے یہاں مکالمہ اور بیان کی زبان ایک ہی ہے۔ (احسن فاروقی)

باغ و بہار

(تکمیل 1802ء اشاعت 1804)

- باغ و بہار جدید اردو نثر کا صحیفۂ اوّل ہے جسے فورٹ ولیم کالج میں جان گل کرسٹ کی نگرانی میں لکھا گیا۔ (رشید حسن خان)
- باغ و بہار میر امن کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ تحسین کی نوطرزِ مرصع 1775 سے ماخوذ ہے جو فارسی قصہ چہار درویش کا آزاد ترجمہ ہے۔
- میر امن نے دیباچے میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ وہ نوطرزِ مرصع کا ترجمہ ہے۔ البتہ باغ و بہار کی ابتدائی اشاعت کے سرورق پر یہ عبارت درج تھی: ''باغ و بہار تالیف کیا ہوا میر امن دلی والے کا، ماخذ اس کا نوطرزِ مرصع کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے فارسی قصہ چہار درویش سے۔''
- فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی تمام کتابوں میں سب سے اہم اور مشہور و مقبول کتاب 'باغ و بہار' ہے۔
- میر امن نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر قصہ چہار درویش کو عام بول چال کی زبان میں لکھا ہے جیسا کہ میر امن نے خود ہی لکھا ہے کہ ''موافق حکم حضور کے میں نے بھی اس محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔''
- میر امن نے باغ و بہار کو 1216ھ مطابق 1801 میں لکھنا شروع کیا تھا اور 1217ھ مطابق 1802 میں مکمل کیا تھا۔
- میر امن کی اس تصنیف کا نام باغ و بہار تاریخی ہے جس سے ہجری سنہ 1217ھ نکلتا ہے۔
- باغ و بہار کے 102 صفحے جان گلکرسٹ کے ایک انتخابی مجموعے 'ہندی مینول' میں 'قصہ چہار درویش' کے عنوان سے 1802 میں چھپے تھے۔

- باغ و بہار کی اشاعت پہلی مرتبہ مکمل کتاب کی صورت میں 1804 میں ہوئی تھی۔
- فورٹ ولیم کالج کونسل نے 'باغ و بہار' کو انعام کے لیے 31 اگست 1802 کو منتخب کیا تھا۔
- باغ و بہار کے اخیر میں گل کرسٹ کا لکھا ہوا ایک ناتمام پیش لفظ ہے۔
- باغ و بہار کو گلکرسٹ نے اردو زبان کے لیے بیش بہا اضافہ قرار دیا ہے۔
- میرامن کی زندگی ہی میں باغ و بہار کا ترجمہ انگریزی میں ہو گیا تھا۔
- باغ و بہار کا ترجمہ فرانسیسی، پرتگالی اور لاطینی زبانوں مین بھی ہوا ہے۔
- باغ و بہار میں دلی کی معاشرت پیش کی گئی ہے۔
- باغ و بہار اردو نثر کی پہلی زندہ کتاب قرار پائی۔ (سید عبداللہ)
- باغ و بہار میں سادگی اور پرکاری بیک وقت جمع ہیں (کلیم الدین احمد)
- میرامن کی باغ و بہار ان تصنیفات میں سے ہے جو ایک بار پیدا ہو کر پھر نہیں مرتیں۔" (احتشام حسین)
- باغ و بہار میں پانچ مرکزی قصے ہیں۔ چہار درویشوں کے اور ایک اصل قصہ بادشاہ آزاد بخت کا۔
- یہ پانچوں مرکزی قصے اپنے اندر ضمنی قصے بھی رکھتے ہیں۔ ان ضمنی قصوں میں خواجہ سگ پرست کا قصہ اہمیت رکھتا ہے۔
- باغ و بہار کا بنیادی قصہ عشقیہ نہیں لیکن چہار درویشوں کے قصے عشق کی تفسیر ہیں۔

باغ و بہار کا خلاصہ

شروع قصے کا

ملک روم کا بادشاہ آزاد بخت بوڑھا ہو رہا ہے لیکن اس کے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے جو اس کے بعد تخت و تاج کا وارث بن سکے۔ اسی الجھن میں وہ سلطنت کو چھوڑ کر گوشہ گیر ہو جاتا ہے۔ وزیر (خردمند) اسے سمجھاتا اور تسلی دیتا ہے۔ اس کی بات سن کر بادشاہ اس بات کو تقدیر پر چھوڑ دیتا ہے اور رات کو بھیس بدل کر گورستان جانے لگتا ہے۔ ایک دن بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آتا ہے۔ اسی وقت اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ وہاں جاتا ہے تو کا دیکھتا ہے کہ چہار درویش گلے میں کفنیاں ڈالے عالم بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں۔ وہ ان فقیروں کی حقیقت جاننے کے لیے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آتی ہے۔ تینوں فقیر چونک پڑتے ہیں۔ چراغ کو اکساتے ہیں اور دورانِ گفتگو طے کرتے ہیں کہ اپنی اپنی سرگذشت سب بیان کریں۔ چنانچہ پہلا درویش اپنا قصہ سناتا ہے۔

سیر پہلے درویش کی

- میرامن کے لفظوں میں 'سیر پہلے درویش کی' کی ابتدا کچھ یوں ہوتی ہے:
- پہلا درویش دوزانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا:

یا معبود اللہ! ادھر متوجہ ہو، اور ماجرا اس بے سروپا کا سنو!

یہ سرگزشت میری ذرا کان دھر سنو! مجھ کو فلک نے کر دیا زیر و زبر، سنو!
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت مرے تئیں اس کا بیان کرتا ہوں، تم سر بہ سر سنو!

پہلا درویش یمن کے سوداگر خواجہ احمد کا لڑکا ہے جو اپنے باپ کی دولت لٹا کر اپنے بہن کے گھر جا بیٹھتا ہے پھر بہن کی نصیحت کرنے پر سوداگری کے لیے دمشق جانے کے لیے تیار ہوتا ہے اور بہن کے دیے ہوئے پچاس توڑے اشرفی سے سوداگری کے سامان خرید کر ایک بڑے سوداگر کے حوالے کر دیتا ہے پھر خشکی کے راستے دمشق روانہ ہو جاتا ہے جب کہ سوداگر دریا کے راستے آتا ہے۔ جب دمشق پہنچتا ہے تو چونکہ رات بہت ہو چکی ہوتی ہے اس لیے اسے شہر پناہ کی دیوار کے تلے رات گزارنی پڑتی ہے۔
اسی درمیان درویش قلعہ کی دیوار سے ایک صندوق کو نیچے آتے دیکھتا ہے تو وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے اور جب وہاں جا کر ڈھکن اٹھاتا ہے تو ''ایک معشوق، خوب صورت، کامنی سی عورت جس کے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے، گھائل، لہو میں تربتر آنکھیں بند کیے کلبلاتی ہے، آہستہ آہستہ ہونٹ ہلتے ہیں اور یہ آواز منھ سے نکلتی ہے اے کمبخت، بے وفا! اے ظالم پر جفا! بدلا اس بھلائی اور محبت کا یہی تھا جو تو نے کیا۔'' درویش شب گزرنے کے بعد اس دوشیزہ کو اپنے ساتھ لا کر ایک گھر کرایہ پر لیتا ہے اور عیسیٰ نامی حجام سے جو جراحی کے فن سے خوب واقف ہوتا ہے اس کی علاج کرواتا ہے۔ اس پری کے کہنے پر درویش ایک یوسف نامی سوداگر کے پاس جاتا ہے اور سوداگر کو دعوت دیتا ہے۔ یوسف اپنے محبوبہ کے ساتھ درویش کے یہاں آتا ہے۔ شہزادی یوسف اور اس کے محبوبہ کو قتل کر کے غائب ہو جاتی ہے۔ پھر بہت تلاش کے بعد ملتی ہے اور پہلے درویش سے شادی ہوتی ہے پھر غائب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پہلا درویش خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر ہلاک کرنا چاہتا ہے۔

عین اسی وقت ایک سبز پوش سوار منہ پر نقاب ڈالے اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور نوید دیتے ہیں کہ ''تھوڑے دنوں میں، روم کے ملک میں، تین درویش تجھ سار کے ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے..... تجھ سے ملاقات کریں گے اور وہاں کے بادشا کا نام آزاد بخت ہے۔ اس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے۔ جب وہ بھی تم چار فقیروں کے ساتھ ملے گا تو ہر ایک دل کا مطلب اور مراد جو ہے، بہ خوبی حاصل ہوگی۔''

پہلا درویش اپنا قصہ ختم کرتا ہے تو دوسرا شروع کرتا ہے۔

سیر دوسرے درویش کی

☜ میر امن کے لفظوں میں 'سیر دوسرے درویش کی' کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

☜ جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چارزانو ہو بیٹھا، اور بولا:

اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو! | میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا، سنو!
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم | ہے گا ہمارا درد نپٹ لا دوا، سنو!

دوسرے درویش کے قصے کا قرینہ مختلف ہے۔ پہلا درویش یمن کے ملک التجار خواجہ احمد کا بیٹا ہے اور دوسرا درویش ملکِ فارس کا بادشاہ زادہ ہے جو حاتم طائی کی سخاوت کا قصہ سن کر خود بھی بڑا سخی بن جاتا ہے اور ایک عظیم خیرات خانہ جاری کرتا ہے۔ وہاں ایک دن ایک فقیر آتا ہے اور بصرے کی شہزادی کی سخاوت کا حال بیان کرتا ہے۔ بادشاہ زادہ دشوار گزار سفر طے کر کے بصرے کی شہزادی کے ہاں پہنچتا ہے اور اسے نکاح کا پیغام دیتا ہے۔ شہزادی اپنے ملازم بہروز کے ذریعے اس جوان کا قصہ بتاتی ہے جو ہر مہینے زمرد کا مرتبان لے کر ایک بیل پر سوار ہو کر آتا ہے اور مرتبان کو توڑ کر غلام کو مار ڈالتا ہے۔ شہزادی یہ شرط رکھتی ہے کہ اگر بادشاہ زادہ اس راز کا حال دریافت کر لائے تو وہ شادی کر لے گی۔ اس کے بعد شہزادی والیِ بصرہ کی بیٹی کا قصہ سناتی ہے کہ کیسے اس کے باپ نے یہ کہنے پر کہ وہ اپنی قسمت کا کھاتی ہے، اسے جنگل میں ڈلوا دیا جہاں قسمت سے ایک دفینہ اسے ملتی ہے جس سے وہ سب کو فیض پہنچا رہی ہے۔ یمن کا بادشاہ زادہ شہر نیم روز کو روانہ ہوتا ہے اور نیم روز کے شہزادے کا یہ راز معلوم کرتا ہے۔ راز معلوم ہونے کے بعد ازراہِ ہم دردی وہ اس نوجوان شہزادے کی مدد کرنے کے لیے اس پری کی تلاش میں نکلتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے اور مایوس ہو کر خودکشی کرنے والا ہوتا ہے کہ وہی سوار برقع پوش اسے نوید دیتے ہیں جیسی پہلے درویش کو دی تھی۔

اس کا قصہ ختم ہونے تک صبح ہو جاتی ہے۔ صبح ہوتے ہی آزاد بخت اپنے محل واپس آتا ہے اور وہیں ان سب درویشوں کو بلوا لیتا ہے۔ پہلے بادشاہ آزاد بخت اپنی سرگذشت بیان کرتا ہے جس میں 'خواجہ سگ پرست' کا قصہ شامل ہے۔

سرگذشت آزاد بخت بادشاہ کی

آزاد بخت بادشاہ کا قصہ محض ایک دھاگے کا حصہ ہے۔ اس میں خواجہ سگ پرست کا قصہ ہی سب کچھ ہے۔ بادشاہ کا ایک لعل پر ناز کرنا اور وزیر کا اسے بتانا کہ اس سے بہتر کئی لعل ایک کتے کے پٹے میں جڑے ہوئے ہیں۔ آزاد بخت غصے میں آ کر وزیر کو قید کر دیتا ہے اور وزیر کی بیٹی لڑکے کا بھیس بدل کر خواجہ

سگ پرست کے پاس پہنچی ہے اور اسے آزاد بخت تک لے آتی ہے۔ یہ سب قصے کی تمہید ہے۔ وزیرزادی کے ساتھ آزاد بخت کے حضور میں آکر سگ پرست اپنا قصہ بیان کرتا ہے جو طویل اور سنسنی خیز ہے۔ اس میں واقعات کے بعد واقعات آتے ہیں جن سے سگ پرست دوچار ہوا ہے۔ اس میں خواجہ سگ پرست اور اس کے دو بھائیوں کا حال بیان میں آتا ہے۔ خواجہ سگ پرست ہر بار محبت اور بھائی ہر بار بے وفائی و دشمنی دکھاتے ہیں۔ کنیا زیرباد سے ملاقات، اس کا حال یادر وہاں کی بت پرستی کی نوعیت، پھر شاہ بندر سے کش مکش کا قصہ سب قصوں سے زیادہ طویل ہے۔ بھائیوں کا قصہ سنانے کے بعد خواجہ سگ پرست ان جواہرات کا قصہ بھی سناتا ہے جو کتے کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں۔ آخر میں وزیرزادی سے اس کی شادی ہو جاتی ہے اور ان کے بچے آزاد بخت کے ہاں بڑے عہدوں اور منصب پر فائز ہوتے ہیں۔

پھر تیسرا اور چوتھا درویش آزاد بخت کے حضور میں اپنے واقعات بیان کرتے ہیں۔

سیر تیسرے درویش کی

- میرامن کے لفظوں میں 'سیر تیسرے درویش کی' کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:
- ''تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا اور اپنی سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا:

احوال اس فقیر کا اے دوستاں سنو! یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستاں سنو!

جو کچھ کہ شاہِ عشق نے مجھ سے کیا سلوک تفصیل وار کرتا ہوں اس کا بیاں، سنو!''

تیسرے درویش کے قصے میں وہ عجم کا بادشاہ زادہ ہے اور اس کا قصہ تمام تر فرنگ کی شہزادی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں ایک طرف نعمان سیاح ہے جو فرنگ کی شہزادی اور اس کے چچازاد بھائی کا قصہ سناتا ہے جو پنجرے میں قید ہے۔ بادشاہ زادہ (تیسرا درویش) بے تاب ہو کر شہزادی کے ملک پہنچتا ہے۔ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہزادہ جو پنجرے میں قید تھا، قتل کیا جا چکا ہے اور اس کا کوکا اسے صندوق میں رکھ کر شہر میں لیے پھرتا ہے اور اس کا ماتم کرتا ہے۔ اس جوان سے درویش کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ اس کے توسط سے شہزادی تک پہنچتا ہے اور اسے حاصل کر لیتا ہے۔ یہ جوان، جس کا نام بہزاد خان ہے، درویش اور شہزادی کو، بادشاہ سے جنگ کر کے نکال لاتا ہے۔ راستے میں ایک دریا پڑتا ہے جس میں گھوڑوں پر سوار شہزادی اور بہزاد خاں ڈوب جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر درویش بھی خود کو ختم کرنے کے لیے دریا میں ڈوب جانا چاہتا ہے لیکن عین اس وقت سوار برقع پوش آکر بشارت دیتے ہیں کہ مایوس مت ہو۔ دونوں سے تیری ملاقات ہوگی اور اسے ملک روم جانے کی ہدایت کرتے ہیں جہاں اسے دو درویش ملیں گے۔ جب ان سے ملے گا، اپنی مراد کو پہنچے گا۔

سیر چوتھے درویش کی

میر امن کے لفظوں میں 'سیر چوتھے درویش کی' کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

''چوتھا فقیر اپنی سیر کی حقیقت رو رو کر اس طرح دہرانے لگا:

قصہ ہماری بے سروپائی کا اب سنو! ٹک اپنا دھیان رکھ کے مرا حال سب سنو!
کس واسطے میں آیا ہوں یاں تک تباہ ہو! سارا بیان کرتا ہوں اس کا سبب سنو!''

چوتھا درویش بادشاہِ چین کا بیٹا ہے۔ درویش کا باپ مرتے وقت اپنے بھائی کو وصیت کرتا ہے کہ جب میرا بیٹا بڑا ہو جائے تو اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر کے تخت سلطنت اسے دے دینا لیکن چچا اسے مروانے کا حکم دیتا ہے اور مبارک نامی غلام کو یہ کام سونپتا ہے۔ مبارک شہزادے کا دل سے وفادار تھا۔ اسے قتل کرنے کے بجائے وہ جنوں کے بادشاہ ملک صادق کے پاس لے جاتا ہے جو اس کے باپ کا دوست تھا۔ ملک صادق اس شرط پر مدد کرنے کو تیار ہوتا ہے کہ درویش اس کی محبوبہ کو، جس کی تصویر اس کے پاس ہے، تلاش کر کے لائے۔ مبارک اور درویش اسی لڑکی (محبوبہ) کے ملک پہنچتے ہیں۔ وہاں ایک فقیر، لڑکی پر آسیب کا قصہ اسے سناتا ہے جس کے گھر میں، اس کے باپ (بادشاہ) نے اسے ڈال دیا ہے۔ درویش خود اس لڑکی پر عاشق ہو جاتا ہے مگر مبارک کی ہدایت پر اس کے قریب نہیں جاتا اور جب اسے لے کر ملک صادق کے پاس آتا ہے تو مبارک ایک ایسا تیل اس لڑکی کے جسم پر مل دیتا ہے کہ جب وہ ملک صادق کے سامنے آتی ہے تو بدبو سے اس کا دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ طیش میں آ کر ملک صادق مبارک اور بادشاہ زادہ (درویش) کو مارنے کی دھمکی دیتا ہے۔ بادشاہ زادہ ملک صادق کا خنجر چھین کر اس کی توند میں گھونپ دیتا ہے۔ غصے میں آ کر ملک صادق اس کے لات رسید کرتا ہے اور جب بادشاہ زادہ (درویش) ہوش میں آتا ہے تو خود کو خارزار جنگل میں پاتا ہے۔ مایوسی کے عالم میں وہ جان دینے والا ہی تھا کہ برقع پوش آ کر کہتے ہیں کہ جلد روم کو جاؤ۔ تین شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں۔ ان سے ملاقات کر۔

چوتھے قصے کے بعد ہی آزاد بخت کے ہاں لڑکا پیدا ہونے کی خبر آتی ہے اور کچھ دیر بعد یہ خبر بھی آتی ہے کہ جس وقت شہزادے کو نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا، ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا..... اور شہزادہ غائب ہو گیا۔'' تیسرے دن وہی بادل پھر آتا ہے اور شہزادے کو جڑاؤ پنگھوڑا میں واپس کر جاتا ہے۔ ہر جمعرات کو یہی ہوتا ہے۔ آزاد بخت ایک جمعرات کو ایک شقہ پنگھوڑے میں رکھ دیتے ہیں اور اس کے جواب میں ایک ہوادار آ کر آزاد بخت اور چاروں درویشوں کو ساتھ لے جا کر جنوں کے

بادشاہ: ملک شہپال کے ہاں پہنچا دیتا ہے۔ یہاں آ کر شہپال کے وسیلے سے سب کی مرادیں برآتی ہیں اور سارے قصوں کے بھید کھل جاتے ہیں اور اس دعا کے ساتھ کہ "الٰہی! جس طرح یہ چار درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے اسی طرح ہر ایک نامراد کا مقصدِ دل اپنے کرم اور فضل سے برلا....."

کرداروں اور مقامات کی پہچان

* آزاد بخت روم کا بادشاہ تھا جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) تھا۔
* آزاد بخت کے وزیر کا نام خردمند تھا۔
* پہلا درویش ملک یمن کے ملک التجار (سوداگر) خواجہ احمد کا بیٹا تھا۔
* پہلے درویش کی شادی دمشق کی شہزادی سے ہوئی تھی۔
* پہلا درویش تجارت کے لیے دمشق خشکی کے راستے سے گھوڑے پر سوار ہو کر گیا تھا۔
* عیسیٰ نام کا ایک جراح جس سے پہلے درویش نے شہزادی کا علاج کرایا تھا ایک حجام تھا۔
* یوسف نامی کردار کا ذکر بھی پہلے درویش کے قصے میں ہی ہوا ہے۔
* سیدی بہار دمشق کی شہزادی کا خزانچی تھا۔
* دوسرا درویش ملک فارس کا شہزادہ تھا۔
* دوسرے درویش نے بصرہ کا سفر کیا تھا۔
* دوسرے درویش کی شادی بصرہ کی شہزادی سے ہوئی تھی۔
* دوسرے درویش کو شہر نیم روز کا قصہ بہرور نے سنایا تھا۔
* بدخشاں کا سوداگر آزاد بخت کے دربار میں آیا تھا۔
* وزیر کو فرنگ کے ایلچی نے قتل ہونے سے بچایا تھا۔
* آزاد بخت نے وزیر کو پنڈت خانے میں قید کروایا تھا۔
* خواجہ سگ پرست ملک فارس کا سوداگر تھا۔
* خواجہ سگ پرست نے اپنے بھائیوں کو بخارا جانے والے قافلے کے ساتھ روانہ کیا تھا۔
* خواجہ سگ پرست کا منجھلا بھائی اس کی لونڈی پر عاشق ہوا تھا۔
* خواجہ سگ پرست دربار سے بچنے کے بعد شہر سواد میں داخل ہوا تھا۔
* خواجہ سگ پرست کو 'زندانِ سلیماں' میں قید کیا گیا تھا۔
* خواجہ سگ پرست پر ولایت سراندیپ کی سرحد پر اس کے دونوں بھائیوں نے وار کیا تھا۔

- خواجہ سگ پرست نے آذربائیجان کے باشندے سے لعل لیے تھے۔
- خواجہ سگ پرست کی داستان سن کر اور اس کتے کو دیکھ کر جس کے پٹے میں بارہ عدد لعل ٹنکے ہوئے تھے آزاد بخت نے وزیر کو رہا کر دیا تھا۔
- وزیرزادی کی شادی خواجہ سگ پرست سے ہوئی تھی۔
- تیسرا درویش عجم کے بادشاہ کا بیٹا تھا اور اس نے ملک فرنگ کی سیر کی تھی۔
- تیسرے درویش کی شادی فرنگ کی ملکہ سے ہوئی تھی۔
- بہزاد خان نے ایک راس گھوڑا ترکی پر تیسرے درویش کو سوار کر کے روانہ کیا تھا۔
- ملکہ کا نام مہر نگار اور شہزادہ کا نام گار تھا۔
- چوتھا درویش چین کے بادشاہ کا بیٹا تھا۔
- چوتھے درویش کی شادی پیر مرد عجمی کی بیٹی سے ہوئی تھی جو ملک صادق کے قبضے میں تھی۔
- آزاد بخت کے یہاں ماہ رو کے بطن سے بختیار پیدا ہوا تھا۔
- ملک شہپال جو جنوں کا بادشاہ تھا اس کی بیٹی کا نام روشن اختر تھا۔
- بختیار کی شادی روشن اختر سے ہوئی تھی۔
- نیم روز کے بادشاہ کی بیٹی کا نکاح بہزاد خان سے ہوا تھا۔
- خواجہ زادۂ یمن یعنی یمن کے شہزادہ اور بہزاد خان نے آزاد بخت کی رفاقت قبول کی تھی۔
- باغ و بہار کے دوسرے قصے میں بصرہ کی شہزادی اپنے ملازم بہرور کے ذریعے جس جوان کا قصہ بتاتی ہے وہ ہر مہینہ زمرد کا مرتبان لے کر بیل پر سوار ہو کر آتا ہے۔
- باغ و بہار میں بنیادی طور پر پانچ افراد کا قصہ بیان ہوا ہے۔
- پہلا قصہ پہلے درویش کا ہے جو چاروں درویشوں کے قصوں میں سب سے طویل قصہ ہے جبکہ 'باغ و بہار' کے بنیادی پانچ قصوں میں طوالت کے اعتبار سے پہلے درویش کا قصہ دوسرے نمبر پر ہے۔
- دوسرا قصہ دوسرے درویش کا ہے جو چاروں درویشوں کے قصے میں طوالت کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر ہے لیکن یہ 'باغ و بہار' کے پانچ قصوں میں تیسرے نمبر پر ہے۔
- تیسرا قصہ خواجہ سگ پرست کا قصہ ہے جو 'سرگزشت آزاد بخت پادشاہ کی' کے عنوان سے ہے۔ یہ باغ و بہار کے بنیادی پانچوں قصوں میں سب سے طویل قصہ ہے۔
- چوتھا قصہ تیسرے درویش کا قصہ ہے جو چاروں درویشوں کے قصوں میں سب سے چھوٹا بلکہ باغ و بہار کے پانچوں قصوں میں سب سے چھوٹا قصہ ہے۔

- پانچواں قصہ چوتھے درویش کا ہے جو چاروں درویشوں کے قصے میں طوالت کے اعتبار سے تیسرے نمبر پر ہے۔
- یعنی مجموعی طور سب سے طویل قصہ خواجہ سگ پرست کا ہے۔

نوٹ: دوستو! جب یہ پوچھا جائے کہ کس درویش کا قصہ سب سے طویل ہے تو جواب پہلا درویش ہوگا لیکن جب یہ پوچھا جائے کہ باغ و بہار کا کون سا قصہ طویل ہے تو جواب تیسرا قصہ یعنی خواجہ سگ پرست کا قصہ ہوگا۔ اسے آپ مندرجہ بالا تفصیل سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

* آزاد بخت باغ و بہار کا مرکزی کردار ہے۔
* قصے کے اہم کردار خواجہ سگ پرست اور اس کے بھائی ہیں۔
* نسوانی کرداروں میں دمشق کی شہزادی کے عادات و اطوار شاہانہ نوعیت کے ہیں۔
* بصرے کی شہزادی اپنی فہم اور ذکاوت کی بنا پر قاری کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے لیکن نسوانی کرداروں میں سب سے اہم کردار وزیرزادی کا ہے۔

دیگر کردار:

نوفل بادشاہ، بہرور، حبشی مبارک، بادشاہ ملک صادق، حاتم طائی، بیدار بخت، یوسف سوداگر۔



رجب علی بیگ سرور

- نام رجب علی بیگ تھا اور تخلص سرور۔
- سرور 1200ھ مطابق 1786 میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔
- سرور کا انتقال 1286ھ مطابق 1869 میں بنارس میں ہوا اور بنارس ہی میں دفن کیے گئے۔
- سرور کے والد کا نام مرزا اصغر علی بیگ تھا۔
- سرور کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی تھی۔
- سرور عربی، فارسی زبان و ادب کے علاوہ شہ سواری، تیر اندازی، خوش نویسی اور موسیقی میں دسترس رکھتے تھے۔
- سرور شاعری میں آغا نوازش حسین خان نوازش کے شاگرد تھے۔
- والی اودھ غازی الدین حیدر نے ایک قتل کے الزام میں سرور کو 1824 میں لکھنؤ سے جلاوطن کیا تھا اور سرور کانپور چلے گئے تھے۔
- نصیر الدین حیدر نے سرور کا قصور معاف کر کے انھیں لکھنؤ آنے کی اجازت دی تھی۔
- واجد علی شاہ نے سرور کو پچاس روپے ماہانہ پر درباری شعرا میں داخل کیا تھا۔
- سرور 1859 میں بنارس گئے تھے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔
- سرور کے غالب کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔
- سرور نثر کے اعتبار سے دبستان لکھنؤ کے بانی ہیں۔
- بقول چکبست 'اودھ پنچ' کے پہلے رجب علی بیگ سرور کے طرزِ تحریر کی پرستش ہوتی تھی۔

رجب علی بیگ سرور کے کارنامے

- **فسانۂ عجائب** 1240ھ/ 1824: یہ سرور کی پہلی نثری تصنیف ہے۔
- **شگوفۂ محبت** 1272ھ/ 1856: یہ سرور کی تصنیف کردہ دوسری داستان ہے جس کا قصہ مہر چند کھتری کی تصنیف 'قصۂ ملک محمد و گیتی افروز' سے اخذ کیا گیا ہے۔
- **گلزار سرور** 1275ھ: یہ ایک تمثیلی داستان ہے اور فسانۂ عجائب کے بعد سرور کی دوسری اہم کتاب ہے۔
- سرور نے بنارس میں وہاں کے مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ کی ہدایت پر ملا محمد رضی تبریزی کی

فارسی تصنیف 'حدائق العشاق' کا ترجمہ 'گلزار سرور' کے نام سے کیا تھا۔

- **گلزار سرور** کے دیباچے میں واجد علی شاہ کی معزولی اور لکھنؤ کی تباہی کا بیان ہے۔ ابتدا میں غالب کی تقریظ بھی شامل ہے۔
- **شبستان سرور** 1279ھ: یہ الف لیلیٰ کا آسان زبان میں ترجمہ ہے۔ سرور کی دوسری تصانیف کے برعکس اس کتاب کی زبان سادہ اور سہل ہے۔
- **شرار عشق:** یہ ایک مختصر قصہ ہے۔
- فسانۂ عبرت 1856 فسانۂ عبرت میں سرور نے لکھنؤ کے آخری چار نوابوں کے حالات قلم بند کیے ہیں۔
- تاریخی اعتبار سے فسانۂ عبرت اہمیت کی حامل ہے۔
- **سرور سلطانی:** سرور کی آخری تصنیف ہے۔
- سرور نے واجد علی شاہ کی فرمائش پر شاہنامے کی فارسی تلخیص 'شمشیر خانی' کا اردو ترجمہ سرور سلطانی کے نام سے کیا تھا۔
- **انشائے سرور:** یہ رجب علی بیگ سرور کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔

فسانۂ عجائب

(1240ھ مطابق 1824)

- فسانۂ عجائب سرور اور شمالی ہند کی پہلی اہم طبع زاد داستان ہے جس میں لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت پیش کی گئی ہے۔
- سرور نے فسانۂ عجائب کو حکیم اسد علی کی فرمائش پر کان پور میں 1240ھ مطابق 1824 میں تصنیف کیا تھا اور داستان فسانۂ عجائب' پہلی بار 1843 میں شائع ہوئی تھی۔
- سرور نے فسانۂ عجائب تصنیف کرتے وقت گلشن نو بہار، بہار دانش، پدماوت، داستان امیر حمزہ اور سحر البیان سے استفادہ کیا ہے۔
- فسانۂ عجائب کی عبارت انتہائی پر تکلف، نہایت پیچیدہ اور مقفیٰ مسجع ہے اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ فسانۂ عجائب زبان و بیان کے اعتبار سے 'نوطرز مرصع' کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔
- سرور نے میر امن کے باغ و بہار کے جواب میں داستان فسانہ عجائب لکھی تھی۔
- سرور نے فسانۂ عجائب کے دیباچے میں 'باغ و بہار' اور اس کے مصنف کا مذاق اڑایا ہے اور میر امن نے در پردہ اہل لکھنؤ پر باغ و بہار میں جو چوٹ کی تھی اس کا بدلہ لیا ہے۔

- سرور نے فسانۂ عجائب کے متن میں 18 بار تبدیلی کی تھی۔
- فسانۂ عجائب میں شامل اشعار سرور اور ان کے استاد نوازش کے ہیں اور اس کے علاوہ حافظ، جامی، سودا، میر، مصحفی، سوز، جرأت، اور میر حسن وغیرہ کے اشعار بھی شامل ہیں۔
- سرور نے فسانۂ عجائب میں لکھنؤ کی تعریف اور کان پور کی مذمت کی ہے۔
- سرور نے فسانۂ عجائب میں بادشاہ غازی الدین حیدر اور بادشاہ نصیرالدین کی شان میں بھی مدحیہ الفاظ کہے ہیں۔
- سرور نے داستان فسانہ عجائب کو بادشاہ نصیرالدین حیدر کے دربار میں پیش کیا تھا۔
- فسانۂ عجائب کا امتیاز اس کے اسلوب اور معاشرت کے بیان ہی میں مضمر ہے۔
- ڈاکٹر گیان چند نے 'فسانۂ عجائب' کی عظمت کا راز اس کے مرصع اسلوب میں بتایا ہے۔
- فسانہ عجائب میں لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔
- فسانۂ عجائب میں چیزوں کی تفصیل دیکھ کر 'سب رس' کی یاد آتی ہے۔
- فسانہ عجائب کو کئی ناموں سے جانا جاتا ہے مثلاً فسانہ عجائب، فسانۂ عجیب، قصہ انجمن آرا، جان عالم اور قصہ جان عالم
- بعض ناقدین نے فسانۂ عجائب کو ناول کا پیش رو کہا ہے۔
- سرور نے فسانہ عجائب کے دیباچے میں وجہ تصنیف کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے چند دوست ایک دن آپس میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے کہ ایک دوست نے قصہ کہنے کی فرمائش کی اور میں نے اسی پر عمل کرتے ہوئے چند کلمات ان کے سامنے بیان کیے جسے بعد میں کان پور کے قیام کے درمیان داستان کی شکل میں پیش کیا اور 1240 ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔

فسانۂ عجائب کا خلاصہ

ایک بادشاہ جس کا نام فیروز بخت ہے ملک ختن پر حکومت کرتا ہے (ملک ختن کا نام قسمت آباد بھی ہے) اس کے عہد میں تمام مخلوق خوش حال ہے۔ خزانہ لاانتہا اور وزیر وامیر جانفشاں ہیں لیکن اس کے باوجود بادشاہ کو کوئی اولاد نہیں تھی۔ ساٹھ برس کی عمر میں ایک فرزند کی ولادت ہوتی ہے۔ جس کا نام جان عالم رکھا جاتا ہے۔ نجومی پیشین گوئی کرتے ہیں کہ شہزادہ جان عالم پندرہ برس کی عمر میں گھر سے بے گھر ہو جائے گا۔ چودہ سال کی عمر میں جان عالم کی شادی ماہ طلعت سے کر دی جاتی ہے۔ ایک دن جان عالم بازار سے لاکھ روپے (خلعت کے سوا) میں ایک ایسا طوطا خرید کر لاتا ہے جو بات چیت بھی کرتا ہے۔ ایک روز طوطا شہزادی انجمن

آرا کا ذکر جان عالم کے سامنے کرتا ہے۔ انجمن آرا کا ذکر سنتے ہی جان عالم کا دل پرزے پرزے اور دماغ عقل سے خالی ہو جاتا ہے۔ غائبانہ عشق سر پر سوار ہوتا ہے۔ طوطے کی مدد چاہتا ہے طوطے کو پچھتاوا بھی ہوتا ہے کہ کیوں اس کے سامنے انجمن آرا کا ذکر کیا۔ طوطا شہزادے سے کہتا ہے:

''میں نے ہر چند چاہا، آپ رنج سفر، مصائب شہر بشہر، ایذائے غربت سے باز رہیں کہ سفر اور سقر کی صورت ایک ہے، اس سے بچنا نیک ہے مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مقدر میں یہ اور لکھا ہے۔ میرا قصور اس میں کیا ہے۔''

انجام کار طوطے کی رہبری میں شاہزادہ وزیر زادہ کے ساتھ ملک زرنگار کے لیے روانہ ہوتا ہے جہاں شہزادی انجمن آرا رہتی ہے۔ راستے میں طوطا اڑ جاتا ہے، وزیر زادہ بچھڑ جاتا ہے اور شاہزادہ جان عالم ایک طلسم میں گرفتار ہوتا ہے۔ نقش سلیمانی سے رہائی ملتی ہے پھر وادی فرحناک میں پہنچتا ہے۔ ملکہ مہر نگار سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ شہزادے پر فدا ہو جاتی ہے۔ شاہزادہ واپسی کا وعدہ کر کے مہر نگار سے رخصت لیتا ہے اور انجمن آرا کے شہر زرنگار پہنچتا ہے۔ انجمن آرا کو ایک جادوگر کی قید سے چھڑاتا ہے اور اس سے مل کر دل کا حال سناتا ہے۔ انجمن آرا کا باپ جان عالم سے خوش ہو کر دونوں کی شادی منظور کر لیتا ہے پھر دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ شہزادہ انجمن آرا کو لے کر وطن لوٹتے ہوئے ملکہ مہر نگار سے بھی نکاح کر لیتا ہے مگر وزیر زادے کی باتوں میں آ کر شہزادہ مردہ بندر میں اپنی روح منتقل کر لیتا ہے اور وزیر زادہ شہزادے کے بدن میں اپنی روح منتقل کر لیتا ہے۔ معلوم ہو کہ جان عالم ہی نے وزیر زادے کو تبدیلی روح کا عمل سکھلایا تھا۔ پھر شہزادہ بندر سے طوطے کے قالب میں آ جاتا ہے اور وزیر زادہ بکری کے بچہ کے قالب میں منتقل ہوتا ہے۔ آخر میں وزیر زادے کو سزا دی جاتی ہے۔

کرداروں کی پہچان

- جان عالم 'فسانۂ عجائب' کا ہیرو اور انجمن آرا کا عاشق ہے۔ جان عالم ہی کو شامیانے کے تلے مسندِ جواہر نگار پر بٹھایا جاتا ہے۔
- انجمن آرا جو کہ فسانۂ عجائب کی ہیروئن ہے وہ ملک زرنگار کی شہزادی اور جان عالم کی محبوبہ ہے۔
- فیروز بخت جو کہ ملک ختن کا بادشاہ ہے، شہزادہ جان عالم کا باپ ہے۔
- 'ماہ طلعت' جس سے شہزادہ جانِ عالم کی شادی 14 سال کی عمر میں ہوئی تھی۔
- 'مہر نگار' فسانۂ عجائب کا سب سے کامیاب اور جاندار کردار ہے۔
- ڈاکٹر نیر مسعود نے تو ملکہ مہر نگار ہی کو ہیروئن مانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ملکہ کا کردار انجمن آرا سے

زیادہ باوقار ہے۔

- شہہ پال جادوگر ہے۔
- خواجہ سرا محبوب علی خان
- دل آرام ملکہ مہر نگار کی کنیز ہے
- نشاط افزا ایک باغ کا نام ہے
- کوہ مطلب برآر جہاں جوگی رہتا تھا۔
- فسانۂ عجائب میں طوطا ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

دیگر کردار:

- وزیرزادہ، چڑی مار، دیو، دیونی، سوداگر، جوگی، انجمن آرا کا باپ، طوطا
- جان عالم اور انجمن آرا کا کردار فسانۂ عجائب کے مرکزی کردار ہیں۔
- جان عالم اور انجمن آرا کے علاوہ ملکہ مہر نگار ماہ طلعت اور وزیرزادے کے کردار بھی اہم ہیں۔



میر محمد تقی خیال اور بوستانِ خیال

- بوستانِ خیال ایک فارسی داستان ہے جسے پندرہ جلدوں میں محمد شاہ کے عہد میں میر محمد تقی خیال نے داستان امیر حمزہ کے جواب میں تصنیف کیا تھا۔
- بوستانِ خیال کے مصنف میر محمد تقی خیال احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے۔
- میر محمد تقی خیال تلاش معاش میں احمد آباد سے دلی چلے آئے تھے۔

وجہ تصنیف

بوستانِ خیال کے معرض وجود میں آنے کا قصہ یہ ہے کہ دہلی میں جس جگہ خیال نے گجرات سے آ کر قیام کیا تھا وہاں پر قریب ہی قہوہ خانہ جہاں ایک داستان گو دوسروں کی داستانیں اپنے نام سے سنایا کرتا تھا۔ خیال بھی بخیال تفریح وہاں جا بیٹھتے تھے ایک دن جب داستان گو کوئی قصہ سنا رہا تھا تو کسی نے ٹوک دیا کہ یہ قصہ تو میں نے فلاں جگہ سنا ہے۔ اس پر اس داستان گو نے کہا کہ ''صاحب انسان حسب قدر اپنے علم و فضل میں دست گاہ حاصل کرسکتا ہے مگر فن قصہ گوئی ایسا دقیق اور مشکل ہے کہ بغیر مناسبت طبیعت ہرگز حاصل نہیں ہوتا'' خیال کو یہ دعویٰ ناگوار گزرا اور انھیں اپنے علم پر طنز لگا جس کے بعد سے روزانہ خیال داستان کے کچھ اجزا لکھ کر مجلس میں لا کر اہل مجلس کو سنانے لگے اس طرح داستان نویسی کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ آگے چل کر یہی داستان 'بوستان خیال' کے نام سے مشہور ہوئی۔

- خیال نے دہلی میں اپنے داستان گوئی کی وجہ سے نواب رشیدالدین خان بہادر المسمیٰ بہ مرزا محمد علی تک رسائی حاصل کی تھی جو داستان سننے کے شوقین تھے۔
- رشیدالدین خان نے خیال سے داستان مکمل کرنے کی فرمائش کی تھی۔
- خیال نے رشیدالدین خان کے حکم اور فرمائش پر باقاعدہ 'بوستانِ خیال' لکھنا شروع کیا تھا اور اس کا نام بھی 'فرمائش رشیدی' رکھا تھا جس سے 1155 ہجری تاریخ نکلتی ہے۔
- رشیدالدین خان کے بڑے بھائی نواب محمد اسحاق خان نے خیال کی داستان محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں پیش کی تھی۔
- محمد شاہ نے اسے پسند فرما کر خیال کو شاہی کتب خانہ کی داروغگی کے عہدے سے سرفراز کیا تھا۔
- محمد شاہ نے خیال کو داستان مکمل کرنے کا حکم دیا تھا اور مدد کے لیے پندرہ کاتب زود نویس اور خوش

خط مقرر کیے تھے۔

- خیال نے ابھی 'مہدی نامہ' اور اسماعیل نامہ کی حد تک ہی داستان مکمل کر پایا تھا کہ محمد شاہ کا انتقال ہو گیا تھا۔
- خیال محمد شاہ کے وفات کے بعد مرشد آباد آ کر نواب سراج الدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے تھے۔
- خیال نے سراج الدولہ کے حکم پر بوستان خیال کو پندرہ جلدوں میں پورا کیا تھا۔
- یاد رہے کہ بوستان خیال کو خیال نے دہلی میں لکھنا شروع کیا تھا مگر اس کی چودہ جلدیں مرشد آباد میں پوری ہوئی تھیں۔
- بوستان خیال کو مکمل کرنے میں چودہ سال کا عرصہ لگا تھا۔
- داستان بوستان خیال کے آخر میں سراج الدولہ کی مدح میں ایک قطع ہے جس میں داستان کے اختتام کی تاریخ 1170 درج ہے:

دو ہزار یک صد و ہفتاد و ہجری ختم شد
یارب از سیرش بود خرم دل ہر شیخ و شاب

- 'بوستانِ خیال کا سب سے پہلا ترجمہ 'زبدۃ الخیال' کے نام سے عالم علی نے 1256ھ/ 1840 میں کیا تھا جو ترجمہ 1844 بھاگل پور سے شائع ہوا تھا۔
- مہدی علی خان زکی مراد آبادی نے نواب سید محمد سعید خان کے حکم سے بوستانِ خیال کی چند جلدوں کا ترجمہ طلسم سعید، طلسم حیرت کدۂ آصفی اور طلسم حکیم قسطاس وغیرہ ناموں سے کیا تھا۔
- بوستانِ خیال کا سب سے اہم ترجمہ خواجہ امان دہلوی کا ہے جو انھوں نے الور کے مہاراجہ شیو دان سنگھ کی فرمائش پر کیا تھا۔
- لکھنؤ میں بوستانِ خیال کا سب سے پہلا ترجمہ مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا نے مہدی نامہ کے نام سے کیا تھا۔
- بوستانِ خیال کا پلاٹ الجھا ہوا ہے۔ اس میں بیک وقت تین ہیرو کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ ہر داستان اتنی پیچیدہ ہے اور اتنے کردار ہیں، اتنے ممالک اور اتنے واقعات ہیں کہ کوئی مربوط کہانی نہیں بن پائی۔
- اردو میں بوستانِ خیال نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔
- بوستانِ خیال کا پلاٹ علم نجوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے ستاروں اور سیاروں سے ترتیب دیا گیا ہے۔
- بوستان خیال میں داستان کی ابتدا معز الدین (ہیرو) کے اجداد کے بیان سے ہوتی ہے۔

- داستان بوستان خیال کی پہلی جلد (جس کا نام 'مہدی نامہ' ہے) میں شاہزادہ معزالدین کے جد بزرگ سلطان مہدی اور سلطان اسماعیل کا تذکرہ ہے۔
- بوستانِ خیال کا اصل قصہ 'حدائق الانظار' نام کی دوسری جلد سے شروع ہوتا ہے اور داستان کا اصل ہیرو معزالدین سامنے آتا ہے۔
- بوستانِ خیال کی دوسری جلد حدایق الانظار کے اختتام پر ستاروں اور سیاروں کی ترتیب اور معز کا ذکر ہے۔
- داستان بوستان خیال میں عیش پرستی اور رنگ رلیوں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے۔
- اردو کے نثری قصوں میں سب سے زیادہ فحش بیانی بوستان خیال ہی میں کی گئی ہے۔
- بوستان خیال کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اپنے عہد کی تہذیب کی بڑی حد تک عکاسی کرتی ہے۔
- بوستانِ خیال میں بھی صاحب قران ہیں جو کفار کے خلاف لڑتے ہیں۔
- بوستانِ خیال میں طلسم اجرام واجسام لاجواب ہیں۔
- بوستانِ خیال میں یوں تو چھوٹے بڑے بہت سے طلسمات ہیں لیکن ان میں پانچ اہم ہیں:
  (1) طلسم اجرام واجسام (2) طلسم سبع سباع (3) طلسم بیضا (4) طلسم حیرت کدہ آصفی (5) طلسم اشراق
- تین طلسمات یعنی طلسم اجرام واجسام، طلسم سبع سباع اور طلسم بیضا کو شاہزادہ معزالدین فتح کرتا ہے۔
- پانچ میں سے دو طلسمات یعنی طلسم حیرت کدہ آصفی اور طلسم اشراق کے فاتح صاحب قران اکبر خورشید تاج بخش اور صاحب قران اصغر بدر منیر ہیں۔
- پانچوں طلسم میں سب سے زیادہ دل کش اور دل چسپ طلسم اجرام واجسام ہیں۔

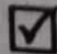
بوستان خیال کا قصہ

قصہ کچھ یوں ہے کہ شاہزادہ معزالدین شاہزادی شمسہ تاجدار کی تصویر دیکھ کر عاشق ہوجاتا ہے اور تلاش یار میں نکل پڑتا ہے۔ رہ نمائی اور مدد کے لیے حکیم قسطاس الحکمت سے ملاقات ہوجاتی ہے جو معزالدین کو طلسمات کی دنیا سے روشناس کراتے ہیں۔ شاہزادہ حکیم قسطاس الحکمت کی مدد سے طلسمی لوح اور خورشید نامہ پڑھتا ہے جن کا پڑھنا شمسہ تاجدار سے شادی کی شرائط میں شامل تھا۔ خورشید نامہ کی بلند خوانی داستان کو ایک نئی کہانی دیتی ہے۔ اس میں ملکہ شمسہ تاجدار کے اجداد کا ذکر ہے۔ اس میں صاحب قران اعظم خورشید تاج بخش اور صاحب قران اصغر شاہزادہ بدر منیر کی کہانیاں چلتی ہیں۔ خورشید

نامہ کے اختتام کے بعد شاہزادہ معز الدین ان شر پسند بادشاہوں سے جنگ کرتا ہے جو طاقت کے زور پر شمسہ تاجدار کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ معز الدین شر پسند بادشاہوں کے سرغنہ جمشید کو ختم کر دیتا ہے۔ داستان سلطان معز الدین کے انتقال پر جا کر مکمل ہوتی ہے۔

کرداروں کی پہچان

- بوستانِ خیال کے مرکزی کردار معز الدین (ہیرو) اور ملکہ شمسہ تاجدار (ہیروئن) ہیں۔
- بوستانِ خیال میں شہزادوں کے تین بڑے کردار ہیں: (1) شہزادہ معز الدین (2) شہزادہ تاج بخش (3) شہزادہ بدر منیر
- شہزادہ معز الدین جو صاحب قران اکبر ہے داستان کا اصل ہیرو ہے۔ حسن پرست اور بہادر انسان ہے اور اس پر داروغہ حکمت حکیم قسطاس کی نگاہ کرم ہے۔ جس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔
- **شہزادہ خورشید تاج بخش** جو صاحب قرآن اعظم ہے پانچ بڑے طلسمات میں سے ایک کا فاتح ہے۔
- **شہزادہ بدر منیر** جو صاحب قران اصغر ہے یہ بھی پانچ بڑے طلسمات میں سے ایک کا فاتح ہے۔
- **حکیم قسطاس الحکمت:** جو معز الدین کو طلسمات کی دنیا سے روشناس کراتا ہے اور جس کی مدد سے معز الدین طلسمی لوح اور خورشید نامہ پڑھتا ہے۔
- **ملکہ شمسہ تاجدار:** جو داستان کی اصل ہیروئن ہے اور جس کی تصویر دیکھ کر شہزادہ معز الدین عاشق ہو جاتا ہے۔
- **جمشید خود پرست:** جو داستان بوستانِ خیال کا ویلن ہے یہ پہلے مصر کا وزیر تھا پھر بادشاہ کو مار کر خود بادشاہ بن گیا ہے اور جادو میں اسے مہارت حاصل ہے۔
- **شہزادہ نو بہار:** جو ایک پریزادی ہے۔ وہ طلسم اجرام و اجسام میں ہر مقام پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ شہزادی نو بہار کا کردار بھی شہزادہ معز الدین سے متعلق ہے۔
- **ابوالحسن جوہر:** جو ایک ماہر عیار ہے وہ شمسہ تاجدار کی جستجو میں شاہزادہ معز الدین کے ساتھ رہتا ہے اور ہر طرح مدد کرتا ہے۔ جوہر کا کردار معز الدین کے کردار سے بھی زیادہ نمایاں ہے۔
- یاد رہے کہ جوہر کا کردار ایک متحرک کردار ہے وہ خود رو کر دوسروں کو ہنساتا ہے۔ بات بات پر مضحکہ خیز کلمات کہہ کر تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہے۔
- **منیر توفیق** جو عیار ہے اسے داستان امیر حمزہ کے عمرو عیار کی نقل کہا جا سکتا ہے۔
- **گلشن افروز** بیگمات میں سے ہے۔



ڈرامے کا فن

- لفظ ڈراما اس یونانی لفظ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں کر کے دکھائی ہوئی چیز۔
- کسی واقعے یا قصے کو کرداروں کے ذریعے تماشائیوں کے روبرو پھر سے عملاً پیش کرنے کو ڈراما کہتے ہیں۔
- ڈرامے کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں: (1) پلاٹ (2) مرکزی خیال (3) آغاز (4) شخصیت و کردار نگاری، (5) مکالمہ (6) تسلسل اور کش مکش (7) تصادم (8) نقطۂ عروج (9) انجام
- ارسطو کے مطابق ڈرامے کے اجزائے ترکیبی چھ ہیں:
  (1) پلاٹ (2) کردار (3) مرکزی خیال (4) مکالمہ (5) موسیقی (6) آرائش
- ارسطو نے ڈرامے کے فن میں پلاٹ کو اہمیت دی ہے۔
- ڈراما کی دو قسمیں ہیں: (1) ٹریجڈی یا حزنیہ (2) کومیڈی یا طربیہ
- ڈرامے کی تین وحدتیں بیان کی گئی ہیں۔ (1) وحدت عمل (2) وحدت زمان (3) وحدت مکان۔ انہیں ڈرامے کی وحدت ثلاثہ کہا جاتا ہے۔
- بھرت منی مندرجہ ذیل چیزوں کو ڈرامے کے لازمی اجزا بتاتے ہیں: (1) لباس (2) آواز (3) جسمانی اعضا کی حرکت (4) رقص (5) موسیقی
- ارسطو نے ڈرامے کو عمل کی نقل کہا ہے۔



ڈرامے کا آغاز و ارتقا

- نواب واجد علی شاہ کو اردو کا پہلا ڈراما نگار کہا جاتا ہے اور ان کے رہس 'رادھا کنہیا کا قصہ' (42-1841) کو نقش اوّل تسلیم کیا جاتا ہے۔
- پروفیسر مسعود حسن رضوی نے لکھا ہے کہ واجد علی شاہ کے رہس 'رادھا کنہیا کا قصہ' کو اردو کا پہلا ڈراما کہا جاتا ہے۔
- 'کرشن' اور 'راس لیلا' سے متعلق کھیل رہس کہلاتا ہے۔ یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ گوپیوں کی بے قراری، کرشن کی قربت و صحبت پھر اس کے بعد کرشن، کا غائب ہو جانا، جمنا کے کنارے ان کا ظاہر ہونا،

گوپیوں کا گھیرا بنا کر گھیر لینا اور اس طرح تمام رات گوپیوں کے ساتھ بسر کرنا رہس کہلاتا ہے۔

- آغا حسن امانت کو اردو کا پہلا با قاعدہ ڈراما نگار تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی تصنیف 'اندر سبھا' کو با قاعدہ پہلا ڈراما۔
- پروفیسر مسعود حسن کے مطابق اردو کا پہلا عوامی ڈرامہ 'اندر سبھا' ہے جسے عوامی اسٹیج پر پیش کیا گیا ہے۔
- اردو میں منظوم ڈراموں کی ابتدا آغا حسن امانت نے کی تھی۔
- پارسی اسٹیج پر پہلی بار ڈاکٹر بھادو جیلاڈ کا لکھا ہوا ڈراما 'راجا گوپی چند اور جالندھر' 6 نومبر 1853 کو پیش کیا گیا تھا۔
- پارسی اسٹیج کا پہلا دستیاب ڈراما بھائی سہراب جی پٹیل کا 'خورشید' 1881 ہے جو گجراتی ڈراموں کا اردو ترجمہ ہے۔
- خورشید 1881 کا پہلا ڈراما ہے جس میں اردو نثر کا با قاعدہ استعمال کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس ڈرامے میں پہلی بار ساز و سامان، لباس، پردے وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے۔
- یاد رہے کہ ڈرامے کے ارتقا میں پارسی تھیٹروں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

ڈرامے کا ارتقا

اردو ڈرامے کا ابتدائی دور:

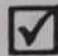
* واجد علی شاہ * آغا حسن امانت * ڈاکٹر بھادو اجی لاڈ * سہراب جی پٹیل
* حسینی میاں ظریف * حافظ محمد عبداللہ * مرزا نظیر بیگ

آغا حشر کاشمیری اور ان کے معاصرین

- طالب بنارسی (گوپی چند، نازاں، وکرم ولاس، نگاہ غفلت اور لیل و نہار)
- مہدی حسن احسن (دستاویز محبت، چندراولی، خون ناحق، شہید وفا اور گلنار فیروز)
- نرائن پرشاد بیتاب (قتل نظیر (پہلا ڈراما)، مہابھارت، کرشن سداما، فریب، حسن فرنگ، علی بابا، توبہ شکن، مدرانڈیا، سیتا اور شکنتلا)
- عباس علی عباس (تاثیر خواب اور قسمت کا خواب)
- محمد علی مراد لکھنوی (دھوپ چھاؤں، کالا چراغ اور لعل و گہر)
- آغا حشر کاشمیری (آفتاب محبت (پہلا ڈراما)، یہودی کی لڑکی، آنکھ کا نشہ، خواب ہستی اسیر حرص، رستم وسہراب، سفید خون، صید ہوس اور شہید ناز

ادبی ڈراموں کی روایت

* محمد حسین آزاد (اکبر)
* مرزا محمد ہادی رسوا (لیلیٰ مجنوں (منظوم ڈراما)، طلسم اسرار (نثر میں)
* عبدالحلیم شرر (شہید وفا، میوۂ تلخ)
* عبدالماجد دریابادی (زود پشیماں)
* پریم چند: کربلا (تاریخی ڈراما)
* برج نرائن چکبست (کملا)
* امتیاز علی تاج: انارکلی (تاریخی ڈراما)
* عابد حسین عابد (پردۂ غفلت)
* محمد مجیب (خانہ جنگی)
* اشتیاق حسین قریشی
* خواجہ احمد عباس (زبیدہ، ایٹم بم اور اناناس)
* کرشن چندر (سرائے سے باہر، کتاب کا کفن اور نیل کنٹھ)
* بیدی (سات کھیل، نقل مکانی اور خواجہ سرا)
* عصمت چغتائی (دھانی بانکپن اور سانپ)
* سردار جعفری (یہ کس کا خون)
* منٹو (اس منجدھار میں)
* بیگم قدسیہ زیدی
* اعجاز حسین
* سید محمد مہدی (غالب کون ہے)
* حبیب تنویر (آگرہ بازار)
* محمد حسن (پیسہ اور پرچھائیں، ضحاک)
* ابراہیم یوسف
* ساگر سرحدی
* شمیم حنفی
* زاہدہ زیدی
* ظہیر انور



اردو کے اہم ڈراما نگار اور ان کے ڈرامے

آغا حسن امانت لکھنوی

(1231ھ-1275ھ)

- نام سید آغا حسن تھا اور تخلص امانت پھر استاد۔
- امانت لکھنؤ میں 1231ھ میں پیدا ہوئے۔
- امانت کا انتقال 28 جمادی الاوّلی 1275ھ کو لکھنؤ میں ہوا (44 سال کی عمر میں)
- امانت کے بزرگ ایرانی تھے۔ ان کے جدامجد شہید مسجد میں رہتے تھے جنھیں امام رضا کے روضے کی کلید برداری کا شرف حاصل تھا۔
- امانت نے پندرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔
- امانت نے اپنی شاعری کی ابتدا نوحے اور سلام سے کی تھی اور پھر غزل کی طرف مائل ہوئے تھے۔
- امانت کے والد اور اس عہد کے مشہور مرثیہ گو 'دلگیر' میں گہرے مراسم تھے۔
- امانت کے والد نے بیٹے آغا حسن کو دلگیر کی شاگردی میں دے دیا تھا۔
- دلگیر نے ہی آغا حسن کا تخلص امانت تجویز کیا تھا۔
- امانت نے بعد میں اپنا تخلص بدل کر 'استاد' رکھ لیا تھا۔
- امانت کی زبان تیس برس کی عمر میں کسی مرض کی وجہ سے بند ہو گئی تھی۔
- امانت مقدس مقامات کی زیارت کے لیے عراق 1260ھ میں گئے تھے۔
- امانت ایک روز حضرت امام حسین کے روضے پر دعا مانگ رہے تھے آخر زبان جو تقریباً دس سال سے بند تھی یکایک کھل گئی۔
- عراق کے سفر سے واپس آنے کے بعد امانت کو مرثیہ گوئی سے کافی رغبت ہو گئی۔
- امانت کے کلام میں مرثیے کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔
- امانت نے ایک واسوخت تین سو بندوں کا تصنیف کیا تھا جس کی بلند خوانی 1263ھ میں ایک جلسے میں ہوئی تھی۔

تھے۔
- امانت لکنت کی وجہ سے خانہ نشیں ہو گئے تھے۔
- آغا حسن امانت لکھنوی اردو کے باقاعدہ پہلے ڈراما نگار ہیں
- امانت کے دیوان میں ایک عشقیہ خط مثنوی کی ہیئت میں ہے۔
- امانت نے صرف یہی ایک ڈراما یعنی اندر سبھا تخلیق کیا ہے۔
- امانت نے اندر سبھا کا جو طویل مقدمہ 'تشریح اندر سبھا' کے نام سے لکھا ہے وہ نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔
- امانت لکھنوی کا زمانہ واجد علی شاہ کا زمانہ ہے۔

اندر سبھا

1852ء

- آغا حسن امانت لکھنوی نے حاجی مرزا عابد علی عبادت کی فرمائش پر ایک منظوم ڈراما 'اندر سبھا' کے نام سے 1268ھ مطابق 1852 کو واجد علی شاہ کے عہد میں لکھا۔
- ڈراما اندر سبھا پہلی بار 1270ھ مطابق 1854 میں کھیلا گیا یعنی اسٹیج پر پیش کیا گیا۔
- اندر سبھا پہلی بار 1271ھ مطابق 1855 میں شیخ رجب علی کی فرمائش پر مطبع محمدی لکھنوی میں شائع ہوا۔
- ناقدین نے اندر سبھا کو اردو کا پہلا باضابطہ ڈراما تسلیم کیا ہے۔
- اندر سبھا ایک مکمل منظوم ڈراما ہے جس کے مکالمے بھی منظوم ہیں۔ اس تمام نظم کو اس دور کی مقبول عام راگ راگنیوں میں ادا کیا گیا ہے۔
- اندر سبھا کے جواب میں کئی اندر سبھائیں لکھی گئی ہیں حالانکہ ڈرامے کے نام کے طور پر سب سے پہلے لفظ اندر سبھا کا استعمال آغا حسن امانت لکھنوی نے اپنے اس ڈرامے کے نام کے لیے کیا تھا۔ بعد میں ہر ڈرامے کو اندر سبھا کہا جانے لگا تھا۔
- اندر سبھا میں پندرہ گیت ہیں۔
- ڈاکٹر مسیح الزماں نے لکھا ہے کہ ''اندر سبھا جب لکھنؤ میں کھیلا گئی تو لوگوں نے اس نئی چیز کو بہت پسند کیا۔ ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا۔ اس نے ہمارے ڈرامائی ادب کو اسٹیج کا راستہ دکھایا اور وقت کی شاہراہ پر ایسی مشعل جلائی جس کی روشنی میں اردو ڈرامے اور تھیٹر کا کارواں چل پڑا۔
- آغا حسن امانت کے اس ڈرامے میں اندر کی سبھا کا تصور جو اس کہانی کا بنیادی تصور ہے اور جس پر

پورا قصہ تعمیر ہوا ہے 'ہندو دیو مالا' سے لیا گیا ہے جو اس وقت عوامی قصے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

- ڈراما اندر سبھا میں سبز پری کی آمد کے بعد سے جتنے بھی واقعات رونما ہوئے ہیں (سوائے جوگن والے قصے کے) زیادہ تر مثنوی 'سحر البیان' اور 'گلزار نسیم' میں مل جاتے ہیں۔
- امانت نے اپنی اندر سبھا کا قصہ مثنویوں، داستانوں اور اس وقت کے مروج عوامی قصے کہانیوں سے لیا ہے۔
- اندر سبھا کا پلاٹ اکہرا اور سادہ ہے۔

اندر سبھا کا خلاصہ

اندر سبھا کا قصہ یوں بیان ہوتا ہے کہ راجہ اندر کی سبھا منعقد ہوتی ہے۔ راجہ اندر سبھا میں آنے کے بعد پریوں کو گانے اور رقص کرنے کا حکم دیتا ہے چنانچہ پکھراج پری نیلم پری اور لال پری باری باری آکر مختلف چیزیں گانے اور ناچنے کے بعد راجہ کی بغل میں کرسی پر بیٹھ جاتی ہیں۔ آخر میں سبز پری سبھا میں گانے آتی ہے تو راجہ کو نیند آجاتی ہے اور وہ اپنے تخت پر سوار ہو جاتا ہے۔ سبز پری اب باغ میں جا کر کالے دیو سے گلفام کو اٹھا لانے کو کہتی ہے جسے راستے میں اختر نگر کے لال محل کی چھت پر سوتا ہوا دیکھ کر اس پر عاشق ہوگئی تھی اور اپنا سبز نگوں کا چھلا اسے پہنا آئی تھی۔ کالا دیو اسے سوتا ہوا اٹھا لاتا ہے۔ سبز پری جب نیند سے اسے جگاتی ہے تو جاگنے کے بعد اجنبی لوگ اور اجنبی مقام کو دیکھ کر گلفام بہت گھبراتا ہے۔ سبز پری اسے تسلی دیتی ہے۔ ایک دوسرے کا تعارف ہوتا ہے تو سبز پری اسے بتاتی ہے کہ راجہ اندر کی سبھا میں ناچنا گانا اس کا کام ہے۔ پھر اظہارِ عشق کرتی ہے۔ شہزادہ گلفام اس کے عشق کو اس شرط پر قبول کرنے کو تیار ہوتا ہے کہ وہ اسے اندر کی سبھا دکھالائے جس کا اس نے دنیا میں بہت نام سنا ہے۔

سبز پری وہاں کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے وہاں جانے سے منع کرتی ہے۔ لیکن شہزادہ ضد کرتا ہے یہاں تک کہ گلا کاٹ کر مر جانے کی دھمکی دیتا ہے۔ آخر کار سبز پری مجبور ہو کر اسے اندر کی سبھا میں لے جاتی ہے۔ وہاں سبز پری سب کی آنکھ بچا کر اسے پیڑوں کی آڑ میں چھپا دیتی ہے اور خود ناچنے گانے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اتفاقاً لال دیو گلفام کو پیڑوں کی آڑ میں چھپا ہوا دیکھ لیتا ہے۔ راجہ کو خبر کرتا ہے وہ بہت غضبناک ہوتا ہے کیونکہ پرستان میں انسان نہیں آسکتا۔ ساری حقیقت معلوم کر لینے کے بعد گلفام کو قاف کے اندھے کنویں میں قید کرنے اور سبز پری کو بال و پر نوچ کر سبھا سے نکال دیے جانے کا حکم دیتا ہے۔ سبھا سے نکالے جانے کے بعد سبز پری جوگن کا بھیس بنا کر گلفام کی تلاش میں ادھر ادھر درد بھرے گیت گاتی ہوئی بھٹکتی پھرتی ہے۔ کالا دیو راجہ اندر کو خبر دیتا ہے کہ پرستان

میں ایک جوگن آئی ہے جو حسن و جمال میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ گانے میں بھی بے مثال ہے۔ گانوں کا رسیا راجہ اندر اسے فوراً سبھا میں لانے کا حکم دیتا ہے۔ وہاں راجہ کی فرمائش پر وہ گانا سناتی ہے۔ راجہ خوش ہو کر اسے گلوریاں دیتا ہے جسے لینے سے انکار کر کے وہ دوسرا گانا شروع کر دیتی ہے۔ راجہ پھر اسے ہار دیتا ہے۔ وہ اپنا منہ مانگا انعام چاہتی ہے۔ راجہ منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ کر لیتا ہے تبھی جوگن گلفام کو مانگ لیتی ہے۔

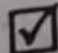
اب راجہ پہچانتا ہے کہ یہ تو سبز پری ہے۔ اپنی غلطی پر پچھتاتا ہے لیکن وعدہ کر لینے کی وجہ سے گلفام کو سبز پری کے حوالے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کالا دیو گلفام کو کنویں سے نکال کر سبز پری کے حوالے کرتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے ایام جدائی کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ پھر سبز پری گلفام کے گلے میں باہیں ڈال کر اور تمام پریوں کو ساتھ لے کر مبارک باد گاتی ہے اور یہیں ڈراما ختم ہو جاتا ہے۔

کرداروں کی پہچان

* اندر سبھا میں کل آٹھ کردار ہیں جن میں چار پریوں کے کردار ہیں۔
* راجہ اندر سبھا منعقد کرتا ہے اور جس کے سبھا میں پریاں رقص کرتی ہیں۔
* 'گلفام' جس پر سبز پری اختر نگر کے لال محل کی چھت پر سوتا ہوا دیکھ کر عاشق ہو گئی تھی۔
* سبز پری، راجہ اندر کی سبھا کی رقاصہ اور گلفام کی معشوقہ ہے جو گلفام کے لیے جوگن بن کر درد بھرے گیت گاتی بھٹکتی رہتی ہے۔
* سبز پری کا کردار تمام پریوں میں سب سے اہم ہے۔
* پکھراج پری، نیلم پری، لال پری، یہ تینوں بھی راجہ اندر کی سبھا کی رقاصائیں ہیں۔
* کالا دیو جو سبز پری کے کہنے پر گلفام کو سوتے میں اٹھا لاتا ہے۔
* لال دیو جو راجہ اندر کو گلفام کے بارے میں بتاتا ہے کہ یہاں ایک انسان آ گیا ہے۔

اندر سبھا کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- امانت نے اس خلا کو اس طرح پر کر دیا کہ گویا اس وقت ڈراما کی دیوی جاگ اٹھی اور بہت سے دوسرے شاعروں نے امانت کی تقلید میں اندر سبھائیں لکھیں۔ (احتشام حسین)
- اندر سبھا ہندوستانی ناٹک کی بے روایت کی انگڑائی تھی اور راجہ گوپی چند مغربی ذوق کی تقلید تھی۔ (احتشام حسین)



اردو ڈراما کا شیکسپیئر

آغا حشر کاشمیری

(1879ء-1935ء)

- نام آغا محمد شاہ تھا اور تخلص حشر۔
- آغا حشر اپریل 1879 میں بنارس میں پیدا ہوئے۔
- آغا حشر کا انتقال 1935ء کو لاہور میں ہوا۔
- حشر کے والد کا نام آغا محمد غنی شاہ تھا جو بنارس میں کشمیری شالوں کا کاروبار کرتے تھے۔ کاروبار کے سلسلے میں امرتسر بھی آیا جایا کرتے تھے لیکن ان کا آبائی وطن کشمیر تھا۔
- حشر نے عربی فارسی اور دینیات کی تعلیم گھر ہی پر مولوی حافظ عبدالصمد سے حاصل کی تھی۔
- حشر نے بنارس کے نرائن مشن اسکول میں بھی داخلہ لیا تھا مگر اسکول کی پڑھائی سے زیادہ دلچسپی ڈراموں میں ہوا کرتی تھی۔
- حشر بنارس سے بھاگ کر بمبئی گئے تھے اور وہاں انھوں نے کاؤس جی کھٹاؤ کی کمپنی 'الفریڈ تھیٹریکل' کمپنی میں بحیثیت منشی 35 روپے ماہوار پر ملازمت کی تھی۔
- حشر پونا کے رائزنگ اسٹار کمپنی میں بھی ملازم رہے۔
- حشر نے حیدرآباد میں حیدرآباد کے تعلقہ دار راجہ راگھویندر راؤ کی شراکت میں 'نیو الفریڈ کمپنی' کھولی تھی بعد میں حشر خود ہی پوری کمپنی کے مالک ہو گئے تھے۔
- حشر کی شادی امرتسر میں 1911 میں ہوئی تھی لیکن شادی کے پانچ سال بعد لاہور میں حشر کی بیوی کا انتقال 1916 میں ہو گیا تھا جن سے صرف ایک لڑکا نادر شاہ ہوا تھا جو تین ماہ کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال کر گیا تھا۔
- آغا حشر حیدرآباد سے لاہور 1913 میں منتقل ہوئے تھے اور انجمن کے کئی جلسوں میں شرکت کر کے تقریر کرنے کے علاوہ کئی نظمیں بھی پڑھی تھیں۔
- حشر کی مشہور نظم شکریہ یورپ پہلی مرتبہ انجمن حمایت اسلام کے ایک جلسے میں پڑھی گئی تھی۔
- حشر نے میڈن تھیٹر کلکتہ میں 1200 روپے ماہوار پر بحیثیت منشی کام کیا تھا۔
- حشر نے مشہور اداکارہ مختار بیگم سے ایک لمبے عرصے کے تعلق کے بعد نکاح کیا تھا۔
- حشر نے 1924 میں کلکتہ سے بنارس آکر اپنی کمپنی قائم کی تھی جس کا ایک کھیل دیکھ کر ہز ہائی نس

مہاراجہ اف چرکھاری نے پچاس ہزار میں کمپنی خریدی تھی اور خود حشر کی شاگردی اختیار کی تھی اور حشر کے ساتھ کمپنی کو چرکھاری لے گئے تھے۔

- حشر مہاراجہ چرکھاری سے اجازت لے کر بنارس ہوتے ہوئے 1928 میں پھر کلکتہ گئے تھے۔
- اس بار حشر نے کلکتہ میں پہلے مدن تھیٹر اور پھر نیو تھیٹرس میں ملازمت کی تھی۔
- اس آخری دور میں حشر نے نیو تھیٹرس کے لیے مشہور زمانہ فلمیں 'چنڈی داس' اور 'یہودی کی لڑکی' لکھی تھیں۔
- حشر نے کلکتہ سے دوبارہ لاہور 1934 میں پہنچ کر اپنی ایک فلم کمپنی قائم کی تھی اور 'حشر پکچرس' کے بینر تلے 'بھیشم' بنانے کا اعلان کیا تھا۔
- مہدی حسن لکھنوی کے مقابلے میں آغا حشر نے 18 سال کی عمر میں آٹھ دنوں میں اپنا پہلا ڈراما 'آفتاب محبت' 1897 میں لکھا تھا (جو 'چندراوی' کے طرز پر ہے)
- ڈراما آفتاب محبت کو ماسٹر عبدالکریم خاں عرف بسم اللہ نے ساٹھ روپے میں خرید کر اپنے پریس جواہر اکسیر میں 1897 میں چھپا تھا۔
- حشر نے ڈراموں میں بہت سی اہم تبدیلیاں کیں جیسے انھوں نے گانوں کی تعداد کم کی اور مکالموں کو روزمرہ کی بول چال کے قریب لانے کی کوشش کی۔
- آغا حشر کے ڈراموں کی بنیاد کشمکش پر ہوتی ہے۔ آغا حشر اپنے ڈراموں میں شدید کشمکش دکھانے کے بعد آخر میں حق کی فتح اور باطل کی شکست دکھاتے ہیں۔
- آغا حشر کے ڈراموں میں اصل قصے کے پہلو بہ پہلو کوئی مزاحیہ پلاٹ بھی چلتا ہے۔
- امتیاز علی تاج نے لکھا ہے کہ جب آغا حشر کوئی ڈراما یا ڈرامے کا کوئی منظر لکھتے تو معمولی سطح کے کسی آدمی مثلاً کنڈیری بیچنے والے کو، کسی پان فروش کو، دھوبی بہشتی کو ضرور سناتے تھے اور توجہ سے دیکھتے تھے کہ اس پر کتنا اثر ہوتا ہے۔

آغا حشر کے معاصرین

پنڈت نرائن پرشاد، عباس، ذائق، سید کاظم حسین، نشتر، عبداللطیف شاد، غلام محی الدین نازاں، محشر انبالوی، رحمت علی رحمت، مالک دہلوی

آغا حشر کے کارنامے

- آغا حشر کی کلیات 7 جلدوں میں ہے۔

- آفتاب محبت **1897**: یہ آغا حشر کا پہلا ڈراما ہے جو انھوں نے 18 سال کی عمر میں مہدی حسن لکھنوی کے مقابلے میں چندراوی کے طرز پر لکھا تھا لیکن آفتاب محبت کبھی کھیلا نہیں گیا۔
- مرید شک 1899
- مار آستین 1899
* میٹھی چھری عرف دورنگی دنیا * دام حسن عرف شہید ناز * سفید خون
* ٹھنڈی آگ * شام جوانی * نعرۂ توحید
* جرم نظر * قید ہوس * خواب ہستی * خوبصورت بلا
- سلور کنگ 1910
* خود پرست * انوکھا مہمان * یہودی کی لڑکی
* بلوامنگل عرف سورداس * بھرت منی * شیر کی گرج
* مدھر مرلی * بھاگیرتھ گنگا * ہندوستان قدیم و جدید
* ترکی حور * پہلا پیار * آنکھ کا نشہ
* دل کی پیاس * رستم و سہراب (المیہ) * سیتا بن باس
* رام اوتار * دل کی آگ * آتشی طوفان
* بے وقوفوں کی ٹکر (مزاحیہ) * شیریں فرہاد * عورت کا پیار * چنڈی داس
- نظم: شکریہ یورپ

آغا حشر کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- کمیر شیل اسٹیج کی سب سے بڑی دریافت آغا حشر کاشمیری تھے جن کے ڈرامے مدت تک ہلچل مچاتے رہے۔ (محمد حسن)
- حشر کا آرٹ ادبی اعتبار سے احسن، بیتاب اور دہلی گیٹ کے ڈراموں کا تکملہ تھا۔ (محمد حسن)
- آغا حشر نے اردو اسٹیج ڈراموں کو ادبیت تھی، وہ گھنگرج بخشی جس نے تھیٹریکل ٹیکنیک کا آغاز کر دیا جو حشر اسٹائل کہلاتا ہے۔ (محمد حسن)
- اگر تجارتی انداز و اغراض سے الگ ہو کر وہ (آغا حشر) آزادی سے ڈراما لکھتے تو یقیناً اس سے بہتر لکھ سکتے تھے۔ (احتشام حسین)

یہودی کی لڑکی

- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' آغا حشر کاشمیری کا وہ ڈراما ہے جسے انھوں نے 1910 اور 1911 کی درمیانی مدت میں اپنی کمپنی 'دی گریٹ الفریڈ کمپنی حیدر آباد' کے لیے لکھا تھا۔
- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' پہلی بار 'دی گریٹ الفریڈ کمپنی حیدر آباد کے ہی اسٹیج پر پیش ہوا تھا۔
- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' کو بعد میں مختلف اوقات میں 'مشرقی ستارا' اور 'وفا کی پتلی' کے نام سے بھی اسٹیج کیا گیا تھا۔
- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' ان کے تیسرے دور کی تمثیل ہے اور اس کا پلاٹ ڈبلیو۔ ٹی مانکروف کے میلوڈراما 'ڈی جیوس' سے ماخوذ ہے۔
- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' آغا حشر کے مقبول ترین ڈراموں میں سے ایک ہے جس پر بعد میں فلم بھی بنی۔
- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' میں آغا حشر نے رومنوں کے ان مظالم کی داستان بیان کی ہے جو انھوں نے یہودیوں کے ساتھ روا رکھے تھے۔
- یاد رہے کہ آغا حشر نے ڈراما یہودی کی لڑکی کا دوسرا حصہ 'مشرقی حور عرف 'شیر کی گرج' کے نام سے لکھا تھا۔
- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' تین ایکٹ (باب) اور سولہ سین (مناظر) پر مشتمل ہے جس میں پہلے ایکٹ (باب) میں آٹھ، دوسرے میں پانچ اور تیسرے میں تین سین (مناظر) ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:
- پہلا ایکٹ — پہلا سین: محل (سہیلیوں کا حمد گانا)

  والی تو جگ کا ہے
  جل میں تھل میں نور کی تجلی دیکھی
- پہلا ایکٹ — دوسرا سین: یہودیوں کا محلہ (حنا کا گاتے ہوئے آنا)

  تیر قضا کا نشانہ کوئی ہو مرغ بسمل نہ ہو
  ظالم پہ تیغ نظر کے ہیں چرکے
- پہلا ایکٹ — تیسرا سین: راستہ (بروٹس کا اپنے سرداروں کے ساتھ آنا)
- پہلا ایکٹ — چوتھا سین: یہودی محلہ
- پہلا ایکٹ — پانچواں سین: مکان (نصیبن کا گاتے ہوئے آنا)

دیکھو موئے کھوست کا جھوٹا یہ پیار
کھانے کو مانگو تو جوئی پیزار

- پہلا ایکٹ— چھٹا سین: عزرا کا مکان (حنا اور مارگس آتے ہیں)
- پہلا ایکٹ— ساتواں سین: مکان (نرگس کا گاتے ہوئے آنا)

کیا قاتل نے دل پر نگاہوں کا وار
میری ہائے — جان جائے

- پہلا ایکٹ— آٹھواں سین: باغ (مارگس اور حنا کا باتیں کرتے دکھائی دینا)
- دوسرا ایکٹ— پہلا سین: شاہی محل (مارکس اور آکٹیویا کا آنا)
- دوسرا ایکٹ— دوسرا سین: دربار (سہیلیوں کا ناچتے گاتے دکھائی دینا)

دختر رز کے کنٹر جھنکاؤ
قلقل مینا کا ساغر چھکاؤ

- دوسرا ایکٹ— تیسرا سین: کرامت کا مکان (نصیبن کا داخل ہونا)
- دوسرا ایکٹ— چوتھا سین: محل (حنا کا غزل گانا)

غریبوں کا بھی کوئی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا
بت کافر ہارا بھی خدا ہوتا تو کیا ہوتا

- دوسرا ایکٹ— پانچواں سین: مذہبی عدالت (مارکس اور حنا کا الگ الگ کٹھ گھروں میں کھڑے دکھائی دینا ایک طرف عزرا اور دوسری طرف آکٹیویا کا بیٹھے ہوئے نظر آنا۔ بروٹس کا اجلاس کی کرسی پر بیٹھنا۔ چند سپاہیوں کا حنا اور مارکس کو اپنی حراست میں لینا)
- تیسرا ایکٹ- پہلا سین: راستہ (حنا سپاہیوں کے ساتھ قید خانے کی طرف جاتی دکھائی دیتی ہے)
- تیسرا ایکٹ— دوسرا سین: دارالعذاب
- تیسرا ایکٹ— تیسرا سین: دربار (سب کا خوشی میں بیٹھے ہوئے دکھائی دینا)

حنا کے اس گانے پر ڈراما یہودی کی لڑکی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اپنے مولا کی میں جوگن بنوں گی
جوگن بنوں گی، بروگن بنوں گی۔ اپنے مولا......
تیرے عشق میں پہنی کفنی چھوڑ زیور گہنا
تو جس رنگ میں خوش ہو پیارے اسی رنگ میں رہنا— اپنے مولا......

(پردہ)

یہودی کی لڑکی کا خلاصہ

ڈراما 'یہودی کی لڑکی' یہودی قوم پر رومی حکمرانوں کا ظلم وستم اور ان کے مذہبی تشخص کو ختم کرنے کے علاوہ ایک باعصمت وباوفا یہودی لڑکی 'حنا (راحیل)' کی داستان محبت اور اس کے ایثار وقربانی پر مبنی ہے۔

سلطنت روم میں یہودی، عیسائی اور پارسی سب رہتے ہیں، بروٹس ایک عیسائی مذہبی رہنما ہے اور یہودیوں سے سخت نفرت کرتا ہے۔ عزرا اسی یہودی قوم کا سردار ہے اس کی ایک لڑکی حنا (راحیل) ہے جن سے رومن شہزادہ مارکس محبت کرتا ہے اور حنا بھی اس سے محبت کرتی ہے جبکہ آکٹیویا (ڈیسیا) شہزادہ مارکس کی منگیتر ہے۔

حنا کو جب پتہ چلتا ہے کہ مارکس یہودی نہیں رومی ہے تو وہ بہت پریشان ہوتی ہے لیکن محبت تو محبت ہوتی ہے۔ پھر وہ دونوں گھر سے بھاگنے کا منصوبہ بناتے ہیں لیکن اسی درمیان عین وقت پر عزرا پہنچ کر سب کھیل بگاڑ دیتا ہے اور مارکس کو بہت کچھ سناتا ہے۔ اور عزرا اس شرط پر دونوں کی شادی کے لیے راضی ہوتا ہے کہ مارکس یہودی مذہب قبول کر لے۔ شہزادہ مارکس یہ شرط قبول نہیں کرتا ہے جس کے نتیجے میں عزرا غصہ ہوکر مارکس کو اپنے گھر سے جانے کے لیے کہتا ہے۔

حنا اور عزرا عین اس وقت آکٹیویا کے گھر آدھمکتے ہیں جب آکٹیویا اور مارکس کے متعلق ایک محفل منعقد ہوتی ہے حنا مارکس پر دغابازی کا الزام لگا کر بادشاہ کے دربار میں اپنا مقدمہ پیش کردیتی ہے۔ جب کہ بادشاہ مارکس کا باپ ہی ہوتا ہے لیکن وہ عدل پرست ہوتا ہے لہٰذا وہ قانون کے مطابق شہزادے پر مذہبی عدالت میں مقدمہ چلانے کا حکم دیتا ہے۔

ادھر آکٹیویا، حنا سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنا مقدمہ واپس لے لے بہت منت وسماجت کے بعد وہ مقدمہ واپس لینے پر راضی ہوجاتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اسے جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں سزا ہوگی۔ حنا مقدمہ واپس لے لیتی ہے۔ جس کی وجہ سے جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں بادشاہ عزرا اور حنا (راحیل) کو کھولتے ہوئے تیل کی کڑھائی میں ڈالنے کا حکم دے دیتا ہے۔

اسی وقت عزرا اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے کہ حنا اس کی بیٹی نہیں ہے بلکہ وہ رومن مذہبی رہنما بروٹس کی بیٹی ہے۔ جب شہر میں آگ لگی ہوئی تھی تو وہ اسے بچا کر گھر لے آیا تھا اور اس کی پرورش و پرداخت اپنی بیٹی کی طرح کی تھی۔ بروٹس اپنی بیٹی کو گلے لگاتا ہے۔ عزرا اور حنا معاف کردیے جاتے ہیں۔ مارکس حنا سے اپنی بے وفائی کی معافی مانگتا ہے۔ مارکس اور آکٹیویا کی شادی ہوجاتی ہے اور ڈراما اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔

کرداروں کی پہچان

- ڈراما 'یہودی کی لڑکی' کے مرکزی کردار مارکس ہیروں، حنا (ہیروئن) اور عزرا ہیں۔
- مارکس ـــ: رومن شہزادہ اور ولی عہد سلطنت ہے جس سے حنا اور آکٹیویا عشق کرتی ہے۔
- حنا (راحیل) ـــ: مارکس کی معشوقہ ہے جس کی پرورش ایک بوڑھا یہودی عزرا یہودی مذہب کے مطابق کرتا ہے اور حنا بھی اسی کو اپنا باپ مانتی ہے اگرچہ حنا اصل میں رومن مذہبی رہنما پروٹس کی بیٹی ہوتی ہے جس کا خلاصہ ڈرامے کے اخیر میں ہوتا ہے۔
- آکٹیویا (ڈیسیا): رومنوں کے بادشاہ کی بھتیجی، رومن شہزادی اور ولی عہد سلطنت شہزادہ مارکس کی منگیتر اور معشوقہ ہے۔
- جونا ـــ: آکٹیویا کی ملازمہ ہے۔
- بادشاہ ـــ: رومن بادشاہ، مارکس کا باپ اور آکٹیویا کا چچا ہے۔
- بروٹس ـــ: روم کا مذہبی پیشوا و رہنما اور حنا کا اصلی باپ ہے۔
- عزرا ـــ: مشہور یہودی سوداگر جسے حنا باپ مانتی ہے۔
- کرامت ـــ: نصیبن کا شوہر ہے۔
- نصیبن ـــ: کرامت کی بیوی ہے
- شمشاد ـــ: نرگس کا عاشق ہے
- نرگس ـــ: شمشاد کی معشوقہ ہے
- سرخاں ـــ: نرگس کا باپ ہے
- رحیم، کریم ـــ: یہ دونوں سرخاب کے ملازم ہیں۔
- منوا ـــ: کرامت کا نوکر ہے۔
- کیشیش ـــ: ایک رومن ہے۔
- ان کے علاوہ سپاہی، چوبدار اور سردار ہیں۔



امتیاز علی تاج

(13 اکتوبر 1900ء - اپریل 1970ء)

- نام: سید امتیاز علی تاج
- تاج 13 اکتوبر 1900 کو لاہور میں پیدا ہوئے۔
- امتیاز علی تاج کا انتقال اپریل 1970ء کو قاتلانہ حملے کی وجہ سے لاہور میں ہوا۔
- امتیاز کے آبا و اجداد کا تعلق بخارا سے تھا جو مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان آکر دیوبند ضلع سہارنپور میں بس گئے تھے۔
- امتیاز کے والد کا نام سید ممتاز علی تھا جنھوں نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے 1898 میں رسالہ 'تہذیب نسواں' اور بچوں کا ایک ہفتہ وار اخبار 'پھول' 1909 میں نکالا تھا جس کے مدیر بعد میں امتیاز رہے تھے اور جنھیں انگریزی حکومت نے شمس العلما کا خطاب دیا تھا۔
- امتیاز کی والدہ کا نام محمدی بیگم تھا جنھوں نے 1904 میں رسالہ 'شیر مادر' جاری کیا تھا۔
- امتیاز نے ابتدائی تعلیم لاہور کے ایک انگریزی اسکول کینرڈ پبلک اسکول میں حاصل کی تھی۔
- امتیاز نے بی اے گورنمنٹ کالج لاہور سے 1922 میں پاس کیا تھا۔
- امتیاز کا پہلا مضمون چودہ سال کی عمر میں شائع ہوا تھا۔
- امتیاز نے لاہور سے ایک رسالہ 'کہکشاں' 1918 میں جاری کیا تھا جو ڈھائی سال تک جاری رہا تھا۔
- امتیاز علی تاج کی شادی اس دور کی ایک مقبول افسانہ نگار و ناول نگار حجاب اسمٰعیل سے 1935 میں ہوئی تھی جو بعد کو حجاب امتیاز علی کے نام سے مشہور ہوئیں۔
- امتیاز علی تاج اور حجاب امتیاز علی کی صرف ایک ہی بیٹی یاسمین ہے۔
- امتیاز نے 1947 میں پاکستان بننے کے بعد ریڈیو پاکستان کے قیام کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔
- امتیاز پاکستان کے مشہور علمی و ادبی ادارے 'مجلس ترقی ادب' لاہور کے ڈائرکٹر 1958 میں بنائے گئے تھے۔
- امتیاز بزم اقبال کے معتمد اعزازی اور دارالاشاعت پنجاب کے علمی و ادبی امور میں مشیر و نگراں بھی تھے۔
- امتیاز نے تقسیم ہند سے قبل پنچولی فلم کمپنی لاہور کے لیے دو فلمیں 'دھمکی' اور 'شہر سے دور' تیار کی تھیں۔
- امتیاز کو حکومتِ پاکستان نے 'ستارۂ امتیاز' کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔

انارکلی

1922ء

- امتیاز علی تاج نے اپنا شاہکار ڈراما 'انارکلی' بقول امتیاز علی تاج 1922ء میں لکھا تھا جسے ڈراما نگاری کے دور جدید کا نقش اول اور سنگ میل تصور کیا جاتا ہے۔
- ڈراما انارکلی پہلی بار 1932 میں دارالاشاعت پنجاب لاہور کے اہتمام سے شائع ہوا تھا۔
- امتیاز علی تاج نے ڈراما انارکلی کا انتساب پطرس بخاری کے مشورے پر اپنی بیوی حجاب اسمعیل کے نام کیا تھا جوان سے ان دنوں ناراض چل رہی تھیں جس کے بعد حجاب کی ناراضگی دور ہوگئی تھی۔
- ڈراما انارکلی رجحان کے اعتبار سے رومانیت کا ترجمان ہے کیونکہ اس ڈرامے کی بنیاد تخیل اور مثالیت پر رکھی گئی ہے۔
- امتیاز علی تاج ڈرامے کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "میرے ڈراموں کا تعلق محض روایت سے ہے۔ بچپن سے انارکلی کی فرضی کہانی سنتے رہنے سے جس حسن و عشق اور ناکامی، نامرادی کا جوڑ ڈراما میرے تخیل نے مغلیہ حرم کی شوکت و عمل میں دیکھا اس کا اظہار ہے۔"
- ڈراما انارکلی کو نقادوں نے رومانی المیہ کا نام دیا ہے۔
- بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ ڈرامہ انارکلی، سلیم اور اکبر تینوں کا المیہ ہے مگر پروفیسر احتشام حسین نے اسے اکبر کا المیہ قرار دیا ہے۔
- ڈراما انارکلی ایک طویل ڈراما ہے جو تین باب (ایکٹ) اور تیرہ مناظر (سین) پر مشتمل ہے۔ جس میں پہلے باب میں چار، دوسرے میں چار اور تیسرے میں پانچ مناظر ہیں۔
- **باب اوّل آغاز: عشق**

پہلا منظر: حرم سرا اور پائیں باغ کے درمیان بارہ دری، **دوسرا منظر:** سلیم کا ایوان، **تیسرا منظر:** حرم سرا میں ایک غلام گردش، **چوتھا منظر:** حرم سرا کا پائیں باغ

- **باب دوم: وسط: رقص**

پہلا منظر: سلیم کا ایوان، **دوسرا منظر:** انارکلی کا حجرہ، **تیسرا منظر:** قلعۂ لاہور کا ایک ایوان، **چوتھا منظر:** شیش محل

- **باب سوم: انجام: موت**

پہلا منظر: سلیم کا ایوان، یہ منظر اس جملے سے شروع ہوتا ہے، سلیم کا راز طشت از بام ہو چکا ہے،

دوسرا منظر: زندان، تیسرا منظر: اکبر کی خواب گاہ، چوتھا منظر: زندان کا بیرونی منظر، پانچواں منظر: سلیم کا ایوان

کرداروں کی پہچان

* اکبر ہندوستان کا شہنشاہ اور سلیم کا باپ ہے۔
* رانی ملکۂ ہندوستان اور سلیم کی ماں ہے۔
* سلیم ولی عہد سلطنت اور نادرہ جو کہ انارکلی ہے اس کا عاشق ہے۔
* نادرہ اکبر کی منظور نظر کنیز ہے جسے اس نے انارکلی کا خطاب دیا ہے۔ وہ سلیم کی محبوبہ ہے۔
* دل آرام، جو کہ نادرہ سے پہلے اکبر کی پسندیدہ کنیز تھی اور جس کی رقابت نادرہ یعنی انارکلی سے رہتی ہے وہ شہزادہ سلیم کو حاصل کر کے ملکہ بننا چاہتی ہے۔
* انارکلی کی ماں
* ثریا نادرہ یعنی انارکلی کی بہن ہے
* بختیار سلیم کا دوست ہے
* خواجہ سرا کافور کنیزوں کا داروغہ ہے
* عنبر کنیز ہے جو دل آرام کی رازدار ہے
* مروارید کنیز ہے یہ بھی دل آرام کی رازدار ہے
* زعفران کنیز ہے * ستارہ کنیز ہے * داروغۂ زندان
* ڈراما انارکلی کے مرکزی کردار سلیم انارکلی اور اکبر ہیں۔
* دل آرام کلیدی کردار کی حیثیت رکھتی ہے جو واقعات کے دروبست کو منضبط کرنے اور کش مکش و تصادم کو نقطۂ عروج کی جانب لے جانے میں ڈرامائی عمل کے ساتھ پوری طرح مدد دیتی ہے۔
* ثریا، مہارانی، اور بختیار داروغۂ زنداں اور انارکلی کی بڑھیا ماں خاص ضمنی کردار ہیں۔



حبیب تنویر

(یکم ستمبر 1923ء-2009ء)

- نام حبیب احمد خان تھا اور قلمی نام حبیب تنویر
- حبیب تنویر یکم ستمبر 1923ء کو رائے پور میں پیدا ہوئے۔
- حبیب تنویر کا انتقال 2009ء کو بھوپال میں ہوا۔
- حبیب تنویر کے والد کا نام حافظ محمد حیات خان تھا۔
- حبیب تنویر نے گریجویشن مورس کالج ناگ پور سے 1944 میں کیا تھا۔
- حبیب تنویر نے ڈراما نگاری اور فلم نگاری کے ساتھ ساتھ شاعری بھی کی ہے۔
- حبیب تنویر ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔
- حبیب تنویر نے اپنے کریئر کا آغاز صحافت سے کیا تھا۔
- حبیب تنویر نے 'نیا تھیٹر' کے نام سے ایک ڈراما کمپنی 1968 میں قائم کی تھی۔
- حبیب تنویر راجیہ سبھا کے ممبر 1972 میں بنائے گئے تھے۔
- حبیب تنویر نے نظیر اکبرآبادی کے زندگی اور ان کی تخلیقات پر مبنی ایک ڈراما آگرہ بازار کے نام سے 1954 میں لکھا تھا جو پہلے پہل جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں کھیلا گیا تھا۔
- آگرہ بازار کو پہلی مرتبہ 1954 میں پیش کیا گیا تھا۔
- حبیب تنویر نے 1955 میں رائل اکیڈمی آف ڈرامائک آرٹس لنڈن اور سر پرنسپل اولڈ ڈوک تھیٹر اسکول کا مشاہدہ کیا تھا اور واپس آکر 1956 میں اپنے ہندوستانی تھیٹر کے لیے ڈراما مٹی کی گاڑی پیش کیا تھا۔
- حبیب تنویر نے اپنے 172 اسٹیج ڈراموں میں سے 52 ڈرامے خود ڈائریکٹ کیے تھے۔ ان ڈراموں میں سے 25 ڈرامے طبع زاد ہیں جن میں 10 اردو میں 7 ہندی میں 7 چھتیس گڑھی میں اور ایک ڈراما انگریزی میں ہے۔
- حبیب تنویر کے ڈرامے 'شطرنج کے کھلاڑی' اور 'چرن داس چور' پریم چند کی کہانی پر مبنی ڈرامے ہیں۔

اعزازات وانعامات

- حبیب تنویر کوسنگیت نا ٹک اکادمی پرسکار 1969 میں ملا تھا۔
- حبیب تنویر کو پدم شری سے 1983 میں نوازا گیا تھا۔
- حبیب تنویر کوسنگیت ناٹک اکادمی فیلوشپ 1996 میں ملا تھا۔
- حبیب تنویر کو کالی داس سمان سے 1990 میں نوازا گیا تھا۔
- حبیب تنویر کو پدم بھوشن سے 2002 میں نوازا گیا تھا۔
- حبیب تنویر کو چرن داس چور پر ایڈمبرا انٹرنیشنل ڈرامہ فیسٹیول میں فرنج فرسٹس ایوارڈ سے 1982 میں نوازا گیا تھا۔
- حبیب تنویر کو لیجینڈ آف انڈیا ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔

حبیب تنویر کے کارنامے

ڈرامے: آگرہ بازار (1954)، چرنداس چور 1975، شطرنج کے مہرے 1954، لالا شہرت رائے 1954، مٹی کی گاڑی 1958، زہریلی ہوا 2002، میرے بعد، شطرنج کی بازی، جھاڑو، جالی دار پردے، راجہ چمپا اور چار بھائی، کس کا پتر، دیکھ رہے ہیں میرے نین، جامعدار، اندر لوک سبھا

آگرہ بازار

- آگرہ بازار حبیب تنویر کے مقبول ترین ڈراموں میں سے ایک ہے۔
- آگرہ بازار کو حبیب تنویر نے 1954ء میں لکھا تھا اور پہلے پہل جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں کھیلا گیا تھا۔
- ڈراما 'آگرہ بازار' پہلی بار 14 / مارچ 1954 کو کھیلا گیا تھا۔
- ڈراما 'آگرہ بازار' میں حبیب تنویر نے نظیر اکبرآبادی کی زندگی اوران کی تخلیقات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک بازار کو دکھایا ہے جو آگرہ میں ہے۔
- ڈراما 'آگرہ بازار' بظاہر نظیر اکبرآبادی کی حیات اوران کی شاعری پر مبنی دکھائی دیتا ہے لیکن اس ڈراما کے نظیر اکبرآبادی کے گرد گھومنے کے باوجود اس کا ہیرو نظیر نہیں ہے بلکہ نظیر کا زمانہ اور اس دور کے سماجی رویے ہیں۔
- یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حبیب تنویر نے نظیر اکبرآبادی کی زندگی اوران کی شاعری کو بنیاد بنا کر ڈرامہ

'آگرہ بازار' لکھا ہے۔

- ڈراما 'آگرہ بازار' میں نظیر کے کل تیس منظوم کلام پیش کیے گئے ہیں جن میں شہر آشوب، نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔
- ڈراما 'آگرہ بازار' کے پلاٹ کی بنیاد انسانی زندگی کی ٹھوس صداقتوں پر مبنی ہے۔
- یاد رہے کہ پورے ڈرامے میں نظیر کبھی بھی اسٹیج پر نہیں آتے لیکن اس کی موجودگی کا احساس مختلف کرداروں کی شکل میں بار بار ہوتا ہے۔
- ڈراما 'آگرہ بازار' کے درمیان میں وقفے وقفے سے بار بار دو فقیر نظیر کے کلام گاتے ہوئے آتے ہیں اور پھر واپس چلے جاتے ہیں۔
- حبیب تنویر نے ڈراما آگرہ بازار کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

"پلاٹ کے اعتبار سے ڈراما افسانوی حیثیت رکھتا ہے، کہانی من گھڑت ہے اور بہت چھوٹی اور سیدھی سادی! میں نے زور اس بات پر دیا ہے کہ 'کھیل' کو اس روپ میں پیش کروں کہ جو بنیادی بات نظیر کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں، وہ ٹھیک اور دل چسپی کے ساتھ کہہ پاؤں"............ "میں ڈرامے کی بنیاد نظیر کی زندگی کو نہیں بلکہ اس کے کلام کو بنانا چاہتا تھا۔ ڈراما لکھنے کے دوران میں یہ بات بھی ذہن میں آئی کہ نظیر کو اسٹیج پر نہ لانا ہی بہتر ہوگا۔ اس سے نہ صرف میرے موضوع کے بہت سے مرحلے طے ہوگئے بلکہ میری تکنیک پر بھی اس کا اچھا اثر پڑا، تکنیک اور موضوع کا گٹھاؤ بڑھ گیا۔"

- ڈراما آگرہ بازار میں صرف دو ایکٹ ہیں۔

پہلا ایکٹ (پہلا ایکٹ اس طرح شروع ہوتا ہے)

دو فقیر 'شہر آشوب' گاتے ہوئے ہال کے اندر سے داخل ہو کر اسٹیج پر جاتے ہیں۔ کفنی پہنے، ایک ہاتھ میں کشکول اور تسبیح اور دوسرے میں ایک ڈنڈا اور لوہے کے کڑے لیے، پردے کے سامنے کھڑا ہو کر نظم سناتے ہیں اور تال پر کڑے بجاتے ہیں۔ نظم کے آخری بند کے اختتام پہ پردہ کھلتا ہے۔ اسٹیج پر بازار لگا ہے۔ فقیر گاتے ہوئے اسٹیج پر سے گزر جاتے ہیں۔

دوسرا ایکٹ (دوسرا ایکٹ اس طرح شروع ہوتا ہے)

پردہ اٹھنے سے پہلے فقیر اسی طرح ہال میں سے گزر کر پردے کے سامنے کھڑا 'بنجارا نامہ' سناتے ہیں۔ آخری بند پر پردہ اٹھتا ہے اور فقیر گاتے ہوئے اسٹیج سے چلے جاتے ہیں۔

- دوسرا ایکٹ اور ڈرامہ اس طرح ختم ہوتا ہے۔

- گانے والوں کی آواز اور سازوں کی صدا یکبارگی بہت اونچی اٹھتی ہے اور بہت تیزی سے پردہ گر جاتا ہے۔
- ڈرامہ 'آگرہ بازار' کے پلاٹ کو چار حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔

ڈرامہ 'آگرہ بازار' کا پلاٹ

پہلے حصے میں بازار کا ماحول نظر آتا ہے۔ مداری تاریخی پس منظر پیش کرتا ہے اور اس کی اکثر باتیں نظیر کی نظموں کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ مداری کی باتوں سے ہمیں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے دلی کو لوٹنے اور سورج مل جاٹ کے آگرہ شہر کو تباہ کرنے کا علم ہوتا ہے۔ اس کے انگریزوں کے ہندوستان آنے اور پلاسی کی جنگ کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر بنگال کے قحط کی تصویر کھینچتے ہوئے اپنی مفلسی کا رونا رونے لگتا ہے۔ جب مداری کا بندر تماشائی کے پاس پیسے لینے کی غرض سے جاتا ہے تو لوگ وہاں سے جانے لگتے ہیں اور ککڑی والا ان کے سامنے جاکر ککڑی بیچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ککڑی والے سے مداری اس بات پر لڑنے لگتا ہے کہ اس نے اس کے تماشائی کو ککڑی بیچنے گیا اور وہ اسے پیسے دیے بغیر چلے گئے۔ گویا ہر شخص اپنی مفلسی کا رونا روتا ہے۔ گویا ککڑی والے کی جستجو، افلاس کی لعنت، ککڑی والے کی ابتدائی ناکامیاں وغیرہ کی مدد سے ڈرامے کو پہلی کشمکش کی جانب لے جاتا ہے۔

دوسرے حصے میں اس زمانے کے تذکرہ نویس، شاعر اور ادیب، تساہل اور توہم کو پیش کیا گیا ہے۔ صحت منداور افادی ادب جس کا عوام کی زندگی اور ان کے روزمرہ مسائل سے گہرا تعلق ہے ان کی نظر میں عامیانہ اور گھٹیا ادب ہے اور یہی ادب اور یہی شاعری سارے بازار میں گونجی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ککڑی والے کی جستجو اب بھی جاری ہے۔ وہ ایک ایک کے پیچھے پھر کر اپنی ککڑی پر چند اشعار لکھوانا چاہتا ہے لیکن کوئی اس پر تیار نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کی مایوسی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے:

تربوز والا: اپنا تو وچار ہے تربوج بیچنا چھوڑ کے کوبتار چنا شروع کردیں (دونوں ہنستے ہیں) یا پھر یہ سہر ہی چھوڑ دیں!

لڈو والا: پر جاؤ گے کدھر، سوال تو یہ ہے! چاروں اور لوٹ مار مچی ہوئی ہے!

تربوز والا: ایک جندگی نے کیا نہیں دکھایا؟ بڑے بڑے بادشاہ دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں تو ہم کس کھیت کے مولی ہیں بھیا؟ چلیں بھئی، دن بھر پیر توڑنا تو کرموں میں لکھ ہے۔ تربوج ٹھنڈا! ٹھنڈا تربوج۔

مایوسی اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں ایک طرح سے ڈرامے کی کشمکش اپنے

عروج پر آ کر ختم ہوتا ہے۔اس طرح پہلا ایکٹ ختم ہوتا ہے۔

تیسرے حصے میں پتنگ والے کا کردار ابھر کر سامنے آتا ہے۔ پتنگ والے کے کردار میں نظیر اکبرآبادی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔گویا نظیر کے کردار اور اس کی زندگی پر روشنی پڑنے کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ایک بچے کی زبان سے نظیر کا کلام سن کر ایک جانب لوگ خوش ہوتے ہیں تو دوسری جانب متعصب ادیب اور مورخ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔یہ لوگ پست مذاق لوگوں کا مجموع دیکھ کر غصے میں پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل جاتے ہیں اور اب جو لوگ کتب فروش کی دکان اور اس کے آس پاس ہوتے ہیں وہ پتنگ والے کی دکان کے قریب آجاتے ہیں اور ذوق وشوق سے نظیر کا کلام سننے میں مگن ہو جاتے ہیں۔اس طرح پتنگ والے کی دکان ڈرامے کا نقطۂ عروج بن جاتی ہے۔

آخری حصے میں ککڑی والے کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور نظیر کی مقبولیت کا اظہار بغیر کسی نعرہ بازی کے ہونے لگتا ہے۔جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ادب کا زندگی سے گہرا تعلق ہے اور عوام کے لیے بھی اعلیٰ شاعری تخلیق کی جاسکتی ہے۔نظیر کی انسان دوستی اور ہمہ گیری اس وقت پورے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔نظم 'آدمی نامہ' سے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ مفلس وگدا سب آدمی ہیں اور وہ کسی سے کم تر نہیں ہیں اگر اس کے اندر کچھ کر گزرنے کا حوصلہ اور عزم ہے تو۔

کرداروں کی پہچان

- ڈرامہ 'آگرہ بازار' کے مرکزی کردار 'پتنگ والا' اور 'کتب فروش' ہیں۔ان دونوں کرداروں کے تخلیق کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حبیب تنویر نے لکھا ہے کہ:

  "اس زمانے کے پڑھے لکھے متوسط طبقے نے نظیر کی انسان کی حیثیت سے تو تعریف کی لیکن بہ حیثیت شاعر اس کو نظر انداز کیا۔ البتہ چھوٹے کام کرنے والے اور کاریگروں میں وہ مقبول رہا۔بس مجھے کتب فروش اور پتنگ والے کے کردار مل گئے۔ جس کے بل پر ڈراما آگے بڑھتا ہے اور جن کی دکانیں بازار کے دو اہم ترین مرکز ہیں۔"

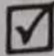
- ڈراما 'آگرہ بازار' کے کرداروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
- پہلے گروہ میں پتنگ والا، ککڑی والا، لڈو والا، تربوز والا، مداری، ریچھ والا، برتن والا، ہمجولی اور بازار کے دوسرے لوگ شامل کیے جاسکتے ہیں۔
- پہلے گروہ کے کردار ایسے ہیں جو خود کو زندہ رکھنے کے لیے اقتدار کو بدلنا چاہتے ہیں کیوں کہ انھیں

یہ معلوم ہے کہ ان کے مسائل کا حل موجودہ نظام میں ممکن نہیں ہے۔

- دوسرے گروہ میں شاعر نما آدمی، کتب فروش، تذکرہ نویس اور ان جیسے لوگ ہیں جو خود کو بچائے رکھنے کے لیے پرانی قدروں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔
- **تذکرہ نویس:** یہ اس زمانے میں شرفا کی نمائندگی کرتے ہیں اور نظیر کے کلام کو بازارو بتاتے ہیں۔
- تذکرہ نویس کے کردار کو میر، ابوالقاسم میر قدرت اللہ اور شیفتہ کی شخصیتوں کا امتزاج کہا جاسکتا ہے۔
- کتب فروش کی دکان پر جن کا غلبہ ہے ان میں سب سے اہم تذکرہ نویس ہی ہیں۔
- تذکرہ نویس (کردار) نظیر کو اچھا انسان تو مانتے ہیں لیکن شاعر نہیں مانتے۔
- **شاعر:** روایتی شاعری کے انحطاط کی تصویر اس کردار (شاعر) میں نظر آتی ہے۔
- **ہجولی:** یہ کردار متوسط طبقے کی متضاد ذہنیت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔
- لڈو والا، تربوز والا، ککڑی والا، بندر والا، ریچھ والا وغیرہ کردار حبیب تنویر نے نظیر کی نظموں سے لیا ہے۔

دیگر کردار

* فقیر	* ایک لڑکا (خبیث)	* پان والا	* کن میلیا
* برف والا	* درزی	* قوال	* کریمن
* پان والا	* رامو	* چمیلی	* چنے والا
* چند ہجڑے	* کمہار	* داروغہ	* راہ گیر
* نظیر کی نواسی	* پنساری	* شاعر	* تماش بین
* بے نظیر	* حمید	* گاہے	* بنی پرشاد
* دیہاتیوں کی ایک ٹولی		* اجنبی	* شہدا
* دوسپاہی	* بے نظیر	* چمیلی	* سارنگیا



محمد حسن

(20 اگست 1926ء-24 اپریل 2010ء)

- نام محمد حسن
- محمد حسن 20 اگست 1926ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔
- محمد حسن کا انتقال 24 اپریل 2010ء کو دہلی میں ہوا۔
- محمد حسن نے ایم اے (اردو) 1946 میں مکمل کیا تھا۔ ایم اے امتحان کے لیے لکھا گیا مقالہ جلال لکھنوی کی سوانح وکلام کی تنقید وترتیب پر تھا جسے استاد نور احسن ہاشمی کی زیر نگرانی مکمل کیا تھا۔
- محمد حسن نے مسعود حسن رضوی کی نگرانی میں 'لکھنؤ کی ادبی لسانی خدمات' پر پی ایچ ڈی کی ڈگری لکھنؤ یونیورسٹی سے 1952 میں حاصل کیا تھا۔
- محمد حسن نے جولائی 1950 میں انگریزی اخبار پائنیر لکھنؤ میں پہلی ملازمت......کی تھی۔
- محمد حسن نے عصری ادب کے نام سے رسالہ جنوری 1970 سے نکالنا شروع کیا تھا جو 23 سالوں یعنی 1993 تک نکلتا رہا تھا۔
- محمد حسن کے بقول ''ادب کو آج تیسری آواز کی ضرورت ہے اور یہ آواز احتجاج کی ہوگی''۔
- محمد حسن علی گڑھ کی لکچررشپ کے دوران اپنی ایک طالبہ روشن آرا سے 1958 میں شادی کی تھی۔
- محمد حسن نے اپنا تخلیقی سفر 1939 میں افسانہ نگاری سے شروع کیا تھا۔
- محمد حسن نے 1939 میں ہی ڈراما نگاری کی ابتدا کی تھی۔
- محمد حسن کو 'کہرے کا چاند' پر آندھرا پردیش ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ملا تھا۔
- محمد حسن کو 'پیسہ اور پرچھائیں' پر آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی کا پہلا انعام ملا تھا۔
- محمد حسن نے علی گڑھ میں قیام کے دوران اردو ڈرامے کو اسٹیج سے قریب لانے کے لیے 'اردو تھیٹر گروپ' کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی۔
- محمد حسن معروف جریدہ 'پائنیر' کے مدیر رہے اور محمد حسن نے جریدہ 'عصری ادب' شائع کیا تھا۔
- محمد حسن نے جواہر لال نہرو فیلوشپ کے تحت ''انیسویں صدی میں شمالی ہند کے ادب کے فکری اسالیب'' کے موضوع پر کام کیا تھا۔

محمد حسن کے تنقیدی نظریات

- پروفیسر محمد حسن کو مارکسی نقاد اور اردو تنقید میں سید احتشام حسین کا جانشین کہا جاتا ہے۔
- محمد حسن ترقی پسند ادب اور جمالیاتی اقدار کو ایک دوسرے کا حریف نہیں بلکہ ایک دوسرے کا مددگار و معاون مانتے ہیں کہ فکر و فن کے امتزاج سے ہی اعلیٰ ادب وجود میں آتا ہے۔
- فن برائے فن اور فن برائے زندگی سے ہٹ کر فن برائے خودی کی اصطلاح محمد حسن کی اختراع ہے۔
- بقول محمد حسن ''ہمارے تنقید نگاروں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ادب پہلے آرٹ ہے اور بعد کو کچھ اور۔ اس پر فن کے اصولوں کا اطلاق ہوگا۔ شاعری کا کوئی موضوع اور مقصد کیوں نہ ہو اسے سب سے پہلے اعلیٰ ادب پارہ ہونا چاہیے۔''
- بقول محمد حسن ''آرٹ کا پہلا کام جمالیاتی احساس کی تسکین ہے۔''
- بقول محمد حسن ''ادب سماج کا آئینہ خانہ ہے اور آئینہ میں سماج کے عکس ہزار طریقے پر پڑتے ہیں، کبھی فرد کے شعور ولاشعور سے مرتب تصویروں کے ذریعے تو کبھی عمرانی زندگی اور سیاسی ہنگاموں کی پرکشائی کی شکل میں۔

اعزازات وانعامات

- محمد حسن کو آندھرا پردیش اردو اکادمی نے ڈراما 'کہرے کا چاند' کے لیے 'ڈراما ایوارڈ' سے نوازا تھا۔
- محمد حسن کو غالب انسٹی ٹیوٹ نے 1975 میں ہم سب غالب ڈراما ایوارڈ سے نوازا تھا۔
- محمد حسن کو 1980 میں دلی ساہتیہ پریشد ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔
- محمد حسن کو یوپی اردو اکادمی ایوارڈ سے 1986 میں نوازا گیا تھا۔
- محمد حسن کو حیدرآباد ساہتیہ اکادمی نے ڈراما 'ضحاک' کے لیے ایوارڈ 1987 میں دیا تھا۔
- محمد حسن کو 1988 کے مہاراشٹر اردو اکادمی کا اعلیٰ ترین ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔
- محمد حسن کو بنگلہ مصنفین کے توسط سے امرتا ایوارڈ 1988 میں ملا تھا۔
- محمد حسن کو دہلی اردو اکادمی ایوارڈ برائے تحقیق وتنقید 1991 میں ملا تھا۔
- محمد حسن کو مدھیہ پردیش حکومت کی جانب سے اقبال سمان سے 2001 میں نوازا گیا تھا۔
- محمد حسن کو مولانا امتیاز علی خاں عرشی (صدی تقریبات کے موقعے پر) میموریل ایوارڈ سے 2005 میں نوازا گیا تھا۔
- محمد حسن کو دہلی اردو اکادمی کی جانب سے کل ہند بہادر شاہ ظفر ایوارڈ سے 1999 میں نوازا گیا تھا۔[1]

محمد حسن کے کارنامے

ڈرامے کے مجموعے:

(1) پیسہ اور پرچھائیں (9 ڈرامے) 1955
(2) میرے اسٹیج ڈرامے (6 ڈرامے) 1961
(3) کہرے کا چاند (غالب کی زندگی پر طویل ڈراما) 1969
(4) تماشا اور تماشائی (غالب کی زندگی پر طویل ڈراما) 1975
(5) مور پنکھی اور دوسرے ڈرامے (7 ڈرامے) 1975
(6) ضحاک (طویل ڈراما) 1980
(7) عمر خیام (زنجیر نغمہ شعری مجموعہ) 1986
(8) خون کے دھبے (8 ڈرامے) 2011

محمد حسن کے ڈرامے: پیسہ اور پرچھائیں، سرخ پردے، سونے کی زنجیریں، نظیر اکبرآبادی، نقش فریادی، اکبر اعظم، انسپکٹر جنرل، معمار اعظم، ریہرسل، محل سرا، میرتقی میر، موم کے بت، فٹ پاتھ کے شہزادے، گوشۂ عافیت، شکست، مور پنکھی، مولسری کے پھول، سچ کا زہر، داراشکوہ، کہرے کا چاند، مٹی جاگتی ہے، تماشا اور تماشائی، ضحاک، عمر خیام، قاتلوں کے درمیان۔

محمد حسن کے افسانے: وار فنڈ (پہلا افسانہ)، علاج، مست قلندر، چترا، مرجھائے ہوئے پھول، تاریک گوشے

ناول: غم دل وحشت دل،

شعری مجموعہ: زنجیر کا نغمہ

محمد حسن کی تنقیدی تصانیف: ادبی تنقید، شعر نو، دہلی میں اردو شاعری کا فکری وتہذیبی پس منظر، عرضِ ہنر، جدید اردو ادب، شناسا چہرے، معاصر ادب کے پیش رو، ادبی سماجیات، ہندوستانی شاعری، ہندوستانی محاورے، ہندی ادب کی تاریخ، ہیئتی تنقید، اردو ادب میں رومانی تحریک، مشرقی تنقید، سماجیاتی تنقید، مشرق ومغرب کے تنقیدی تصورات، ادبیات شناسی، جلال لکھنوی، نیا ادب۔

ضحاک

- ضحاک انسانوں کے بھیجوں پر زندہ رہنے والے شہنشاہ کی کہانی ہے۔
- ایمرجنسی کے دوران لکھا گیا ڈرامہ 'ضحاک' کا پلاٹ شاہنامہ فردوسی سے اخذ کیا گیا ہے جیسے آغا

حشر کاشمیری کے ڈراما 'رستم وسہراب' کا پلاٹ شاہنامہ فردوسی سے ماخوذ ہے۔

- ضحاک چھ مناظر پر مشتمل نیم تاریخی ڈراما ہے۔اس میں اہم کردار دس ہیں۔اس کے علاوہ سپاہی رقاصائیں، چوبدار اور قیدی ہیں۔
- ضحاک کے اہم کردار: ضحاک (فوجی) ، اس کی شریک حیات نوشابہ (رقاصہ)، فریدوں (شاعر) ہیں۔
- ضحاک پہلی بار عصری ادب شمارہ 27;28 بابت جنوری اپریل 1977 میں شائع ہوا۔
- شائع ہونے سے کچھ قبل ضحاک کو وجے شنکر چودھری نے سری رام سنٹر کے اسٹیج پر پیش کیا تھا۔
- پہلی بار ضحاک کی اشاعت کتابی شکل میں 1980 میں ہوئی۔
- ضحاک کو گیان چند جین نے 'سیاسی تمثیل' قرار دیا ہے۔
- ضحاک کے پہلے منظر کی ابتدا کورس سے ہوتی ہے جو ماضی کے واقعات کے ساتھ ساتھ حال کے منظر نامہ کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے اور اس کی تہبیں وا بھی کرتا ہے۔
- دوسرے منظر میں ضحاک کے امرا وزرا اور ملک کے دانشور انسانی مغز کے حصوں کے لیے آپس میں تبادلۂ خیال اور طریقۂ کار پر غور وفکر کرتے ہیں۔
- تیسرے منظر میں نصف شب کا منظر سامنے آتا ہے۔ضحاک شب خوابی کے کمرے میں اپنی ملکہ نوشابہ سے محوگفتگو ہے اور بڑے دکھ کے ساتھ اپنے کرب اور اپنی اذیت کا اظہار کرتا ہے۔
- چوتھے منظر میں فریدوں نوشابہ سے محوگفتگو ہے۔اس کے ہونٹوں سے خون جاری ہے۔نوشابہ ان سرخ ہونٹوں کو چوم کر اپنی جنسی پیاس بجھانا چاہتی ہے لیکن فریدوں اس کے لیے تیار نہیں ہوتا۔
- پانچویں منظر میں ملک کے دانشوروں کو تہہ خانے میں محوگفتگو دکھایا گیا ہے۔فریدوں کے قید خانہ سے فرار ہونے کی خبر انھیں مل چکی ہے۔
- چھٹے منظر میں تمام دانشوروں، ماہرین فن اور نوشابہ (جسے فریدوں کے فرار ہونے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا ہے) کو ضحاک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔



Unit-6

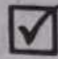
ناول اور افسانہ

ناول کا فن

- ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے جو اطالوی زبان کے لفظ ناویلا سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں 'نیا' یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ ناول ایک نئی چیز تھی۔
- اردو میں ناول انگریزی ادب کے راستے سے آیا ہے۔
- علی گڑھ تحریک کے دوران اردو میں صنف ناول کا آغاز ہوا تھا۔
- ناول زندگی کی کتاب ہوتی ہے۔ (ڈی ایچ لارنس)
- ورجینیا وولف کے مطابق ''ناول انسانوں سے متعلق ہوتے ہیں اس لیے وہ ایسے احساسات و جذبات ابھارتے ہیں جن سے ہم حقیقی دنیا میں دو چار ہوتے ہیں۔
- ناول اپنی وسیع ترین تعریف میں زندگی کا شخصی اور راست اثر ہے۔(ہنری جیمس)
- روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہونے والے واقعات کو مانوس اور مربوط انداز میں پیش کرنے کا نام ناول ہے۔(کلاریوز)
- ڈیوڈ سلیل ناول کو ایک ایسا فنی کارنامہ قرار دیتا ہے جو ہم کو ایک زندہ دنیا سے متعارف کرتا ہے لیکن یہ دنیا ہماری دنیا سے مشابہ بھی ہو اور اپنی ایک الگ انفرادیت بھی رکھتی ہو۔
- پری لیک نے ناول کو زندگی کی تصویر یا 'زندگی کی شبیہ' قرار دیا ہے۔
- اسکاٹ جیمس کے مطابق ناول میں ان باتوں کو پیش کیا جاتا ہے جو زندگی کی جیسی ہوتی ہیں یا اس کے مطابق ہوتی ہیں۔
- انتھونی ٹرولوپ کے مطابق ناول ایک ایسی تصویر ہے جس میں عام زندگی کی مسرت اور غم دکھائے جاتے ہیں تا کہ وہ تصویر جاندار نظر آئے۔ اس تصویر کو اگر قابل توجہ بنانا ہے تو اسے بہت وسیع اور حقیقی تشبیہوں سے معمور ہونا چاہیے۔
- جوزف کانراڈ نے ناول کو انسانی قوت اظہار کی آخری حد کہا ہے۔
- ناول کو عہد جدید کا رزمیہ کہا جاتا ہے۔
- ناول کو ایک جیبی نگار خانہ (pocket thearte) کا نام دیا گیا ہے۔
- ناول کے اجزائے ترکیبی: (1) قصہ، (2) پلاٹ (3) کردار نگاری (4) مکالمہ نگاری (5) منظر کشی (6) نقطۂ نظر

ہے۔ لے کر آخر تک ایک ہی کہانی اور ایک ہی پلاٹ ہوتا ہے۔

- ناول میں شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی کہانی اور ایک ہی پلاٹ ہوتا ہے۔
- ناول میں کردار بھی ابتدا سے آخر تک ایک ہی ہوتے ہیں۔
- ناول میں حقیقی اور واقعی حالات جو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں ان کو پیش کیا جاتا ہے۔
- ناول کے زبان و بیان میں بیحد لچک اور وسعت ہوتی ہے۔
- کہانی ناول میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتی ہے۔
- ناول کی کہانی حقیقی انسانوں کی کہانی جیسی ہوتی ہے۔
- ناول کی جگہ وہاں ہوتی ہے جہاں تاریخ کے صفحے سادہ ہوتے ہیں۔ (علی عباس حسینی)



اردو ناول کا آغاز و ارتقا

- اردو میں ناول نگاری کا آغاز انیسویں صدی عیسوی میں ہوا تھا۔
- ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار اور ان کے ناول 'مراۃ العروس' (1869ء) کو اردو کا پہلا ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔
- کہا جاتا ہے کہ نذیر احمد کی تخلیقات اردو ناول کے نقش اول ہیں۔
- نذیر احمد کے ناول مراۃ العروس 1869 کو ہی اردو کا پہلا ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔
- نذیر احمد کے مراۃ العروس سے پہلے اب تک تین کتابوں کو اردو کا پہلا ناول کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔
- پہلی کتاب کریم الدین کی لکھی ہوئی 'خطِ تقدیر 1826' ہے جسے ڈاکٹر محمود الٰہی نے اردو کا پہلا ناول کہہ کر اپنے طویل مقدمے کے ساتھ دوبارہ 1965 میں شائع کیا۔
- دوسری کتاب منشی گمانی لال کی لکھی ہوئی 'ریاض دلربا' ہے جسے ڈاکٹر ابن کنول نے اردو ناول کا نقش اوّل کہہ کر پیش کیا ہے۔
- یہ دونوں کتابیں سرے سے ناول ہی نہیں ہیں۔
- تیسری کتاب منشی سجاد حسین انجم کی 'نشتر' ہے جس کا انگریزی ترجمہ قرۃ العین حیدر نے A Nauth girl ناچ گرل کے عنوان سے کیا ہے اور اپنے مقدمے میں لکھا ہے کہ یہ سب سے پہلا ہندوستانی ناول ہے جو 1790 میں لکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 'نشتر' ناول تو ہے لیکن وہ مراۃ العروس کے بعد لکھا گیا ہے۔

نذیر احمد کے معاصرین اور اردو ناول

* نذیر احمد: مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح فسانۂ مبتلا، ابن الوقت، رویائے صادقہ
* پنڈت رتن ناتھ سرشار: فسانۂ آزاد، جام سرشار، سیر کہسار، کامنی، شاخِ بنات، خدائی فوج دار
* عبدالحلیم شرر: دل چسپ، ملک العزیز ورجینا، فردوس بریں، شوقین ملکہ، حسن انجلینا، منصور موہنا، عزیز مصر، فلورا فلورنڈا، فتح اندلس، زوال بغداد، ایام عرب
* مرزا ہادی رسوا: امراؤ جان ادا، افشائے راز، اختری بیگم، ذات شریف، شریف زادہ، بہرام کی رہائی

حقیقت پسند ادیب اور اردو ناول

* پریم چند: اسرار معابد، ہم خرما و ہم ثواب، کشنا، گئو دان، بازارِ حسن، چوگان ہستی، نرملا، میدانِ عمل، غبن، پردۂ مجاز، گوشۂ عافیت۔
* اوپندر ناتھ اشک: گرتی دیوار

رومانوی رجحانات اور اردو ناول

c سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری اور قاضی عبدالغفار کو باغیانہ رجحان کا نمائندہ کہا جاتا ہے۔
c مذکورہ بالا ادیبوں کو عام طور سے رومانوی تحریک سے وابستہ ادیب کہا جاتا ہے۔
* سجاد حیدر یلدرم: ثالث بخیر، مطلوب حسیناں، زہرہ، آسیب الفت، ہما خانم
* نیاز فتح پوری: شہاب کی سرگزشت، ایک شاعر کا انجام
* آغا حشر: ہیرے کی کنی، ناہید، ارمان، نقلی تاجدار
* آل احمد اکبر آبادی: محبت کا افسانہ
* مجنوں گورکھپوری: صیدِ زبوں، سوگوار شباب، سراب اور زید کا حشر
* قاضی عبدالغفار: لیلیٰ کے خطوط، مجنوں کی ڈائری
c پروفیسر حسین اور نیاز فتح پوری نے رومانیت کے مفہوم کو 'جذباتی آرزومندی' کہا ہے۔
c مغرب میں رومانیت کا پرچم فرانسیسی شاعر اور مفکر روسو نے بلند کیا تھا۔

ترقی پسند تحریک اور اردو ناول

* سجاد ظہیر: لندن کی ایک رات

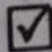
* کرشن چندر: شکست، جب کھیت جاگے، طوفان کی کلیاں
* عزیز احمد: گریز، ایسی بلندی ایسی پستی، آگ، مرمر خون، ہوس، شبنم، جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں
* عصمت چغتائی: ٹیڑھی لکیر، ضدی، معصومہ، دل کی دنیا
* راجندر سنگھ بیدی: ایک چادر میلی سی
* شوکت صدیقی: خدا کی بستی
* قاضی عبدالستار: شب گزیدہ، داراشکوہ، صلاح الدین ایوبی، حضرت جان، غبارِ شب، خالد بن ولید
* خدیجہ مستور: آنگن، زمین
* جیلانی بانو: ایوانِ غزل، بارش سنگ
* خواجہ احمد عباس: انقلاب

جدیدیت اور اردو ناول

* قرۃ العین حیدر: آگ کا دریا، میرے بھی صنم خانے، کار جہاں دراز ہے، آخر شب کے ہم سفر، گردش رنگ چمن، چاندنی بیگم
* ممتاز مفتی: علی پور کا ایلی
* جمیلہ ہاشمی: تلاش بہاراں
* انتظار حسین: چاند گہن، بستی، آگے سمندر ہے، تذکرہ
* عبداللہ حسین: اداس نسلیں، باگھ، قید، نادار لوگ
* انور سجاد: خوشیو کا باغ، جنم روپ
* جوگندر پال: آمد و رفت، نادید، خواب رو
* پیغام آفاقی: مکان، پلیتہ
* غضنفر: پانی، کینچلی، کہانی انکل، دویہ بانی، وش منتھن

موجودہ صورت حال

* مشرف عالم ذوقی: نیلام گھر، بیان،
* فہیم اعظمی: جنم کنڈلی
* انور خان: پھول جیسے لوگ
* عشرت ظفر: آخری درویش
* شفق: کانچ کے بازیگر
* مظہر الزماں: آخری داستان گو
* حسین الحق: بولو مت چپ رہو، فرات
* سید محمد اشرف: نمبر دار کا نیلا
* شموئل احمد: ندی، مہاماری



اردو کے اہم ناول نگار اور ان کے ناول

پنڈت رتن ناتھ سرشار

- نام پنڈت رتن ناتھ دَر تھا اور تخلص سرشار۔
- سرشار 1846 یا 1847 میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔
- سرشار کا انتقال 27 جنوری 1902 کو حیدر آباد میں ہوا۔
- سرشار کا تعلق ایک کشمیری برہمن خاندان سے تھا۔
- سرشار کے والد کا نام پنڈت بیج ناتھ در تھا جو کشمیر سے آکر تجارت کی غرض سے لکھنؤ میں آباد ہو گئے تھے۔
- سرشار ابھی چار سال کے تھے کہ ان کے والد وفات پا گئے۔
- سرشار نے خاندانی دستور کے مطابق عربی اور فارسی کی تعلیم مدرسے میں اور انگریزی کی تعلیم انگریزوں کے قائم کردہ کینگ کالج لکھنؤ میں پائی تھی۔
- سرشار کا پہلا مضمون کشمیری پنڈتوں کے فرقے کی جانب سے شائع ہونے والے ایک رسالے 'مراسلۂ کشمیر' میں شائع ہوا تھا۔
- سرشار کے کئی مضمون اخبار سررشتہ تعلیم اودھ، مراۃ الہند، ریاض الاخبار، اودھ پنچ وغیرہ میں شائع ہوئے تھے۔
- عبدالقادر کے مطابق سرشار کے نئے طرزِ تحریر کی ابتدا اودھ پنچ سے ہوئی۔ یہ لکھنؤ سے نکلنے والا ایک مزاحیہ جریدہ تھا جس کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین تھے جنھوں نے سب سے پہلے اردو جرائد کو مزاح اور ظرافت سے روشناس کرایا۔
- منشی نول کشور نے سرشار کو 10 اگست 1878 کو اودھ اخبار کا مدیر مقرر کیا تھا۔
- سرشار نے ظرافت کے عنوان کے تحت قسط وار اودھ اخبار میں لکھنا 1878 میں ہی شروع کیا تھا۔
- سرشار نے فسانہ آزاد جلد اوّل کی ساری قسطیں ظرافت کے عنوان کے تحت اودھ اخبار میں ہی لکھی تھیں جو بعد کو 1880 میں فسانہ آزاد کے نام سے شائع ہوئی تھیں۔

- حیدر آباد کے مہاراجہ سرکشن پرشاد نے 1895 میں سرشار کو دو سو روپیہ ماہوار پر ملازم رکھ کر اپنی نظم ونثر کی اصلاح کا کام سونپا تھا۔
- سرشار کو شاعری میں منشی مظفر علی اسیر سے شرف تلمذ حاصل تھا۔
- سرشار نے مہاراجہ کشن پرشاد کی سرپرستی میں حیدر آباد سے ایک معیاری ادبی ماہوار رسالہ 'دبدبۂ آصفی' کے نام سے 1898 میں جاری کیا تھا۔
- سرشار کی شخصیت و مزاج میں لکھنوی تہذیب اور سرسید کی اصلاحی تحریک دونوں کے اثرات ملے جلے نظر آتے ہیں۔
- سرشار رجب علی بیگ سرور کے پیرو تھے۔ سرشار جہاں بھی سرور کا نام لیتے ہیں سرور مبرور لکھ کر عزت واحترام کا اظہار کرتے ہیں۔

سرشار کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- پنڈت رتن ناتھ اردو نثر کے حالی تھے۔ انھوں نے (حالی) اردو شاعری کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہا، جو رتن ناتھ سرشار نے اردو نثر کے ساتھ کیا (چکبست)۔
- ڈاکٹر احسن فاروقی نے لکھا ہے کہ ''مغرب میں ناول نگاری کی ابتدا ڈان کیخوٹے کے اثر سے ہوئی۔ سرشار پر اس کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار اردو ناول کی ابتدا بھی اسی کے فیض سے ہوئی۔

فسانۂ آزاد

(1880ء اشاعت)

- 'فسانۂ آزاد' رتن ناتھ سرشار کا وہ شاہکار ناول ہے جس میں لکھنؤ کی مٹتی ہوئی تہذیب کی لازوال عکاسی کی گئی ہے۔
- سرشار نے 'فسانۂ آزاد'، 'اودھ اخبار' میں قسط وار ظرافت کے عنوان کے تحت 1878 میں لکھنا شروع کیا تھا۔
- اس کے بعد فسانہ آزاد چار ضخیم جلدوں میں تقریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل پہلی بار منشی نول کشور پریس کے زیر اہتمام 1880 میں شائع کیا گیا تھا۔
- سرشار کے الفاظ میں فسانہ آزاد انگریزی ناولوں کے ڈھنگ پر لکھا گیا ہے جن میں کوئی امر حسب لیاقت یا حسب عقل محال نہیں۔ اردو فسانوں (داستانوں) سے اس کا رنگ نہیں ملتا۔

- سرشار کے لکھنے کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ نشے میں ہوتے۔ کاتب ان کے پاس آتا اور وہ اسے اگلی قسط لکھوا دیتے یا بقول چکبست ''نہایت بے تکلفی سے چار صفحے کھینچ کر پھینک دیتے۔''
- پروفیسر گیان چند جین نے 'فسانۂ آزاد' کو اس کے پھیلاؤ اور بکھراؤ کے پیش نظر داستان اور ناول کی درمیانی کڑی کہا ہے۔

فسانۂ آزاد کی وجہ تصنیف

- چکبست مضامین چکبست میں لکھتے ہیں کہ ''جب سرشار کھیڑی سے لکھنؤ آئے تو یہاں شب و روز 'یارانِ دقیقہ رس و صحیح نفس' کی صحبت میں گزرتے تھے۔ اس صحبت میں جہاں ایک سے ایک طرار اور حاضر جواب موجود ہوتا تھا۔ وہاں منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ اور پنڈت تربھون ناتھ ہجر بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ اس صحبت میں ایک روز پنڈت تربھون ناتھ، ہجر نے کہا کہ اگر کوئی ناول ایسا ہے کہ جس کا ایک صفحہ پڑھئے اور ممکن نہیں کہ بیس مرتبہ نہ ہنسیے تو وہ ڈان کوئکسات ہے۔ اگر اردو میں اس طرز کا فسانہ لکھا جائے تو خوب ہے۔ حضرت سرشار کے دل پر اس وقت کی بات ایسی کارگر ہوئی کہ اردو میں ڈان کوئکسات کے انداز پر مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اودھ اخبار میں مختلف مضامین شائع ہونے لگے۔

فسانۂ آزاد کا پلاٹ

- فسانہ آزاد میں طویل ناول کی طرح چھ پلاٹ ہیں۔
- (1) **آزاد اور حسن آرا کا قصہ:** آزاد حسن آرا پر عاشق ہو کر شادی کا پیغام دیتے ہیں۔ شادی کی شرط یہ ٹھہرتی ہے کہ آزاد ترکی جا کر، ترکوں کے ساتھ مل کر، روسی افواج سے لڑیں اور فتح یاب واپس آئیں تو شادی ہوگی۔ ایسا ہی ہوتا ہے یہ قصہ شادی پر ختم ہوتا ہے۔
- (2) دوسرا قصہ ہمایوں فر اور حسن آرا کی بہن سپہر آرا کے عشق سے تعلق رکھتا ہے۔ شادی ہو رہی ہے کہ کوئی ہمایوں فر کو قتل کر دیتا ہے۔ سرشار ہمایوں فر کو پھر زندہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور سپہر آرا سے اس کی شادی ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص کوئی اور ہے۔ یہ پلاٹ بالکل پھسپھسا اور بے جان ہے۔
- (3) تیسرے قصے میں نواب ذوالفقار علی خان کی بٹیر بازی کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ آزاد نواب

صاحب کی صف شکن نامی بٹیر کو جواڑ گئی ہے، ڈھونڈھنے نکلتے ہیں۔ یہاں پلاٹ کچھ نہیں ہے۔
صرف نواب کے گھر کی چہ میگوئیاں ناول کا زیادہ حصہ گھیرتی ہیں۔

c (4) اللہ رکھی ایک بازاری عورت ہے جو زندگی میں مختلف طبقوں سے گزرتی ہوئی دکھائی جاتی ہے۔

c (5) خوجی کے آزاد کے ساتھ اور الگ رہ کر مختلف واقعات میں پھنسنے کا قصہ ہے۔ یہ واقعات کرداری ناول کا پلاٹ بناتے ہیں اور اس میں خوجی کا کردار لافانی ہو جاتا ہے۔

c (6) متعدد چھوٹے چھوٹے قصے جو محلات میں پیدا ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں مرکزی قصہ پہلا ہی ہے اور مختلف قصے آپس میں کوئی ربط نہیں رکھتے اور صرف آزاد کی ذات سے تعلق ہونے کی بنا پر یکجا ہو جانے کا جواز پیدا کرتے ہیں۔

کرداروں کی پہچان

* آزاد (ہیرو) اور حسن آرا (ہیروئن) فسانہ آزاد کے مرکزی کردار ہیں۔
* آزاد کے ساتھ خوجی کا کردار بھی ناقابل فراموش ہے۔ ایک نئی تہذیب کا نمائندہ ہے تو دوسرا پرانی تہذیب کی یادگار۔
* آزاد کا کردار خود سرشار کا دھندلا سا خاکہ ہے۔

c **فسانہ آزاد کے دیگر کردار:** ہمایوں فر، سپہر آرا، نواب ذوالفقار علی خان، اللہ رکھی جو بعد میں ثریا بیگم ہو جاتی ہے، بڑی بیگم، روح افزا، ہرمزجی، چھمی جان، شاہ جی، اچھے مرزا، منے میاں، مفرگشت، مسخرالدولہ، پیرنابالغ، بلبل بیمار، عصمت، شمیم، وکیل، قدرت بیگم مذکوری۔

* فسانہ آزاد میں چھوٹے بڑے تقریباً تین ہزار کردار ہیں۔



خان بہادر شمس العلما

نذیر احمد

- نام نذیر احمد تھا اور خطاب خان بہادر شمس العلما۔
- نذیر احمد موضع ریہڑ، پرگنہ افضل گڑھ تحصیل نگینہ ضلع بجنور میں 1830 کو پیدا ہوئے (جمیل جالبی کے مطابق) نور الحسن وغیرہ نے پیدائش 1836 بھی لکھا ہے لیکن صحیح 1830 ہی ہے۔
- نذیر کا انتقال 3 مئی 1913 کو فالج کی وجہ سے دہلی میں ہوا (جمیل جالبی کے مطابق)
- نذیر کے والد کا نام سعادت علی خان تھا جن کا پیشہ معلمی تھا۔
- نذیر کے جد اعلیٰ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ شیخ عبدالغفور اعظم پوری تھے اور ان کے خاندان کے افراد پیرزادہ کہلاتے تھے۔
- نذیر نے فارسی اپنے والد سے پڑھی۔
- **نذیر کے دیگر اساتذہ:** ڈپٹی نصیر اللہ خورجوی، مولوی مملوک علی، امام بخش صہبائی، ماسٹر رام چندر، مولوی عبدالخالق۔
- نذیر احمد نے اورنگ آبادی مسجد دہلی میں مولوی عبدالخالق سے اپنے بھائی کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی جہاں نذیر محلے سے کھانا مانگ کر لاتے تھے۔
- نذیر احمد نے اورنگ آبادی مسجد میں گزارے ہوئے اوقات کے بارے میں ایک لیکچر میں بتایا کہ ان کی زندگی کا یہ 'بدترین وقت' تھا اور 'اگر وہاں چار پانچ سال رہنا پڑتا تو میں دین و دنیا دونوں سے تباہ ہو لیا تھا۔
- نذیر احمد کا داخلہ دلی کالج میں 1845 میں حسن اتفاق سے ہوا تھا اور وہ 1853 تک زیر تعلیم رہے تھے۔
- نذیر احمد کو دلی کالج سے چار روپے ماہوار وظیفہ داخلہ ہونے کے بعد ملنا شروع ہوا تھا جو کالج سے نکلنے تک چوبیس روپے ہو گیا تھا۔
- دلی کالج میں نذیر احمد کے ہم جماعت محمد حسین آزاد اور مولوی ذکاء اللہ تھے۔
- دہلی کالج کے زمانۂ تعلیم میں نذیر احمد کا خاص مضمون عربی تھا۔
- نذیر احمد کی شادی خاندانی دستور اور والدین کی مرضی کے خلاف جبکہ ان کی شادی بجنور میں طے بھی ہو چکی تھی۔ مولوی عبدالخالق کی پوتی اور مولوی عبدالقادر کی بیٹی صفیۃ النسا بیگم سے دہلی میں ہوئی تھی۔

- صفیۃ النسا بیگم مولوی عبدالخالق کی وہی پوتی ہیں جو نذیر سے سیر دو سیر مصالحے پسواتی تھیں اور درمیان میں نذیر کے ہاتھ رکنے پر بٹے سے انگلیوں پر مارتی تھیں۔
- نذیر احمد نے والدہ کے اصرار پر 1888 میں بجنور کی ایک خاتون سے بھی عقد کیا تھا۔
- حکومت برطانیہ نے نذیر احمد کو شمس العلما کا خطاب 1897 میں دیا تھا۔
- ایڈنبرا یونیورسٹی نے نذیر کو ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری 1902 میں عطا کی تھی۔
- پنجاب یونیورسٹی نے ڈی او ایل کی ڈگری سے نذیر احمد کو سرفراز کیا تھا۔
- نذیر احمد نے حیدر آباد کے قیام کے دوران چھ مہینے سترہ دن کی مدت میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔
- نذیر احمد کے کردار اسم با مسمیٰ ہوتے ہیں۔
- نذیر احمد کے تمام ناول مقصدی اور اصلاحی ہیں۔
- سب سے پہلے تعلیم نسواں کو موضوع نذیر احمد نے بنایا۔
- نذیر احمد کے کردار یا تو شیطان ہوتے ہیں یا فرشتے۔ انسان نہیں ہوتے۔ (آل احمد سرور)

توبۃ النصوح

(1874ء)

- نذیر احمد نے بنات النعش کے دیباچے میں لکھا تھا کہ ''تعلیم دین داری کا ایک مضمون اور رہ گیا ہے، اگر حیات مستعار باقی ہے تو انشا اللہ بشرطِ خیریت اگلے سال تک وہ بھی ایک کتاب کے پیرائے میں پیش کش ناظرین کیا جائے گا۔'' لہٰذا وہ کتاب توبۃ النصوح کے نام سے 1874 میں شائع ہوئی۔
- کتاب کا نام قرآن مجید سے لیا گیا ہے جہاں مخلصانہ توبہ کے معنی میں 'توبۃ نصوحا' کے الفاظ موجود ہیں۔
- توبۃ النصوح کا مرکزی خیال انگریزی ناول نگار 'ڈینیل ڈی فو (Daniel Defoe) کے ناول The Family instructer سے ماخوذ ہے۔
- نذیر احمد نے اپنے موضوع و مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس کتاب میں انسان کے اس فرض کا مذکور ہے جو تربیت اولاد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے سے مقصود اصلی یہ ہے کہ اس فرض کے بارے میں جو غلط فہمی عموماً لوگوں سے واقع ہو رہی ہے اس کی اصلاح ہو۔

ناول توبۃ النصوح کا قصہ

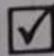
- ناول توبۃ النصوح کا قصہ نصوح کے خواب سے شروع ہوتا ہے وہ خواب جو نصوح نے دیکھا تمام قصے کی جان ہے۔
- نصوح خواب میں حشر کے میدان میں اپنے باپ کو دیکھتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ ہے۔
- نصوح باپ کا اعمال نامہ دیکھتا ہے تو تھرا اٹھتا ہے کیونکہ دنیا کی تمام برائیاں اس کے اعمال نامہ میں موجود تھیں اور باپ فرد جرم کے تعلق سے طویل بیان دیتا ہے۔
- دوسری فصل میں نصوح اور فہمیدہ کے درمیان بات چیت کا منظر سامنے آتا ہے اور یہاں یہ طے ہو جاتا ہے کہ نصوح (شوہر) لڑکوں کی اصلاح کریں گے اور فہمیدہ (بیوی) لڑکیوں کی۔ سب سے پہلے چھوٹے بچوں کی اصلاح کا کام شروع ہوتا ہے۔
- تیسری فصل میں فہمیدہ اپنی بیٹی حمیدہ سے بات چیت کر کے نصوح کو بتائی ہے۔
- چوتھی فصل میں نصوح چھوٹے بیٹے سلیم سے گفتگو کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلیم بہت کچھ سدھر چکا ہے اور حضرت بی اور ان کے لڑکوں کے اثر نے پہلے ہی اسے اس راہ پر لگالیا ہے جو نصوح اسے دکھانا چاہتا تھا۔
- پانچویں فصل میں فہمیدہ اور اس کی بیٹی نعیمہ کی لڑائی کا بیان آتا ہے۔ نعیمہ مراۃ العروس کی اکبری کی طرح کی لڑکی ہے۔ اس کی لڑائی نماز پڑھنے پر ہوتی ہے جس کو وہ اٹھک بیٹھک کہتی ہے۔
- چھٹی فصل میں نصوح اپنے منجھلے بیٹے علیم کی اصلاح کرتا نظر آتا ہے۔
- ساتویں فصل میں نصوح اور بڑے بیٹے کلیم کی کش مکش سامنے آتی ہے جو اس قصے کی خاص کش مکش ہے۔ کلیم کو پہلے منجھلا بھائی اور پھر ماں سمجھاتی ہے مگر وہ باپ کے پاس جانے سے انکار کرتا ہے۔ وہ اس تہذیب میں رچا ہوا ہے جو مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں موجود و رائج تھی۔ یہاں دونوں چھوٹے بھائی بڑے بھائی کلیم کو سمجھاتے ہیں اور کلیم اس تہذیب کی خوبیاں گنواتا ہے۔ ماں بھی سمجھاتی ہے مگر کلیم نہیں مانتا ہے۔
- آٹھویں فصل میں نعیمہ کو اس کی خالہ زاد بہن صالحہ راہ راست پر لے آتی ہے۔
- نویں فصل میں کلیم ناخوش ہو کر گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور نصوح اس کا تکلف خانہ، جو عشرت منزل اور خلوت خانہ کے نام سے دو کمروں پر مشتمل تھا اور اس میں موجود کتابوں کو جلا دیتا ہے۔
- دسویں فصل میں قصہ نصوح کے گھر سے باہر نکلتا ہے۔ کلیم کی مرزا ظاہر دار بیگ سے ملاقات ہوتی

ہے۔ کلیم پکڑا جاتا ہے اور نصوح اسے رہا کرواتا ہے پھر فطرت سے کلیم کی ملاقات ہوتی ہے اور کلیم جائیداد بیچ کر اس کے ساتھ گل چھرے اڑاتا ہے۔

- گیارہویں فصل میں کلیم ریاست دولت آباد جا کر قصیدہ لکھتا ہے تاکہ دربار تک رسائی ہوئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کی بساط الٹ گئی ہے اور ریزیڈنٹ نے امور ریاست کا اہتمام ایک کمیٹی کو تفویض کر دیا ہے۔ وہ صدر اعظم سے ملتا ہے جو ایک بوڑھے سے مولوی ہیں۔ وہ اسے ریاست کی فوج میں بھرتی کر لیتے ہیں۔
- اسی آخری فصل میں نعیمہ کے سدھر جانے اور پھر سے گھر آباد ہونے اور ساتھ ہی کلیم کے مرنے اور اس کی آخری وقت کی حالت کا بیان ہے۔
- ڈاکٹر احسن فاروقی مراۃ العروس، توبۃ النصوح اور دوسرے ناولوں کو ناول نہیں تمثیل کہتے ہیں۔

کرداروں کی پہچان

* نصوح، کلیم اور ظاہر دار بیگ توبۃ النصوح کے مرکزی کردار ہیں۔
* نصوح — خاندان کا سربراہ اور فہمیدہ کا شوہر ہے
* فہمیدہ — نصوح کی بیوی ہے
* کلیم — نصوح کا بڑا بیٹا ہے
* علیم — نصوح کا منجھلا بیٹا ہے
* سلیم — نصوح کا چھوٹا بیٹا ہے
* حمیدہ — نصوح کی منجھلی بیٹی ہے
* نعیمہ — نصوح کی بڑی بیٹی ہے
* صالحہ — جو نعیمہ کی خالہ زاد بہن ہے وہ نعیمہ کی سہیلی ہے
* مرزا ظاہر دار بیگ — کلیم کا دوست ہے



عبدالحلیم شرر

- نام عبدالحلیم تھا اور تخلص شرر
- شرر 1275ھ مطابق 1860 کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔
- شرر کا انتقال 1345ھ مطابق 1926 میں چھیاسٹھ برس کی عمر میں لکھنؤ میں ہوا۔
- شرر کے والد کا نام تفضل حسین تھا۔
- شرر کے اساتذہ: تفضل حسین، ملا محمد باقر کشمیری، منشی عبداللطیف، حیدر یار جنگ، (میر حیدر علی طباطبائی)، مرزا محمد علی، مرزا ہدایت اللہ، سید جمال الدین، حکیم محمد مسیح، مولانا عبدالحیٔ
- شرر کی شادی 1879 میں اٹھارہ سال کی عمر میں حقیقی ماموں حکیم سعید کی لڑکی سے کرادی گئی تھی۔
- شرر نے قیام دہلی کے دوران محمد بن عبدالوہاب نجدی کی 'کتاب التوحید' اور اسماعیل دہلوی کی 'تقویۃ الایمان' کے تقابلی مطالعے کے بعد 'کتاب التوحید' کا اردو ترجمہ کیا تھا اس طرح 1881 میں شرر کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔
- عبدالحلیم شرر کا تعلق فرقۂ اہل حدیث (غیر مقلد) سے تھا۔
- شرر کو مولوی عبدالحیٔ کی سفارش پر منشی نول کشور نے 'اودھ اخبار' لکھنؤ میں تیس روپے ماہوار پر اسسٹنٹ ایڈیٹر 1881 میں مقرر کیا تھا۔
- شرر کے اودھ اخبار میں چھپنے والے مضمون 'روح' کے بارے میں سرسید نے لکھا تھا کہ "اودھ اخبار میں 'روح' پر جو مضمون چھپا ہے بہت اعلیٰ درجے کا ہے۔"
- شرر نے اودھ اخبار میں ملازمت کے دوران اپنے دوست مولوی عبدالباسط کے نام سے ایک ہفت روزہ 'محشر' کے نام سے 1881 میں جاری کیا تھا۔
- شرر نے 'البشیر' کے ایڈیٹر بشیر الدین کی تجویز اور اصرار پر اپنا مشہور ماہنامہ 'دل گداز' لکھنؤ سے جنوری 1887 میں جاری کیا تھا۔
- شرر نے 'دل گداز' میں تاریخی ناول لکھنے کی داغ بیل 1888 میں ڈالی تھی اور اس طرح نہ صرف ان کا بلکہ اردو کا پہلا تاریخی ناول 'ملک العزیز ورجینا' 1888 میں شائع ہوا تھا۔
- شرر نے ایک ہفت روزہ 'مہذب' 1890 میں نکالا تھا جو اپنی نوعیت کا پہلا ہفت روزہ تھا۔
- ماہنامہ 'دل گداز' حیدر آباد سے دوبارہ نکلنا 1898 میں شروع ہوا تھا۔

- پھر لکھنؤ سے 'دل گداز' کی اشاعت 1900 میں شروع ہوئی تھی۔
- پھر شرر حیدر آباد گئے تھے اور وہاں سے دلگداز نکالا تھا۔
- پھر دل گداز میں لکھنؤ سے 1904 میں نکلنا شروع ہوا تھا۔

اس طرح دلگداز کئی مرتبہ بند ہوا اور جاری ہوا کبھی لکھنؤ سے تو کبھی حیدر آباد سے۔

- محمد علی جوہر نے شرر کو اپنے روزنامے 'ہمدرد' کا ایڈیٹر دوسو روپے ماہوار پر 1912 میں مقرر کیا تھا۔
- شرر نے اپنے ناولوں کے ذریعہ تاریخ اسلام کو زندہ کیا ہے۔

شرر کا قول

- علوم کے اعتبار سے لکھنو ہندوستان کا بخارا اور قرطبہ اور اقصائے مشرق کا نیشا پور تھا۔

شرر کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- فراق گورکھپوری نے شرر کے تخلیقات کے بارے میں لکھا ہے کہ ''وہ مٹی کے پہاڑ سہی لیکن آپ کو انھیں ٹھنک کر دیکھنا ضرور پڑے گا۔
- شرر اردو کے پہلے ادیب ہیں جنھوں نے شعوری طور پر ناول کے فن کو سمجھنے اور برتنے کی کوشش کی ہے۔(پروفیسر قمر رئیس)

فردوس بریں

(1899ء)

- فردوس بریں عبدالحلیم شرر کا وہ شاہکار تاریخی ناول ہے جسے انہوں نے 1899 میں حیدر آباد میں مکمل کیا۔
- خود شرر کے مطابق 'فردوس بریں'، 'ملک العزیز ورجینا' 'فلورا فلورنڈا'، 'فتح اندلس' اور 'ایام عرب' شرر کے پسندیدہ ناول ہیں۔
- شرر نے فردوس بریں کی اشاعت کا حق اپنے پرانے دوست 'پیام یار' کے ایڈیٹر اور قومی پریس کے مالک منشی نثار حسین کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔

فردوس بریں کا خلاصہ

شرر 'فردوس بریں' کا آغاز اس زمانی تعین کے ساتھ کرتے ہیں:

"اب تو سنہ 651 ہجری ہے مگر اس سے ڈیڑھ سو سال پیشتر......"

فرقۂ باطنیہ اور اس کی تحریک پانچویں صدی ہجری کے عالم اسلام پر سیاہ آندھی کے مانند چھا گئی تھی۔ اس کا بانی حسن بن صباح اس دور کی معروف شخصیت ہے جس کی زندگی میں ہی باطنی تحریک سلطنت کا روپ دھار چکی تھی۔ ڈیڑھ سو سال بعد رکن الدین خورشاہ اس خاندان کا چشم و چراغ قلعہ التمونت کے تخت زرین پر متمکن ہے بلکہ مذہبی مقتدائی کا تاج بھی زیب سر کیے ہوئے ہے۔ طرح طرح کے سیاسی انقلابات ہونے کے باوجود سلطنت باطنیہ اپنی جگہ قائم ہے۔ اس کا قیام جن تدبیروں سے ہے، وہ نوع بنوع ہیں انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ جو بھی سیاسی و مذہبی رہ نما باطنین کے خلاف زبان کھولتا ہے، باطنی رہ نما اپنے جوشیلے لیکن سادہ لوح مقتدیوں کے ذریعے اسے اپنے راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ ان باطنی رہ نماؤں کے مرید کہا جاسکتا ہے کہ قاف تا قاف پھیلے ہوئے ہیں۔ شیخ وجودی ان رہ نماؤں میں الجزیرہ علاوہ خورشاہ کے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ کاظم جنوبی جیسے نہ جانے اس کے کتنے لفٹیننٹ ہیں۔

اس سیاسی، سماجی اور نفسیاتی فضا میں شہر آمل کا ایک نوجوان حسین اپنی منظور نظر زمرد کے ساتھ حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلتا ہے۔ کوہ طالقان کے دامن میں نہر ویرنجان کے کنارے ایک دشوار گزار گھاٹی کو عبور کر کے یہ جوڑا اس مرغزار میں پہنچتا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں پریوں کے غول پھرا کرتے ہیں اور پریوں کے ان غولوں کے ہاتھوں میں زمرد کا بھائی موسیٰ وہیں قبر میں لیٹا موت کی گہری نیند سو رہا ہے۔ زمرد، بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھے بغیر آگے نہیں جاسکتی اور جب فاتحہ پڑھ چکتی ہے تو پریوں کا غول نظر آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دونوں بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ ہوش میں آکر حسین موسیٰ کی قبر کے پاس ہی ایک اور قبر دیکھتا ہے، جس پر زمرد کا نام کندہ ہے۔ ردعمل کے طور پر حسین غم واندوہ سے زندہ درگور ہو جاتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ اسی قبر پر رو رو کر اپنا بھی خاتمہ کر لے گا۔ خاصی مدت کے بعد اسے زمرد کا خط ملتا ہے جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ وہ فوراً شہر حلب جائے اور شیخ وجودی سے مل کر ان کے احکام کی بے چون و چرا تکمیل کرے۔ حسین زمرد کے اس جنت سے آئے خط کو دیکھ کر شیخ وجودی کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور شیخ وجودی کے اشارے اور کہنے پر اپنے چچا امام نجم الدین نیشاپوری کو قتل کر ڈالتا ہے۔ اس 'کارِ عظیم' کے صلے میں حسین کوہ طالقان کے دامن اور قلعہ التمونت کے پہلو میں آباد 'فردوس بریں' کی سیر کرتا ہے اور حوران فردوس کے درمیان زمرد سے بھی ملاقات کرتا ہے۔

کارپردازانِ فردوس بریں حشیش پلا کر نہایت ہوشیاری سے حسین کو جلد 'عالم عناصر' میں پہنچا دیتے ہیں۔ حسین کا جذبہ کہ وہ کسی بھی قیمت پر فردوس بریں میں زمرد سے جا ملے انتہائی شدید ہو جاتا

ہے۔ شیخ وجودی اس جذبہ سے فائدہ اٹھا کر اس بار حسین سے دمشق کے عالم امام نصر بن احمد کو قتل کرواتا ہے۔ حسین اس کے صلے میں فردوس بریں میں داخل ہونے کے لیے ضد کرتا ہے جس پر شیخ وجودی اسے خورشاہ کے نام ایک خط دیتا ہے۔ حسین خط لے کر خورشاہ کے دربار میں جاتا ہے جہاں سے اس کی حق گوئی کو گستاخی قرار دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ مایوس حسین پھر زمرد کی قبر کا مجاور بن جاتا ہے۔

یہاں کچھ دن بعد اسے زمرد کے دو خط ملتے ہیں۔ ایک اس کے نام اور دوسرا بلقان خاتون کے نام۔ اس کے نام کے خط میں مرقوم ہے کہ اسے فوراً 'شہر قراقر پہنچ کر دوسرا خط شہزادی بلغان خاتون کو مکمل تنہائی میں دینا چاہیے۔ بلقان خاتون ہلاکو خان کی بہن اور ترکستان کے شہنشاہ منقو خان کی بنت عم ہے۔ مزید یہ کہ بلقان کے باپ چغتائی خان کی ہلاکت ایک باطنی فدائی کے خنجر ہی سے کچھ دن پہلے ہو چکی ہے۔ حسین بلقان کے پاس خط لے کر جاتا ہے۔ خط پڑھ کر بلقان پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر حسین کی رہ نمائی میں جبالِ طالقان کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ بالآخر طالقان پہنچ کر موسیٰ اور زمرد کے قبر کے پاس پہنچتی ہے اور پھر فردوس بریں کے خفیہ دروازے پر جا پہنچتی ہے۔ یہ رمضان کی 27 ویں تاریخ تھی یعنی 'عید قائم قیامت' کا دن۔ دور ونزدیک کے تمام رہ نما، شیخ وجودی، کاظم جنوبی اور تمام حوران وغلمانِ بہشتی قریب ہی قلعہ التمونت میں موجود تھے۔ جہاں خورشاہ اپنا اور تحریک باطنی کا سالانہ جشن منا رہا تھا۔ جنت میں داخل ہونے کے بعد زمرد اپنی محسنہ بلقان کا خیر مقدم کرتی ہے اور جنت کے تمام بھیدوں کا پردہ بھی فاش کرتی ہے۔ ادھر چند گھنٹوں بعد ہلاکو خان بھی اپنا لشکر لے کر داخل جنت ہوتا ہے۔ زمرد بلقان اور ہلاکو خان کو ان کی سپاہ سمیت قلعہ، التمونت میں پہنچاتی ہے۔ خورشاہ کے جلسۂ عیش میں دفعتۂ کہرام مچ جاتا ہے۔ یہی نہیں ٹھیک اسی وقت ہلاکو خاں کا فرستادہ طوبی خاں ایک لشکر لے کر قلعے کے صدر دروازے پر یورش کرتا ہے اور کاظم جنوبی کیفر کردار کو پہنچتا ہے۔ شیخ وجودی کی موت واقعی عبرت خیز ہوتی ہے۔ خورشاہ کی بیکسی اس کی جان بخشی کراتی ہے اور اسے زندہ نمونۂ عبرت بنانے کے لیے ترکستان بھیج دیا جاتا ہے اور یوں اس 'فردوس بریں' اس 'ملاءِ اعلیٰ' کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا ہے۔ باطنیت کی شہ رگ کٹ جاتی ہے۔

قلعہ التمونت خالی ہونے سے پہلے شیخ نصیر الدین طوسی زمرد اور حسین کا نکاح پڑھاتے ہیں۔ بعد ازاں یہ دونوں حج کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ واپس آ کر کچھ دن آمل میں رہتے ہیں اور پھر باقی ماندہ زندگی قراقرم پہنچ کر بلغان کے پاس گزار دیتے ہیں۔

کرداروں کی پہچان

حسین، زمرد، شیخ علی وجودی، کاظم جنوبی اور بلغان خاتون کے کردار فردوس بریں کے اہم کردار ہیں۔

* فردوس بریں کا ہیرو حسین اور ہیروئن زمرد ہے۔
* ناول فردوس بریں کا سب سے بڑا کردار بلکہ شرر کا بھی سب سے بڑا کردار شیخ علی وجودی ہے جو متحرک فعال اور جاندار ہے۔
* حسین ہیرو ہے زمرد کا عاشق ہے اور شہر آمل کا رہنے والا ہے۔
* زمرد حسین کی معشوقہ ہے۔
* موسیٰ زمرد کا بھائی ہے۔
* یعقوب موسیٰ کا دوست ہے۔
* حسن بن صباح فرقہ باطنیہ کا بانی ہے وہ امام قائم قیامت کہلاتا تھا۔
* رکن الدین خورشاہ باطنیوں کا رہنما یا امام ہے۔
* شیخ علی وجودی یہ بھی باطنیوں کا رہنما ہے۔
* کاظم جنوبی جو کہ فقیر ہے شیخ علی وجودی کا لیفٹیننٹ ہے۔
* امام نجم الدین نیشاپوری حسین کا چچا ہے۔
* امام نصر بن احمد دمشق کا عالم ہے ان دونوں کا قتل حسین کرتا ہے۔
* بلقان خاتون جو کہ ہلاکو خان اور منقوں خان کی بہن ہے اور چغتائی خان کی بیٹی ہے۔
* ہلاکو خان، بلقان خاتون کا بھائی ہے
* منقوں خان، جو کہ بلقان خاتون کا بھائی ہے وہ ترکستان کا شہنشاہ ہے
* چغتائی خان جو کہ بلقان خاتون کا باپ ہے اور جس کا قتل دیدا دنے کیا تھا۔
* طوبیٰ خان منقوں خان کا بیٹا ہے۔
* مرجاں ایک حور ہے
* نصیر الدین طوسی جس نے حسین اور زمرد کا نکاح پڑھایا تھا



مرزا محمد ہادی رسوا

(1858ء)

- نام محمد ہادی اور تخلص رسوا تھا۔
- رسوا لکھنؤ کے ایک محلہ کوچۂ آفریں خان میں 1858 میں پیدا ہوئے۔
- رسوا کا انتقال حیدر آباد میں 1931 میں ہوا اور مری درھر باغ حیدر آباد کے مشہور قبرستان میں دفن کیے گئے۔
- رسوا کے والد کا نام مرزا محمد تقی تھا جو آصف الدولہ کی فوج میں ممتاز عہدے پر فائز تھے۔
- رسوا کے اجداد مازندان سے ہندوستان آئے تھے۔ پہلے دلی میں قیام رہا پھر مستقل قیام کے لیے نظر انتخاب لکھنؤ پر پڑی۔
- رسوا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محمد تقی، محمد یحیٰ، کمال الدین سے حاصل کی تھی۔
- رسوا سولہ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔
- رسوا نے پنجاب یونیورسٹی سے فلسفہ میں بی اے 1880 میں کیا تھا۔
- رسوا نے امریکہ کی اورینٹل یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔
- رسوا نے رڑکی سے overseer کا امتحان پاس کر کے سب سے پہلے ریلوے میں بحیثیت سرویئر ملازمت کی تھی۔
- دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں بہ حیثیت مترجم چار سو روپیہ پر رسوا کا تقرر 1917 میں ہوا تھا جہاں انھوں نے بارہ سال ترجمہ کے فرائض انجام دیئے تھے۔
- رسوا کو موسیقی کا شوق ہوا تھا تو تین سو کے قریب راگ راگنیوں کے لیے انگریزی Notations کی طرز پر علامات مقرر کیے تھے۔
- مرزا رسوا دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں اصطلاح ساز کمیٹی کے بھی ممبر رہے تھے۔
- رسوا نے حکومت آگرہ اور اودھ کی فرمائش پر ادو شارٹ ہینڈ کے بارے میں ایک مفید کتاب مرتب کی تھی جو 1919 میں شائع ہوئی تھی۔
- رسوا نے اردو ٹائپ رائٹر کے Key board کے سلسلے میں بھی بہت کام کیا تھا۔
- مرزا رسوا کا تعلق شاعری میں دبستان لکھنؤ سے تھا اور مرزا تخلص کرتے تھے۔

- رسوا ابتدا میں دبیر سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ دبیر ہی نے رسوا کو محمد جعفر اوج سے متعارف کروایا تھا۔
- مرزا ہادی رسوا کا شمار نفسیاتی نقادوں میں بھی ہوتا ہے۔

امراؤ جان ادا

(1899ء)

- 'امراؤ جان ادا' مرزا ہادی رسوا کا 1899 میں لکھا ہوا وہ لازوال نفسیاتی ناول ہے جسے اردو کا پہلا کامیاب اور مکمل ناول مانا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ناول تنقید کی نئی کسوٹیوں پر کھرا اترتا ہے۔
- بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ امراؤ جان ادا شاہد رعنا سے ماخوذ ہے۔
- علی عباس حسینی نے 'ناول کی تاریخ و تنقید' میں امراؤ جان ادا کا موضوع طوائف کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ ایک رنڈی کی کہانی اسی کی زبانی ہے۔"
- اختر انصاری اور خورشید الاسلام نے 'امراؤ جان ادا' کا موضوع لکھنؤ کا معاشرتی زوال قرار دیا ہے جیسا کہ 'تنقیدیں' میں خورشید الاسلام نے لکھا ہے کہ "امراؤ جان ادا کا موضوع زوال ہے یہ زوال ایک معاشرہ کا ہے جو اودھ کے چند شہروں میں محدود تھا۔"
- حالانکہ اس کا موضوع صرف طوائف ہے اور نہ صرف معاشرتی زوال بلکہ طوائف اور معاشرہ دونوں ہی اس کے موضوع ہو سکتے تھے۔
- سرشار کے فسانۂ آزاد اور امراؤ جان ادا کو لکھنو کی تہذبی زندگی کا سب سے کامیاب مرقع کہا جاسکتا ہے۔ (محمد حسن)
- ناول امراؤ جان ادا کی تکنیک بیانیہ ہے۔ اس میں کہانی بظاہر فلش بیک میں چلتی ہے۔
- ناول امراؤ جان ادا بیانیہ اس لیے ہے کہ اس میں امراؤ اپنے بڑھاپے میں ناول نگار کے سامنے آتی ہے اور حال احوال دریافت کیے جانے پر اپنی آپ بیتی سنانی شروع کرتی ہے اور بیچ بیچ میں مرزا رسوا خود ہیروئن کو کہیں کہیں ٹوکتے اور استفادہ کرتے چلے جاتے ہیں۔
- ناول امراؤ جان ادا کا پلاٹ 'دوہرا ہے' ایک کہانی امیرن کی ہے جسے طوائف خانم اپنے کوٹھے کے لیے خرید لیتی ہے اور دوسری کہانی رام دئی کی ہے جسے نواب زادے کی ماں مول لیتی ہے یعنی ایک کو کوٹھی ملتی ہے اور دوسرے کو کوٹھا حالانکہ دونوں کی ابتدائی زندگی ایک ساتھ شروع ہوتی ہے کیونکہ دونوں اغوا کر کے لائی ہوئی ہوتی ہیں۔

بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کے لحاظ سے کردار نگاری کو تیکنک ناول امراؤ جان ادا میں

- ناول امراؤ جان ادا میں کردار نگاری کو ٹیکنک کے لحاظ سے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔
- ناول امراؤ جان ادا میں اس دور کا لکھنؤ پوری طرح جی اٹھتا ہے اس زوال آمادہ معاشرے سے ہم پوری طرح واقف ہو جاتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر محمد حسن نے لکھا ہے کہ "سرشار کے فسانۂ آزاد کے بعد امراؤ جان ادا کو لکھنؤ کی تہذیبی زندگی کا سب سے کامیاب مرقع کہا جا سکتا ہے۔"
- مرزا رسوا خود لکھتے ہیں کہ ان کے ناول نہ کامیڈی ہوتے ہیں اور نہ ہی ٹریجڈی اور نہ وصل و ہجر کے قصے بلکہ ان کو موجودہ دور کی تاریخ سمجھنا چاہیے۔
- نورالحسن نقوی نے لکھا ہے کہ "امراؤ جان ادا کو معجزۂ فن کہا جائے تو بے جا نہیں"
- ناول امراؤ جان ادا میں جگہ جگہ واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔
- ناول امراؤ جان ادا کا آغاز ایک مشاعرے سے ہوتا ہے۔ جس میں ناول کی ہیروئن امراؤ جان ادا کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔
- ناول کا وہ شعر جس سے ناول کا آغاز ہوتا ہے۔

ہم کو بھی کیا کیا مزے کی داستانیں یاد تھیں
لیکن اب تمہید ذکر درد و ماتم ہو گئیں

- ناول کی ہیروئن امراؤ جان خود ایک شاعرہ ہے اور ادا تخلص کرتی ہے:

کس کو سنائیں حال دل زار اے ادا
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

- ناول امراؤ جان ادا کا اختتام اس شعر پر ہوا ہے:

مرنے کے دن قریب ہیں شاید کہ اے حیات
تجھ سے طبیعت اپنی بہت سیر ہو گئی

- امراؤ جان ادا کے کہانی میں کئی حصے ہیں۔
- پہلا حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

ابتدا آوارگی کی جوش وحشت کا سبب　　ہم تو سمجھے ہیں مگر ناصح کو سمجھائیں گے کیا

- دوسرا حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

دے پھڑکنے کی اجازت صیاد　　شب اول ہے گرفتاری کی

- تیسرا حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

ایک حال میں انساں کی بسر ہو نہیں سکتی　　اب رنگ طبیعت کا بدل جائے تو اچھا

○ چوتھا حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

ہم نہیں ان میں جو پڑھ لیتے ہیں توتے کی طرح　　مکتب عشق و وفا تجربہ آموز بھی تھا

○ پانچویں حصے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

ایک شاطر چور دل میرا چرا کر لے گیا　　پاسباں کم بخت سب سوتے کے سوتے رہ گئے

○ چھٹے حصے کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

کچھ ان کو امتحان وفا سے غرض نہ تھی　　اک زار و ناتواں کے ستانے سے کام تھا

○ ساتواں حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

اتفاقات زمانہ سے یہ کچھ دور نہیں　　یوں بھی ہوتا ہے کہ بچھڑے ہوئے مل جاتے ہیں

○ آٹھواں حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

دیکھے پہنچے کہاں تک شورش دل کا اثر　　صرصر وحشت کا یہ شعلہ ہے بھڑکا یا ہوا

○ نواں حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

سن چکے حال تباہی کا مری اور سنو　　اب تمہیں کچھ مری تقریر مزا دیتی ہے

○ دسویں حصے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

ہر چند بہت غور کیا ہم نے شب و روز　　دنیا کا طلسمات سمجھ میں نہیں آتا

○ گیارہوے حصے کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

کس طرح سے ہو تسکین شوق کیسا رشک　　ملیں گے آج ان سے رقیب سے مل کے

○ بارہواں حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

ہاں اے نگاہ شوق مناسب ہے احتیاط　　ایسا نہ ہو کہ بزم میں چرچا کرے کوئی

○ تیرہواں حصہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

نہ پوچھو نامہ کمال کی دل آویزی　　تمام عمر کا قصہ لکھا ہوا پایا

امراؤ جان ادا کا خلاصہ

بنگلہ یعنی فیض آباد میں ایک نہایت شریف اور ایمان دار جمعدار رہتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک نہایت شریر غنڈہ دلاور خان کے جرائم سے متعلق عدالت میں سچی گواہی دے دی جس کے نتیجے میں اس موالی کو 12 سال کی سزا سنائی گئی۔ غنڈہ دلاور خان نے رہا ہونے کے بعد اس ایماندار جمعدار سے بدلہ لینا چاہا اور ان کی آٹھ سالہ معصوم اور خوش شکل بیٹی امیرن کو اغوا کرلیا۔ دلاور

خان بدلے میں امیرن کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اپنے دوست پیر بخش کے مشورہ سے امیرن کو لکھنؤ لے جا کر ایک نائکہ خانم جان سے سوا سو روپے میں بیچ دیتا ہے۔ خانم نے امیرن جیسی بھولی بھالی لڑکی کو رقص وموسیقی کی تعلیم دے کر اور آداب محفل سکھا کر دلربائی اور فن عشوہ گری میں طاق کر دیا۔ اس طرح امیرن امراؤ جان ادا بن گئی۔ خانم جان کے کوٹھے پر بوا حسینی، بسم اللہ جان، خورشید جان، بیگم جان بھی رہتی تھیں۔ ادھیر عمر کی بوا حسینی اور خانم جان دونوں نائیکائیں ہیں۔ بسم اللہ جان خانم جان کی اکلوتی بیٹی ہے جسے اپنی ماں کی دولت پر گھمنڈ ہے اور اپنی ماں ہی کی طرح اسے بھی پیشہ عزیز ہے۔ غرض یہ کہ بسم اللہ جان پیدائشی طوائف ہے۔ ساتھ ہی تیز، شوخ، شریر، منچلی اور خودغرض بھی۔ بسم اللہ اپنے چاہنے والے مولوی صاحب کو محض اس جرم میں نیم کے پیڑ پر چڑھا دیتی ہے کہ انھوں نے اس کی چہیتی بندریا کو اپنی لاٹھی سے مارا تھا۔ خانم جان کے کوٹھے تک ایک نہایت شوخ چنچل اور اچھی آواز والے نوجوان گوہر مرزا کی رسائی بوا حسینی کے ذریعہ ہوگئی تھی۔ گوہر مرزا امراؤ جان کا تقریباً ہم عمر تھا۔ دونوں ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے۔ دونوں ساتھ ساتھ بڑے ہوئے۔ امراؤ اکثر مرزا کی شرارتوں کا نشانہ بنتی تھی۔ کبھی کبھی تنگ آ کر مولوی صاحب سے شکایت کر دیتی تھی۔ لیکن امراؤ کو گوہر مرزا سے پیار ہونے لگا تھا کیونکہ گوہر مرزا کی کسی شرارت پر مولوی صاحب اگر اسے سزا دیتے تو امراؤ جان کو اس پر ترس آ جاتا تھا اس طرح گوہر مرزا امراؤ جان ادا کا گل چیں اوّل بن جاتا ہے۔ اس کوٹھے پر آنے والے جتنے تھے سب بگڑے ہوئے اور زوال آمادہ معاشرے کے نواب اور رئیس زادے تھے۔ گوہر مرزا کے بعد امراؤ جان نواب سلطان مرزا کو چاہنے لگی تھی مگر وہ رام دئی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ بھی امراؤ جان کے نہ ہوئے۔ پھر امراؤ جان ادا ڈاکو فیض علی یعنی فیضو کے رابطے میں آتی ہے اور فیضو اس سے بے پناہ محبت کرنے لگتا ہے اور امراؤ جان کو کوٹھے سے لے اڑتا ہے۔ راستے میں فیضو اور اس کے ساتھیوں کو راجا دھیان سنگھ کے آدمی گھیر لیتے ہیں جس کی وجہ سے فیضو کو امراؤ کو چھوڑ کر بھاگنا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کے فرار ہونے کے بعد امراؤ جان کانپور پہنچ جاتی ہے۔ جہاں اس کی ملاقات رام دئی سے ہوتی ہے جو اب نواب سلطان کی بیگم بن چکی ہوتی ہے حالانکہ کسی زمانے میں وہ بھی اغوا کر کے امراؤ کی طرح لائی گئی تھی۔ امراؤ رام دئی کی حالاتِ زندگی سن کر رشک کرنے لگتی ہے۔ پھر خانم جان کے لوگ یعنی بوا حسینی اور گوہر مرزا کانپور پہنچ کر واپس امراؤ جان ادا کو لکھنؤ لے آتے ہیں۔

لکھنؤ میں جب غدر ہوا تو امراؤ جان شاہی دربار سے متعلق تھی۔ والیِ اودھ نواب برجیس قدر کی گیارہویں سالگرہ میں شریک تھی۔ انگریزوں نے جب انقلابیوں کو تتر بتر کر دیا تو امراؤ جان بھی لکھنؤ چھوڑ کر فیض آباد چلی گئی۔ فیض آباد میں بھی امراؤ نے بہت شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ یہاں تک کہ

ایک دن امراؤ خود اپنے گھر مجرے کے لیے بلائی گئی۔ امراؤ کی ماں نے دیکھ کر اسے پہچان لیا اور پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر خوب روئیں لیکن امراؤ کا بھائی غصہ میں آ کر تلوار نکال کر قتل کرنے کے درپے ہوا مگر اصل واقعہ جاننے کے بعد چھوڑ کر چلا گیا۔

امراؤ جان پھر لکھنؤ چلی آئی۔ اس بار یہاں (لکھنؤ) کا ایک نواب محمود علی امراؤ جان ادا کے اپنی بیوی ہونے کا دعوے دار ہو گیا۔ اکبر علی خان کی وجہ سے امراؤ جان ادا کو محمود علی سے نجات ملی اور پھر تین سال امراؤ اکبر علی خان کے گھر رہی۔

اکبر علی خان کے گھر سے نکل کر امراؤ نے اپنے طور پر کاروبار شروع کیا۔ ایک دن درگاہ میں امراؤ کی ملاقات رام دئی سے ہوئی اور یہ راز کھلا کہ رام دئی اسی نواب سلطان کی بیوی ہے جس سے امراؤ کسی زمانے میں بے حد محبت کرتی تھی۔ ایک دن امراؤ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ 'بخشی کے تالاب' پر سیر کرنے گئی وہاں اس نے دلاور خان کو کھرپی سے کچھ کھودتے ہوئے دیکھا۔ امراؤ نے پولیس کو دلاور خان کے کرتوتوں سے آگاہ کیا جس کی وجہ سے دلاور خان گرفتار کر لیا گیا اور کوئی دو مہینے بعد اسے پھانسی دے دی گئی۔ پھر امراؤ جان بارگاہِ خداوندی میں تائب ہو کر یادِ الٰہی میں باقی زندگی گزارنے لگی۔

کرداروں کی پہچان

* ناول 'امراؤ جان ادا' کی ہیروئن امراؤ جان ہے جو اس ناول کا سب سے زیادہ جاندار، متحرک اور فعال کردار ہے۔
* ناول 'امراؤ جان ادا' کے بعض کردار بڑے ہیں جو ناول میں دور تک پھیلے ہوئے ہیں جیسے امراؤ جان، خانم جان، بسم اللہ جان، خورشید جان، گوہر مرزا، مرزا سلطان وغیرہ اور بعض سے ہماری ملاقات ذرا سی دیر کو ہوتی ہے جیسے خان صاحب، مولوی صاحب، فیضو وغیرہ۔
* امراؤ جان جو کہ ناول کی ہیروئن ہے بنگلہ یعنی فیض آباد کے جمعدار کی بیٹی ہے۔
* جمعدار امیرن یعنی امراؤ جان کا باپ ہے۔
* دلاور خان جو امیرن یعنی امراؤ جان کو اغوا کرتا ہے۔
* پیر بخش جو کہ دلاور کا دوست ہے وہ پچاس روپے امراؤ کے بیچے ہوئے پیسے میں سے لیتا ہے۔
* خانم جان جو کہ نائکہ ہے وہ امراؤ کو خریدنے والی اور طوائف بنانے والی ہے۔
* بوا حسینی جو کہ ادھیڑ عمر کی نائکہ ہے اور امراؤ کے لیے ممتا کا جذبہ رکھتی ہے وہی امراؤ کی پرورش بھی کرتی ہے۔

* علی بخش بوا حسینی کا بھائی ہے۔
* بسم اللہ جان جو کہ خانم جان کی اکلوتی بیٹی ہے وہ مولوی صاحب کو نیم کے پیڑ پر چڑھادیتی ہے۔
* رام دئی جو کہ امراؤ کی طرح اغوا کر کے لائی جاتی ہے اور بعد میں سلطان مرزا کی بیوی بنتی ہے۔
* گوہر مرزا امراؤ کا گل چیں اوّل ہے۔
* نواب سلطان مرزا جسے امراؤ گوہر مرزا کے بعد چاہنے لگتی ہے اور جس کی شادی رام دئی سے ہو جاتی ہے۔
* مولوی صاحب جو کہ بسم اللہ جان کے عاشق اور ستر سال کے ہیں۔
* فیض علی فیضو ایک ڈاکو ہے جو امراؤ کو کوٹھے سے لے اڑتا ہے۔
* نواب شجاعت علی خان جس کے یہاں امراؤ جان پہلا مجرا ہوا تھا۔

دیگر کردار:

خورشید جان، بیگا جان، امیر جان، نواب محمود علی خان، اکبر علی خان، منشی احمد حسین، مظہر الحق، علی بخش، نواب چھبن، راشد علی، شمشیر خان، مرزا علی رضا بیگ، دلبر حسین، پیارے لال، نصبین (دیہاتی رنڈی)، کریم، نواب جعفر علی۔



پریم چند

- پریم چند کا اصل نام دھنپت رائے تھا جسے ان کے والد نے رکھا تھا لیکن چچا کا دیا ہوا ایک دوسرا نام نواب رائے بھی انھیں پسند تھا۔
- پریم چند پہلے قلمی نام کے طور پر نواب رائے ہی استعمال کرتے تھے لیکن افسانوی مجموعے سوز وطن کے ضبط ہونے کے بعد سے اپنے دوست زمانہ کے ایڈیٹر دیا نرائن نگم کے مشورہ پر پریم چند کے نام سے لکھنا شروع کر دیا۔
بڑے گھر کی بیٹی پریم چند کی پہلی کہانی ہے جو پریم چند کے نام سے پہلی بار رسالہ ''زمانہ'' دسمبر 1910 کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔
- پریم چند 31 جولائی 1880 کو بنارس کے لمہی نامی گاؤں کے سری واستو گھرانے میں پیدا ہوئے۔
- پریم چند کا انتقال 8 اکتوبر 1936 کو بنارس میں ہوا تھا۔
- پریم چند کے والد کا نام منشی عجائب لال تھا جو ڈاک خانہ میں کلرک تھے۔
- پریم چند کے والدہ کا نام آنند دیوی تھا اور دادا کا گر سہائے لال
- پریم چند کو دستور کے مطابق 5 سال کی عمر میں 1885 میں ایک مولوی صاحب کے یہاں اردو فارسی پڑھنے بٹھایا گیا تھا۔ یہ ان کا پہلا مکتب تھا۔
- پریم چند کی عمر آٹھ سال تھی کہ ان کی ماں آنندی دیوی کا انتقال 1888 میں ہو گیا تھا۔
- پریم چند کی عمر پندرہ سال تھی کہ 1896 میں ان کے والد نے موضع رام پور ضلع بستی کے ایک زمیندار گھرانے میں ان کی شادی کر دی تھی۔
- پریم چند نے میٹرک کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں 1898 میں پاس کیا تھا۔
- پریم چند نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ایک ناولٹ 'ایک ماموں کا رومان' لکھ کر 1901 میں کیا تھا۔
- پریم چند کا پہلا ناول 'اسرار معابد' بنارس کے ایک ہفتہ وار 'آواز خلق' میں 8 اکتوبر 1903 سے قسط وار شائع ہونا شروع ہوا تھا۔
- پریم چند کی دوسری شادی ضلع فتح پور موضع سلیم پور کی بیوہ شورانی دیوی (بال ودھوا) جس کی عمر تیرہ سال تھی سے 1905 میں ہوئی تھی۔
- پریم چند سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو کر مہوبہ ضلع ہمیر پور 24 جون 1909 کو گئے تھے۔

- پریم چند نے انگریزی، تاریخ اور فارسی کے مضامین میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن سے 39 سال کی عمر میں 1919 میں پاس کیا تھا۔
- پریم چند نے ملازمت سے استعفیٰ 1921 میں دیا تھا۔
- پریم چند کو شو پرشاد گپت جی نے 150 روپے کے مشاہر پر ہندی ماہنامہ 'مریادا' کا ایڈیٹر 1922 میں مقرر کیا تھا۔
- پریم چند نے فراق اور دو حصہ داروں کی شرکت سے بنارس میں 'سرسوتی پریس' 1923 میں قائم کیا تھا۔
- پریم چند نول کشور پریس لکھنؤ ہندی ماہنامہ 'مادھوری' کے مدیر 1929 میں مقرر ہوئے تھے۔
- پریم چند نے سرسوتی پریس سے رسالہ 'ہنس' ہندی میں 1930 میں جاری کیا تھا۔
- پریم چند کی دوسری بیوی شورانی دیوی کو نمک قانون توڑنے کے جرم میں 11 نومبر 1931 میں گرفتار کیا گیا تھا۔
- پریم چند نے ہفتہ وار اخبار 'جاگرن' بنارس سے 1931 میں جاری کیا تھا۔
- پریم چند اجنتا ٹون فلم کمپنی کے ڈائرکٹر ایم۔ بھوانی کی دعوت پر بمبئی جون 1934 میں گئے تھے اور فلموں کے لیے اپنی پہلی کہانی 'میں مزدور' لکھی تھی۔
- پریم چند ڈائرکٹروں کے رویے سے بددل ہو کر بنارس واپس 1935 میں آگئے تھے۔
- پریم چند نے انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کی صدارت لکھنؤ میں 1936 میں کی تھی۔
- پریم چند نے شدھی کی تحریک کے خلاف 'زمانہ' میں ایک مضمون 1923 میں لکھا تھا۔
- پریم چند کے نام سے ان کی پہلی کہانی 'بڑے گھر کی بیٹی' دسمبر 1910 میں شائع ہوئی تھی۔
- پریم چند کی کہانیوں میں جہد آزادی کی تاریخ ملتی ہے۔
- پریم چند سے پہلے افسانے کو مضمون کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

پریم چند کے اقوال

- ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا۔
- اردو نویسی میں کسی بھی ہندو کو فیض ہوا ہے جو مجھے ہو جائے گا۔
- مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ میں اور چیزوں کی طرح فن کو بھی افادیت کی کسوٹی پر پرکھتا ہوں۔ بے شک فن کا مقصد حسن کی تخلیق ہے اور وہ ہماری روحانی مسرت نہیں ہے، جس کی ہم خواہش کرتے ہوں جو اپنی افادیت کا پہلو نہ رکھتی ہو۔

- ادب اس تخلیق کو کہیں گے جس میں کسی سچائی کا اظہار ہو جس کی زبان میں پختگی، کیفیت، ادا اور حسن ہو اور جس میں دل و دماغ کو متاثر کرنے کی صلاحیت ہو اور ادب میں یہ صلاحیت پوری طرح اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب اس میں زندگی کی حقیقتیں اور تجربات سموئے گئے ہوں۔
- فاقہ اور عریانی میں حسن موجود ہوسکتا ہے اسے شاید وہ تسلیم نہیں کرتا۔ اس نے طے کرلیا ہے کہ رنگین ہونٹوں اور رخساروں اور ابروؤں میں فی الواقعی حسن موجود ہے، الجھے ہوئے بالوں، پپڑیاں پڑے ہونٹوں اور رخساروں میں حسن کا گزر کہاں، لیکن یہ اس کی تنگ نظری کا قصور ہے۔
- ادب کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں لیکن میرے خیال میں اس کی بہترین تعریف تنقید حیات ہے۔
- ہمارے کسوٹی پر اب وہ کھرا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقی روشنی ہو۔
- ترقی پسند مصنفین کا عنوان میرے خیال میں ناقص ہے۔

پریم چند کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- تمھاری کہانیوں میں سڈیشن (بغاوتی انداز) بھرا ہوا ہے، اگر تم مغلوں کے عہد میں ہوتے تو اس جرم کی پاداش میں تمھارے ہاتھ قلم کرادیے جاتے۔ (ہمیر پور کا انگریز کلکٹر)
- پریم چند نے محنت کش کو افسانے کا ہیرو بنایا۔ (احتشام حسین)
- شرافت پریم چند کے قلم کی جان اور روح انسانیت کی بیداری ان کے افسانوں کا عنوان ہے۔
(عبدالماجد دریابادی)
- اگر کوئی پریم چند کے ہندوستان کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو گئو دان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔
(سلام سندیلوی)
- رشید احمد صدیقی نے پریم چند کو چلتا پھرتا گاؤں کہا ہے۔

گئودان

(1936ء)

- گئودان پریم چند کا آخری مکمل ناول ہے جسے انھوں نے میدان عمل کے بعد 1932 میں لکھنا شروع کیا تھا اور 1935 میں مکمل کیا تھا۔
- پریم چند گئودان لکھنے کے زمانے میں بمبئ میں مقیم تھے۔

- پریم چند نے ناول گئودان کو اپنے سرسوتی پریس بنارس سے ہندی میں 1936 میں شائع کیا تھا۔ اس طرح ناول گئودان پہلے پہل ہندی میں شائع ہوا تھا۔
- ناول گئودان اردو میں پریم چند کے وفات کی تقریباً ایک سال بعد 1937 میں مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہوا تھا۔
- پریم چند نے ناول گئودان کو مکمل کرنے کے لیے جتنا وقت لیا تھا اس سے پہلے کسی اور ناول کو لکھنے میں نہیں لیا تھا۔
- گئودان میں پریم چند نے اس وقت کے سماج اور کسانوں، مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔
- اردو ہندی کے بیشتر ناقدین نے 'گئودان' کو نہ صرف پریم چند کا بلکہ اردو اور ہندی کا بہترین ناول قرار دیا ہے۔
- ڈاکٹر رام بلاس شرما کا خیال ہے کہ اس ناول (گئودان) میں کسانوں کی دکھ بھری زندگی کے لیے پریم چند کی ہمدردی جتنی بڑھ گئی ہے، انھیں لوٹنے والے طبقوں کے خلاف ان کا طنز بھی اتنا ہی گہرا اور تیکھا ہو گیا ہے۔
- ڈاکٹر سلام سندیلوی کے مطابق گئودان پریم چند کا آخری ناول ہی نہیں ان کے افق کی بھی آخری منزل ہے۔
- ڈاکٹر سلام سندیلوی کے مطابق ''اگر کوئی پریم چند کے ہندوستان کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو گئودان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔
- ناول 'گئودان' کا پلاٹ 596 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور دیہات و شہر دونوں کی زندگی کے شور و شر کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔
- پریم چند نے ناول 'گئودان' کو 36 ابواب میں تقسیم کیا ہے۔
- ابتدائی آٹھ ابواب میں وہ ہمیں ناول کے ایسے تمام اہم کرداروں سے متعارف کرا دیتے ہیں جو اپنے طبقہ یا گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں جیسے ہوری اور دھنیا کسانوں کے، داتا دین، جھنگری سنگھ اور منگرو شاہ مذہبی پیشواؤں اور ساہوکاروں کے، رائے اگر پال سنگھ زمین داروں کے، کھنا سرمایہ داروں کے، مہتا مرزا خورشید اور اونکار ناتھ متوسط طبقہ کے دانشوروں اور قومی رہ نماؤں کے نمائندگی کرتے ہیں۔

گئودان کا خلاصہ

ناول گئودان کا محور اور مرکزی کردار بیلاری گاؤں کا کسان ہوری ہے۔اس کی زندگی کی روداد ہی اس ناول کی کہانی ہے۔

ہوری رائے اگر پال سنگھ کے گاؤں کا ایک ادنیٰ کاشتکار ہے۔اس کا کنبہ اس کی بیوی دھنیا، لڑکے گوبر اور دو لڑکیوں روپا اور سونا پر مشتمل ہے۔تین چار بیگھا زمین کی پیداوار پر اس کنبہ کا گزر ہو رہا ہے۔ سال میں ایسے دن کم ہوتے ہیں جب وہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھاتے ہوں۔ہوری قرض کے بھاری بوجھ سے کچلا جا رہا ہے۔وہ ایک سیدھا سادہ نیک اور ایمان دار انسان ہے۔لیکن اپنی غرض اور ضرورت کے لیے خوش آمد اور مکر و فریب سے بھی دریغ نہیں کرتا۔اپنے دروازے پر ایک گائے بندھی ہوئی دیکھنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔وہ بھولا اہیر کو دوسری شادی کروا دینے کی لالچ دے کر اس سے ایک گائے حاصل کر لیتا ہے۔لیکن اس کا بھائی ہیرا اس کی اس خوش بختی پر جل اٹھتا ہے اور موقع پا کر وہ گائے کو زہر دے دیتا ہے۔ہوری کی آرزو اور خوشی عارضی ثابت ہوتی ہے۔

اسی زمانے میں بھولا کی بیوہ لڑکی جھنیا سے گوبر کا تعلق ہو جاتا ہے اور وہ اسے اپنے گھر لے آتا ہے۔لیکن ہوری کے خوف سے شہر بھاگ جاتا ہے۔اب ہوری اپنے کبھی نہ ختم ہونے والے مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا رہ جاتا ہے۔جھنیا کو گھر میں رکھنے کے جرم میں برادری اور مذہب کے ٹھیکیدار اس سے تاوان لیتے ہیں۔فصل کی ساری پیداوار ان کی نذر ہو جاتی ہے۔ادھر بھولا اپنی بے عزتی کا انتقام لیتا ہے اور گائے کے بدلے میں ہوری کے بیل کھول لے جاتا ہے۔ہوری پیسہ پیسہ کو محتاج ہو جاتا ہے۔اس کے بچوں کو ایک وقت کی روٹی ملنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔گوبر کچھ پونجی جمع کر کے جب شہر سے گاؤں واپس آتا ہے تو دھنیا اور ہوری کی افسردہ اور اجڑی ہوئی زندگی میں جیسے بہار آ جاتی ہے۔ لیکن گوبر اب ایک سیدھا سادہ کسان نہیں۔زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کا شعور رکھنے والا ایک ہوشیار مزدور ہے۔وہ دیکھ رہا ہے کہ گاؤں کے کسانوں کی بدحالی اور غریبی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے زمیندار سرکاری عمال، ساہوکار، اور مذہبی ٹھیکا دار انھیں بے رحمی سے لوٹ رہے ہیں۔وہ ہوری کی معصومیت اور قدامت پسندی پر جھنجھلاتا اور اسے تنبیہ کرتا ہے کہ لٹیروں کی اس بستی میں آنکھیں کھول کر چلو لیکن وہ اپنی وضع قدیم کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔گوبر اپنی بیوی جھنیا اور بچہ کو لے کر شہر چلا جاتا ہے۔

سونا اور روپا جوان ہو گئی ہیں لیکن ہوری کے پاس اتنی پونجی کہاں کہ ان کا بیاہ کرے۔گنے کی فصل پر آس لگائے بیٹھا تھا۔زمین دار نے بقایا لگان کی ڈگری کرا کے اسے بھی نیلام کرا لیا۔آخر قرض ادھار لے کر اس نے کسی طرح سونا کا بیاہ کر دیا۔اب وہ سر سے پیر تک قرض کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

مسلسل شکستوں نے اس کے حوصلوں کو پست کر دیا ہے۔ کھیتی کرنے کے لیے بیل نہیں۔ اس لیے مزدوری کر کے پیٹ پالنے لگا۔ ساہوکار اس کی تین بیگھا زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنے پرکھوں کی اس نشانی کو کسی قیمت پر جدا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بقول پریم چند "ہارے ہوئے راجا کی طرح اس نے اپنے آپ کو اس تین بیگھا کھیت کے قلعہ میں بند کر دیا تھا۔ فاقے کیے، بدنام ہوا لیکن قلعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا" اور اب اسے بچانے کے لیے اس نے اپنی بیٹی روپا کو بوڑھے رام سیوک کے ہاتھ دو سو روپیوں میں بیچ دیا۔ باپ دادا کی نشانی تو بچ گئی لیکن ابھی اس کا گائے پالنے کا ارمان پورا نہ ہوا تھا۔ اس کے لیے وہ دن رات مزدوری کرنے لگا۔ لیکن ایک تپتی دوپہر کی لو کے آتشیں جھونکوں نے اس کے ناتواں جسم کو پھونک دیا اور گھر آتے آتے وہ گائے پالنے کا ارمان دل میں لیے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ صرف موت ہی اسے زندگی بھر کے دکھوں، محرومیوں اور شکستوں سے نجات دے سکی۔

ہوری کی آخری رسومات ادا کرنے کے لیے پنڈت گائے کا دان یعنی 'گئو دان' کرنے کے لیے کہتا ہے۔ جو شخص زندگی بھر اپنے دروازے پر گائے بندھی ہوئی دیکھنے کا خواہش مند تھا اور یہ ارمان دل میں لیے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ اس کی گھر والی سے کہا جاتا ہے کہ وہ گئو دان کرے۔

پنڈت جب گئو دان کے لیے کہتا ہے تو ناول پریم چند کے الفاظ میں اس طرح ختم ہوتا ہے:

"دھنیا مشین کی طرح اٹھی آج جو سُتلی بیچی تھی، اس کے بیس آنے پیسے لائی اور ہوری کے ٹھنڈے ہاتھ میں رکھ کر سامنے کھڑے ہوئے داتا دین سے بولی "مہراج گھر میں نہ گائے ہے نہ بچھیا، نہ پیسا، یہی پیسے ہیں، یہی ان کا گئو دان ہے، اور غش کھا کر گر پڑی۔"

پریم چند نے ناول کا اختتام جس حقیقت نگاری پر کیا ہے اس کے تعلق سے سردار جعفری ترقی پسند ادب ص 135 پر لکھتے ہیں:

"اس میں کسی کی قلب ماہیت نہیں ہوتی، کوئی دنیا کو تیاگ کر تیرتھ کرنے نہیں جاتا، کوئی زمین دار اپنی زمین کسانوں میں نہیں بانٹتا۔ پریم چند نے بڑی سچی اور بے رحم حقیقت نگاری سے کام لیا ہے اور ناول کو ہوری کی موت پر اس طرح ختم کیا ہے کہ ایک سناٹا چھا جاتا ہے۔"

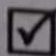
کرداروں کی پہچان

* ہوری، دھنیا اور گوبر ناول گئودان کے مرکزی کردار ہیں۔

* ہوری اس ناول کا ہیرو ہے، جسے بڑے بڑے کاشتکار ادب سے 'مہتو' کہتے اور جس کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے دروازے پر گائے بندھی ہو۔
* دھنیا ہوری کی بیوی ہے۔
* گوبر ہوری کا بیٹا ہے وہ بھولا اہیر کی بیوہ لڑکی جھنیا کو اپنے گھر لے آتا ہے۔
* سونا ہوری کی بڑی لڑکی ہے۔
* روپا ہوری کی چھوٹی لڑکی ہے اور جسے ہوری دو سو میں بوڑھے رام سیوک سے بیچ دیتا ہے۔
* بھولا اہیر ہے جس سے ہوری گائے لیتا ہے۔
* جھنیا بھولا اہیر کی بیٹی ہے اور گوبر کی بیوی
* چنوں گوبر کا لڑکا ہے۔
* رام سیوک جس سے ہوری اپنی بیٹی روپا کو بیچتا ہے۔
* سوبھا ہوری کا بھائی ہے۔
* ہیرا ہوری کا بھائی اور جو ہوری کے گائے کو زہر دے دیتا ہے۔
* پنیا ہیرا کی بیوی ہے۔
* رائے اگر پال جو کہ گاؤں کا زمیندار ہے سمری گاؤں کا رہنے والا ہے۔
* رودر پال رائے اگر پال کا لڑکا ہے جو مالتی کی بہن سروج کو چاہتا ہے۔
* داتا دین پنڈت ہے۔
* ماتا دین داتا دین کا لڑکا ہے جس کا ناجائز تعلق چمارن 'سلیا' سے ہے۔
* مسٹر مہتا فلسفہ کے پروفیسر ہیں۔
* مس مالتی، لیڈی ڈاکٹر ہے۔
* مسٹر کھنہ بینک منیجر ہے۔
* مسٹر اونکار ناتھ بجلی اخبار کا ایڈیٹر ہے۔
* شیام بہاری وکیل ہے۔

دیگر کردار:

مرزا خورشید، گوبندی، جھنگری سنگھ، منگرو شاہ، انوکھے رام، لالہ پٹیشوری، دولاری سیٹھانی، بھوانی الہ دین (یکہ والا) کامتا



عصمت چغتائی

- نام عصمت چغتائی خانم تھا اور عرف چنی بیگم۔
- عصمت بدایوں میں 21 اگست 1915 میں پیدا ہوئیں۔
- عصمت کا انتقال بمبئی میں 24 اکتوبر 1991 کو ہوا۔
- عصمت کے والد کا نام مرزا قسیم بیگ تھا اور والدہ کا نام نصرت خانم
- عصمت کے والدین کی بارہ اولاد ہوئی تھیں جن میں دو کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ عصمت دسویں اولاد تھیں۔
- عصمت کے نانا مرزا امراؤ علی مشہور ناول نگار تھے۔
- عصمت کے بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی مشہور طنز و مزاح نگار تھے۔ شریر بیوی، کولتار، خانم اور قرآن اور پردہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔
- عصمت چغتائی نے دوزخی کے عنوان سے جو خاکہ لکھا ہے وہ اسی بھائی یعنی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ ہے۔
- عصمت چغتائی نے ابتدائی تعلیم آگرہ میں حاصل کی تھیں اور بچپن جودھ پور میں گزرا تھا۔
- عصمت چغتائی نے ہائی اسکول اور ایف اے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عبداللہ گرلز کالج سے پاس کیا تھا۔
- عصمت نے بی اے لکھنؤ سے اور بی ٹی علی گڑھ سے پاس کیا تھا۔
- عصمت اسلامیہ گرلس اسکول بریلی میں ہیڈ مسٹریس 1937 میں ہوئی تھیں۔
- عصمت انسپکٹر آف اسکولس کی حیثیت سے بمبئی 1941 میں گئی تھیں۔
- عصمت کی شادی 2 مئی 1942 کو شاہد لطیف سے ہوئی تھی جس سے دو بیٹیاں سیما اور منی پیدا ہوئی تھیں۔
- عصمت چغتائی کو روسی ناول اور افسانے سے گہری دلچسپی رہی ہے۔
- عصمت چغتائی کا محبوب افسانہ نگار چیخوف تھا۔
- عصمت چغتائی ہندوستانی ادیبوں میں پریم چند، رشید جہاں اقبال اور ٹیگور سے بے حد متاثر تھیں۔
- عصمت نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا ڈراما نگاری سے کی تھی اور ان کی پہلی تحریر ان کا ڈراما 'فسادی' تھا جو 1938 میں ساقی میں شائع ہوا تھا۔
- عصمت جارج برنارڈ شاہ کے ڈراموں سے متاثر تھیں۔

- عصمت کا پہلا مطبوعہ افسانہ 'کافر 1938' اور پہلا مطبوعہ ناول ضدی 1941 ہے۔
- عصمت کا پہلا افسانوی مجموعہ کلیاں 1941 ہے۔
- عصمت کی پہلی فلم 'چھیڑ چھاڑ' ہے جس کے پروڈیوسر کے آصف تھے۔
- عصمت نے فلم 'جنوں' میں ایک خاص رول ادا کیا تھا۔ جنون کی کہانی 1857 کے عوامی انقلاب سے تعلق رکھتی تھیں۔
- عصمت کو فلم گرم ہوا کی کہانی لکھنے پر بہترین کہانی کار کا ایوارڈ ملا تھا۔
- عصمت چغتائی کا پہلا مضمون 'بچپن' ہے۔
- عصمت پر افسانہ لحاف کے لیے فحاشی کا الزام 1942 میں لگایا گیا تھا اور مقدمہ چلا تھا۔
- عصمت نے جنسی موضوعات سے ہٹ کر واقعات کربلا پر ایک ناول 'ایک قطرہ خون' لکھا تھا۔
- عصمت نے وصیت کی تھی کہ انتقال کے بعد ان کو دفن کرنے کے بجائے نذر آتش کر دیا جائے۔
- عصمت کے فکشن کا موضوع متوسط مسلمان گھرانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگی ہے۔
- عصمت نے مجاز، منٹو، پطرس، خواجہ احمد عباس اور جاں نثار اختر پر خاکے لکھے ہیں۔

اعزازات وخطابات

- عصمت کو غالب ایوارڈ 1975 میں ملا تھا۔
- عصمت کو سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ 1975 میں ملا تھا۔
- عصمت کو پدم شری سے 1975 میں نوازا گیا تھا۔
- عصمت کو مخدوم لٹریری ایوارڈ 1981 میں ملا تھا۔
- عصمت کو اقبال سمان سے 1990 میں نوازا گیا تھا۔

عصمت کے اقوال

- میں نے زندگی میں جو کچھ جمی ہوئی، پرانی، پٹی ہوئی لکیریں تھیں، ان کو مٹا کے، ان سے بغاوت کر کے لکھا ہے۔
- محبت کا جنس سے جو تعلق ہے وہ فطری ہے۔ وہ زمانہ گیا جب پاک ہوا کرتی تھی، اب تو محبت کا ناپاک ہونا ہی زیادہ خوبصورت مانا جاتا ہے۔
- سیکس اور اس کی گھٹن ہی اتنا اہم موضوع نہیں ہے۔ بہت سے اور موضوع ہیں۔ پھر بھی میں نے ان موضوعات کو چھونے کی کوشش کی۔

وہ عورتیں جو روٹی کپڑے کے لیے اپنے شوہر کی حرام کاریاں اور ذلتیں برداشت کرتی ہیں، بیشوا
- ہی جیسی ہوتی ہیں کہ وہ پیٹ کی خاطر سودا کرتی ہیں۔
- اگر جسم پر کوڑھ نہ ہو تو اس کی نمائش میں کوئی حرج نہیں۔
- لکھنے کے لیے میں نے دنیا کی عظیم ترین کتاب یعنی زندگی کو پڑھا ہے اور اسے بے انتہا دلچسپ، موثر پایا ہے۔"
- جب زخم میں مواد بھر جائے تو اس پر پٹیاں باندھنے سے بہتر ہے کہ نشتر لو اور جراحی شروع کردو۔
- میرے خیال میں یہ جو لڑکیاں بنتی سنورتی اور ہار سنگھار کرتی ہیں اپنے عیبوں کو چھپاتی ہیں۔

عصمت سے متعلق مختلف آرا و خیالات

- ایسی بے تکان زبان مشکل ہی سے کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔ وہ الفاظ اور فقروں کے طرارے بھرتی ہیں۔ (مجنوں گورکھ پوری)
- وہ ٹھیٹھ اردو کے بہت سے ایسے الفاظ کام میں لے آئی ہیں جو آج تک پردے سے باہر نہ نکلے تھے اور جن کو اب انھوں نے نئے مطالب کے اظہار کے قابل بنا دیا ہے۔ (پطرس بخاری)
- عصمت پرلے درجے کی ہٹ دھرم ہے۔ طبیعت میں ضد ہے، بالکل بچوں کی سی زندگی کے کسی نظریے کو فطرت کے کسی قانون کو پہلے ہی سابقہ میں کبھی قبول نہیں کرے گی۔ (سعادت حسن منٹو)
- عصمت کی نثر اپنے اندر بے ساختگی اور تیکھے پن کے علاوہ ایک تخلیقی جوہر رکھتی ہے۔ (خلیل الرحمٰن اعظمی)
- عصمت انشا پرداز نہیں لیکن صاحب طرز ہیں۔ ان کا ناول اور افسانے کے لیے موزوں ترین طرز ہے اور اس میں ایسی دلکشی اور کشش ہے جس کا مقابلہ کوئی اور افسانہ نگار نہیں کر سکتا۔ (خلیل الرحمٰن اعظمی)
- عصمت کی تحریر کے بارے میں فیض احمد فیض کا خیال ہے کہ "ان میں ایک جنسیاتی کشش ہے جسے انگریزی میں Sex apeal کہتے ہیں۔"
- جنس عصمت کے اعصاب پر ایک مرض کی طرح سوار ہے۔ (منٹو)
- پردے کے اس پار کی تفصیلات بیان کرنے میں عصمت کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ (منٹو)
- عصمت کو سماج سے نہیں شخصیتوں سے شغف ہے، شخصیتوں سے نہیں اشخاص سے ہے۔ عصمت کے پاس جسم کے احتساب کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے سانس (منٹو)
- انھیں لکھنا آتا ہے، لچکیلی دھار دار زبان آتی ہے، نشتر چبھونا آتا ہے اور یہ سارے ہنر وہ اپنے

مشاہدے اور مطالعے کی محدود دنیا میں خوب دکھا چکی ہیں۔ (ظ انصاری)

- عصمت کو سماج سے نہیں بلکہ اشخاص سے شغف ہے۔ (پطرس بخاری)
- عصمت کے ہاتھوں اردو انشا کو ایک نئی جوانی نصیب ہوئی۔ (پطرس)

ٹیڑھی لکیر

(1945ء)

- ٹیڑھی لکیر عصمت چغتائی کا نفسیاتی اور سوانحی ناول ہے جسے انھوں نے 1944 میں لکھا اور جو نیا ادارہ لاہور سے 1945 میں شائع ہوا۔
- عصمت نے اس بے حد ضخیم ناول کو تین منزلوں میں تقسیم کیا ہے۔
- مرکزی کردار شمن کی زندگی سے وابستہ یہ تینوں منزلیں اکتالیس ابواب میں منقسم ہیں۔
- پہلی منزل جو شمن کے بچپن سے سن بلوغ کا احاطہ کرتی ہے وہ ایک طرح سے پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔
- دوسری منزل چودہ ابواب پر اور تیسری منزل بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔
- ناول ٹیڑھی لکیر کا انتساب عصمت نے ان الفاظ میں کیا ہے ''ان یتیم بچوں کے نام جن کے والدین بقید حیات ہیں۔''
- خاص کر عورت ذات کے نفس کی گہرائیوں کا جو ہماری نظر سے اب تک اوجھل رہی تھیں انھوں نے اس طرح انکشاف کیا ہے کہ بے تحاشا آفریں کہنے کو طبیعت چاہتی ہے۔ (کرشن پرشاد کوی)
- تفصیلات کی تو عصمت کے یہاں بھر مار ہے اور اس لیے ناول میں خس و خاشاک کی بھی کمی نہیں ہے۔ (سہیل بخاری)
- ٹیڑھی لکیر باوجود خامیوں کے ایک شاہکار ہے جس میں ہمارے اوسط طبقے کی گھریلو زندگی کے طنزیہ نقشے کمال کے ہیں اور جس میں جنسی نفسیات کی عکاسی بڑی کامیابی سے ہوتی ہے۔ (احسن فاروقی)
- ناول صحیح معنوں میں نفسیاتی ناول ہے اور زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور جزئیات کے ذریعے جس طرح عصمت نے ان نفسیاتی گرہوں کو کھولا ہے وہ معجزے کی حیثیت رکھتا ہے۔ (خلیل الرحمٰن اعظمی)

ٹیڑھی لکیر کا خلاصہ

ٹیڑھی لکیر کا مرکزی کردار 'شمن' نام کی لڑکی ہے جو اپنے والدین کی دسویں بیٹی تھی اور جس کے کوئی درجن بھر بھائی بہن تھے۔ کثرت اولاد کے باعث والدین کا پیار نہیں ملا، ماں کا صرف ایک کام تھا وہ بچے جنے اور باپ کا کام تھا ماں کی نازبرداری کرنا۔ گھر میں شمن کی حیثیت تنخواہ دار چھوکری کی تھی۔ جب

سب لوگ کہیں شادی کی تقریب میں جانے کی تیاریوں میں لگے ہوتے تو شمن کو حکم دیا جاتا کہ وہ چھوٹے بھائی بہنوں کو نہلا دھلا کر تیار کرے۔

گھر میں اسے محبت نہیں ملی تو وہ شریر ہو گئی اور ہر قسم کی تخریبی کارروائیوں میں اس کی دل چسپیاں بڑھتی گئیں۔ گھر میں لے دے کے ایک منجھو آپا تھیں جو شمن کو کسی قدر مانتی تھیں لیکن وہ بھی کم عمری میں بیاہ دی گئیں۔ اسی درمیان بڑی آپا بیوہ ہو کر اپنی بیٹی نوری کے ساتھ میکے چلی آئی تھیں۔

شمن سے سارا گھر عاجز تھا، اس کی شرارتیں روز بڑھ رہی تھیں۔ وہ بڑی آپا سے ڈرتی بھی ہے اور ان سے نفرت بھی کرتی ہے۔ کیونکہ بڑی آپا اس کی شرارت پر اسے بری طرح پیٹ دیتی ہیں۔ اور وہ اپنی نوری کو اس پر فوقیت دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ شمن کی صحبت میں نوری بھی خراب ہو جائے گی۔

شمن اور نوری کا اسکول میں داخلہ کرادیا جاتا ہے۔ شمن سالانہ امتحان میں فیل ہو جاتی ہے۔ اسکول میں شمن کو ایک استانی 'مس چرن' سے واسطہ پڑتا ہے جو ہم جنسی کے مرض میں مبتلا رہتی ہے۔ اس کے بعد رسول فاطمہ اور نجمہ سے شمن کی قرابت بڑھتی ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں بھی اسی مرض میں مبتلا ہوتی ہیں۔ ان کی صحبت میں رہ کر شمن بھی اس مرض کا شکار ہو جاتی ہے۔

شمن کالج آئی تو بلقیس کی بڑی بہن جو انگلینڈ سے آئی تھی، کالج کی پرنسپل بن کر آ گئی۔ بلقیس اپنی بہن جلیس اور ایک لمبے چوڑے خاندان کے ساتھ کالج کے احاطے میں رہتی تھی۔ شمن بلقیس کے گھر آتی جاتی رہتی ہے اسی درمیان اسے بلقیس کے بھائی رشید سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس محبت کو پروان چڑھانے میں بلقیس اس کی بڑی مدد کرتی ہے لیکن رشید اچانک انگلینڈ چلا جاتا ہے اور محبت کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

گرمی کی چھٹیوں کے بعد شمن امریکن مشنری کالج میں چلی جاتی ہے۔ جہاں اس کی دوستی پریما نام کی ایک ہندو لڑکی سے ہو جاتی ہے۔ شمن اس کے گھر جاتی ہے۔ وہاں اس کے باپ رائے صاحب رقص سکھا رہے تھے۔ ضعیف العمر ہونے کے باوجود بھی مردانگی کا بھرپور نمونہ تھے۔ شمن ان سے محبت کرنے لگتی ہے اور پھر اس محبت کا اظہار بھی گرم جوشی سے کر دیتی ہے۔ اس اعلان عشق سے وہ اس قدر پریشان ہوتے ہیں کہ ان کے قلب کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد اعجاز اور پھر افتخار کے ساتھ تعلقات قائم کرتی ہے۔ پھر اس کی ملاقات ایک آئرش نوجوان رونی ٹیلر سے ہوتی ہے۔ ٹیلر برطانوی ہوتے ہوئے بھی مہذب تھا۔ ٹیلر اس سے شادی کی درخواست کرتا ہے۔ ایلما بھی اسے یہی مشورہ دیتی ہے چنانچہ وہ ٹیلر سے سول میرج کر لیتی ہے۔ سویرے اسے ٹیلر بستر پر نہیں ملتا تو اس کے دل میں بہت سے وسوسے پیدا ہوتے۔ اگر فی الواقع ٹیلر چلا گیا ہوگا تو مالک مکان تو اسے رنڈی تصور کرے گا لیکن ٹیلر مل جاتا ہے۔

پونا میں ٹیلر کے اکثر انگریز دوستوں نے یہ سمجھا کہ شمن کوئی آوارہ عورت ہے۔ ٹیلر کی ماں کو شادی

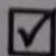
کی خبر ملی تو اس نے ٹیلر سے اس کی تفصیل مانگی۔ تفصیل معلوم ہونے پر وہ اسے بروچ اور لاکٹ بھیجتی ہے جو اصل ہیرے کا تھا۔

شمن کو ڈانس وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اکثر اس کے ساتھ پارٹیوں میں نہیں جاتی۔ نتیجۃً دونوں میں جھگڑا ہوتا رہا، دونوں الگ الگ کمروں میں سوئے، کچھ روز بعد آخر کار ایک دن صبح اٹھنے پر اسے معلوم ہوا کہ ٹیلر دلی چلا گیا ہے۔ پھر ٹیلر محاذ جنگ پر چلا جاتا ہے۔

شمن روتی ہے، گڑگڑاتی ہے اور آخر کار شکست خوردگی کے عالم میں اپنے بستر پر ڈھیر ہو جاتی ہے۔ دل کو ڈھارس بندھاتی ہے کہ وہ تکمیلیت کے مرحلے طے کر رہی ہے کیونکہ اس کی کوکھ میں ایک ننھی سی جان پرورش پا رہی ہے جس کے لیے بہرحال اسے جینا ہے اور اس طرح کہانی ایک سوگوار انجام سے ہم آغوش ہوتی ہے۔

کرداروں کی پہچان

* شمن جو کہ ٹیڑھی لکیر کی ہیروئن ہے سب سے جاندار متحرک اور فعال کردار ہے۔
* منجھو شمن کی بہن ہے۔ * کندن منجھو کی ساس کا پوتا ہے۔
* نوری بڑی بہن کی بیٹی ہے۔ * منو نوری کا بھائی ہے
* مس ممتاز جو کہ استانی ہے اسی نے شمن کو نیچے کلاس میں کر دیا تھا۔
* مس چرن جو کہ استانی ہے وہ شمن کو استعمال کرتی پکڑی گئی تھی اور نکال دی گئی تھی۔
* رسول فاطمہ اور نجمہ جو شمن کی دوست ہیں وہ ہم جنسی کے مرض میں مبتلا رہتی ہے۔
* بلقیس شمن کی دوست ہے * جلیس بلقیس کی بہن ہے
* رشید جو کہ بلقیس کا بھائی ہے اس سے شمن عشق کرتی ہے۔
* پریما جو کہ ایک ہندو لڑکی ہے۔ وہ شمن کی امریکن مشنری کالج کی دوست ہے۔
* رائے صاحب پریما کے والد ہیں اور ان پر شمن عاشق ہو جاتی ہے۔
* ایلما جو کہ عیسائی ہے شمن کی سہیلی ہے۔
* رضیہ بیگم جو کہ اسکول میں ٹیچر ہے وہ منیجر کی منظور نظر ہے۔
* افتخار جو کہ اشتراکی نظریے کا حامل ہے اسے شمن ایلما کے بعد پسند کرنے لگتی ہے۔
* کامریڈ صمد ایک نواب زادہ ہے۔
* رونی ٹیلر جو کہ ایک برطانوی انگریز ہے اس سے شمن شادی کرتی ہے اور اس کے بچے کی ماں بنتی ہے۔
* سیتل، پروفیسر رحمانی، ان دونوں سے بھی شمن کے تعلقات تھے۔



راجندر سنگھ بیدی

- نام راجندر سنگھ بیدی تھا۔
- راجندر سنگھ یکم ستمبر 1915 کو لاہور میں پیدا ہوئے۔
- راجندر سنگھ بیدی کا انتقال 11 نومبر 1984 کو بمبئی میں ہوا تھا۔
- بیدی کے والد کا نام ہیرا سنگھ بیدی (کھتری) تھا اور والدہ کا سیوا دائی (برہمن)
- بیدی نے 1931 میں ہائی اسکول اور 1933 میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا تھا۔
- بیدی نے طالب علمی کے زمانے میں 1932 میں محسن لاہوری کے نام سے انگریزی اردو اور پنجابی میں نظمیں اور کہانیاں لکھ کر ادبی زندگی کا آغاز کیا تھا۔
- بیدی کی شادی 19 سال کی عمر میں 1934 میں سکونت کور سے ہوئی تھی۔
- بیدی کی پہلی کہانی پنجابی زبان میں 'دکھ سکھ' تھی جو پنجابی زبان کے رسالے 'سارنگ' میں شائع ہوئی تھی۔
- بیدی کا پہلا افسانہ 'مہارانی کا تحفہ' رسالہ 'ادبی دنیا' لاہور کے سالنامہ 1937 میں شائع ہوا تھا۔
- بیدی جموں ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر 1948 میں مقرر ہوئے تھے۔
- بیدی نے اپنی تخلیقات میں پنجاب کے دیہات کی معاشرت کی عکاسی بڑے فن کارانہ انداز میں کی ہے۔
- بیدی کے اردو افسانے روس کے عظیم افسانہ چیخوف کی یاد دلاتے ہیں۔
- روسی افسانہ نگارون کا جتنا گہرا اثر بیدی کے یہاں ہے اور کسی کے یہاں نہیں ہے۔
- بیدی کے کردار متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔
- بیدی پر فالج کا حملہ بمبئی میں 1979 میں ہوا تھا۔
- بیدی کے کلیات میں شامل افسانوں میں پہلا افسانہ بھولا ہے۔

اعزازات

- بیدی کو ایک چادر میلی سی پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 1965 میں ملا تھا۔
- بیدی کو پدم شری ایوارڈ 1972 میں ملا تھا۔
- بیدی کو غالب ایوارڈ 1978 میں ملا تھا۔

بیدی کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- بیدی کہانی لکھتے ہیں نہ سیاست بگھارتے ہیں، نہ فلسفہ چھانٹتے ہیں نہ شاعری کرتے ہیں، نہ موری کے کیڑے گنتے ہیں، عام زندگی عام لوگ عام رشتے ان کا افسانوں کے موضوع ہیں۔ (آل احمد سرور)
- ان کی کہانیاں ایسی خوبصورت، جاندار گھٹی ہوئی اور پراثر ہوتی ہیں کہ ان کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ نپا تلا معلوم ہوتا ہے اور وہ اس بات کو بھی نہیں بھولتے کہ ایک چھوٹی کہانی میں کوئی خیال اور کوئی نقطۂ غیر ضروری نہیں ہونا چاہیے۔ (احتشام حسین)
- مواد اور فن دونوں کے اعتبار سے اگر اردو کے دو بڑے کہانی لکھنے والوں کا نام لیا جائے تو وہ بلا شبہہ پریم چند اور راجندر سنگھ بیدی ہو سکتے ہیں۔ (اسلوب احمد انصاری)
- بیدی کے کسی افسانے میں فن افسانہ نگاری کے اعتبار سے کوئی کسر نہیں۔ (خلیل الرحمٰن اعظمی)
- راجندر سنگھ بیدی کا افسانہ تراشا ہوا ہیرا ہے۔ (آل احمد سرور)
- راجندر سنگھ بیدی اینٹ پر اینٹ رکھ کر افسانہ تعمیر کرتے ہیں۔ (آل احمد سرور)
- راجندر سنگھ بیدی تھیم کا بادشاہ ہے۔ (کنہیالال کپور)

ایک چادر میلی سی

(1962ء)

- 'ایک چادر میلی سی' راجندر سنگھ بیدی کا اکلوتا ناول ہے جو پنجاب کے دیہی زندگی کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔
- ناول ایک چادر میلی سی رسالہ 'نقوش' میں دو قسطوں میں 1960 میں شائع ہوا تھا اور کتابی صورت میں مکتبہ جامعہ دہلی نے 1962 میں شائع کیا تھا۔
- ایک چادر میلی سی ایک مختصر ناول ہے جو صرف 150 صفحات پر مشتمل ہے۔
- ناول ایک چادر میلی سی پر شام لال نے ٹائمس آف انڈیا میں تبصرہ کیا تھا جس کا ترجمہ خیر النسا بیگم نے کیا تھا جو 1963 میں سوغات میں شائع ہوا تھا۔
- 1965 میں بیدی کو ایک چادر میلی سی پر ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا تھا۔
- ناول 'ایک چادر میلی سی' پر ہندوستان میں 'ایک چادر میلی سی' ہی کے نام سے لیکن پاکستان میں 'مٹھی بھر چاول کے نام' سے فلم بنی تھی۔

اس میں انھوں نے رمز نگاری سے کام لیا ہے۔

ج ناول 'ایک چادر میلی سی' کا انداز اشاراتی ہے

ایک چادر میلی سی کا خلاصہ

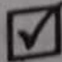
پنجاب کے کسی گاؤں میں رانو نام کی ایک لڑکی رہتی تھی جس کی شادی اس کے والدین نے افلاس سے تنگ آ کر تلوکا نامی شخص سے کر دی تھی جو پیشہ سے یکہ بان تھا۔ تلوکا کو شراب نوشی کی لت لگی ہوئی تھی جسے رانو بالکل پسند نہیں کرتی تھی اور اس کی وجہ سے دونوں کے تعلقات میں تلخی بھی رہتی تھی۔ تلوکا یکہ چلانے کے ساتھ ساتھ چودھری مہربان داس کے لیے بھولی بھٹکی عورتوں کو بٹور کر بھی لاتا تھا۔ ایک دن اس جرم کے بدلے کے طور پر ایک 'جاترن' نامی لڑکی کے بھائی کے ہاتھوں قتل کر دیا جاتا ہے۔ تلوکا کے قتل کے بعد اس کا چھوٹا بھائی منگل یکہ چلا کر گھر کے اخراجات سنبھالتا ہے اور رانو کی شادی منگل سے پنجابی رسم کے مطابق اس طرح ہو جاتی ہے کہ منگل رانو کے سر پر چادر ڈال دیتا ہے۔ اگر چہ منگل سماجی اور رسمی طور پر رانو کو تو اپنا لیتا ہے مگر جسمانی اور ذہنی طور پر نہیں اپنا پاتا ہے۔ رانو شراب سے سخت نفرت کرتی تھی لیکن اسے ہی بروئے کار لا کر رانو منگل کو جیتتی ہے اور اس سے جسمانی تعلقات قائم کرتی ہے۔ اس طرح وہ منگل کو پورے طور سے اپنے قبضے میں لے لیتی ہے اور منگل ایک مطیع اور فرماں بردار شوہر بن جاتا ہے۔

کرداروں کی پہچان

* رانو جو کہ ایک چادر میلی سی کی ہیروئن ہے اس ناول کا سب سے متحرک فعال اور جاندار کردار ہے۔
* ایک چادر میلی سی کے اہم کردار رانو کے علاوہ تلوکا منگل اور چودھری مہربان داس ہیں۔
* رانو جو کہ ہیروئن ہے اس کی شادی پہلے تلوکا سے ہوتی ہے پھر اس کے چھوٹے بھائی منگل سے۔
* تلوکا جو کہ ایک یکہ بان ہے رانو کا پہلا شوہر ہے اور جو مہربان داس کے لیے بھولی بھٹکی عورتوں کو لاتا ہے۔
* منگل جو کہ تلوکا کا چھوٹا بھائی ہے اس کی شادی تلوکا کے قتل کے بعد رانو سے ہوتی ہے۔
* چودھری مہربان داس جس کے لیے تلوکا عورتوں کو لاتا ہے۔
* چندا رانو کی ساس ہے۔ * چنو رانو کی سہیلی ہے

دیگر کردار:

گھنشیام داس، حضور سنگھ، پورن دئی، سرپنچ گیان سنگھ، جگو، کرم دین



قرۃ العین حیدر

- ابتدائی نام نیلوفر تھا لیکن ماموں افضل علی نے نام بدل کر قرۃ العین حیدر کر دیا اور اس وقت سے قرۃ العین نام سے ہی مشہور ہو گئیں۔
- قرۃ العین حیدر عرف عام میں عینی کہلاتی تھیں اور فرضی نام 'لالہ رخ' تھا۔
- قرۃ العین حیدر 20 جنوری 1927 کو علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔
- قرۃ العین حیدر کا انتقال 2007 میں ہوا۔
- قرۃ العین حیدر کے والد کا نام سجاد حیدر یلدرم تھا اور دادا کا سید جلال الدین۔ قرۃ العین حیدر کا آبائی وطن نہٹور ضلع بجنور تھا۔
- سجاد حیدر یلدرم قرۃ العین حیدر کی پیدائش کے وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے۔
- سجاد حیدر یلدرم نے عبدالقادر کے رسالہ 'مخزن' میں ترکی زبان کے افسانوں کے تراجم شائع کیے تھے۔
- سجاد حیدر یلدرم کو اردو افسانے میں طرز نو اور رومانیت کے رجحان کا بانی قرار دیا گیا ہے۔
- قرۃ العین حیدر کی والدہ کا نام نذر سجاد حیدر تھا جو ایک کامیاب ناول نگار تھیں۔ نذر کا ناول 'اختر النسا بیگم' 1910 میں چھپا تھا جب نذر سولہ سال کی تھیں۔
- قرۃ العین حیدر نے میٹرک کی تعلیم دہرادون کے ایک پرائیوٹ اسکول سے حاصل کی تھی۔
- قرۃ العین حیدر نے ایم اے انگریزی لکھنؤ یونیورسٹی سے کیا تھا۔
- قرۃ العین حیدر کا خاندان تقسیم ہند کے بعد دسمبر 1947 میں پاکستان ہجرت کر گیا تھا۔
- قرۃ العین حیدر تقسیم ہند کے بعد تقریباً چودہ برس تک پاکستان میں سکونت پذیر رہی تھیں۔
- قرۃ العین حیدر پاکستان کی وزارتِ اطلاعات ونشریات میں انفارمیشن آفیسر 1950 میں مقرر ہوئی تھیں۔
- قرۃ العین حیدر نے ٹیلی گراف اخبار لندن اور بی بی سی لندن میں بھی ملازمت کی تھی۔
- قرۃ العین 1960 میں اپنی والدہ کو بہ غرض علاج لندن لے کر گئی تھیں اور پھر وہاں سے جواہر لال نہرو کے کہنے پر 1961 میں ہندوستان آئی تھیں۔
- قرۃ العین سے اس سے پہلے ابوالکلام آزاد نے بھی ہندوستان آنے کو کہا تھا۔
- قرۃ العین 1964 سے 1968 کے دوران امپرنٹ بمبئی کی کریئر ایڈیٹر رہی تھیں۔

- قرۃ العین حیدر انگریزی ہفتہ وار السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا کی معاون مدیر 1948 سے 1975 کے دوران رہی تھیں۔
- قرۃ العین انٹرنیشنل رائٹنگ پروگرام یونیورسٹی آف آیووا (امریکہ) کی ممبر 1979 میں رہی تھیں۔
- قرۃ العین حیدر 1981 سے 1982 کے دوران جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اور 1982 سے 1984 تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اردو کی وزیٹنگ پروفیسر رہی تھیں۔
- قرۃ العین حیدر اردو کی پہلی افسانہ و ناول نگار ہیں جنھوں نے انگریزی فکشن کے جدید ترین ہیئتی تجربوں سے استفادہ کیا اور جیمس جوائس اور ور جینا وولف کو بھی پیچھے چھوڑ گئیں۔
- قرۃ العین حیدر کی کہانیوں میں جیمس جوائس اور ور جینا ولف کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔
- قرۃ العین حیدر نے اپنی تخلیقات میں اعلیٰ طبقے کی زندگی کو پیش کیا ہے۔
- قرۃ العین حیدر رومانوی نقطۂ نظر کی حامل تھیں۔
- قرۃ العین حیدر نے اپنے ادبی سفر کا آغاز سات سال کی عمر میں 'کارٹون' نامی کہانی لکھ کر کیا تھا جو رسالہ 'پھول' کے سالنامے میں شائع ہوا تھا۔
- قرۃ العین حیدر کا پہلا افسانہ 'ایک شام' ہے جسے وہ طنزیہ اسکرپٹ کہتی ہیں۔ فرضی نام لالہ رخ سے 'ادیب' نومبر 1943 میں شائع ہوا تھا کیونکہ چچا مشتاق، احمد زاہدی کا مشورہ تھا کہ اپنے نام سے چھپواؤ گی تو کسی کو یقین نہیں ہوگا کہ اسے تم نے لکھا ہے۔
- قرۃ العین حیدر کا دوسرا افسانہ 'یہ باتیں' بنت سجاد حیدر یلدرم کے نام سے 'ہمایوں' مئی 1944 میں شائع ہوا تھا۔
- قرۃ العین حیدر کا تیسرا افسانہ 'ارادے' قرۃ العین حیدر کے نام سے جون 1944 کے ادیب میں شائع ہوا تھا اور اس پر بیس روپے کا انعام بھی ملا تھا۔
- ترقی پسند ادیبوں کا طبقہ قرۃ العین حیدر کو جاگیر داری معاشرے کا نمائندہ قرار دیتا تھا اور ان کو 'پوم پوم ڈارلنگ' کی پھبتیوں سے نوازتا تھا۔

اعزازات وانعامات

- قرۃ العین حیدر کو تیسرے افسانوی مجموعے پت جھڑ کی آواز پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 1967 میں ملا تھا۔
- قرۃ العین کو سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ برائے تراجم 1969 میں ملا تھا۔
- قرۃ العین کو 'پدم شری' کا قومی اعزاز 1984 میں دیا گیا تھا۔

- قرۃ العین کو غالب ایوارڈ 1984 میں ملا تھا۔
- قرۃ العین کو مدھیہ پردیش کا سب سے بڑا اعزاز' اقبال سمان' سے 1988 میں نوازا گیا تھا۔
- قرۃ العین کو گیان پیٹھ ایوارڈ سے 1990 میں نوازا گیا تھا۔
- قرۃ العین حیدر کو فیلو آف ساہتیہ اکادمی سے 1996 میں نوازا گیا تھا۔
- قرۃ العین حیدر کو بہادر شاہ ظفر ایوارڈ سے 2000 میں نوازا گیا تھا۔
- قرۃ العین حیدر کو پدم بھوشن سے 28 مارچ 2005 کو نوازا گیا تھا۔

آگ کا دریا

(1959ء)

- ناول آگ کا دریا قرۃ العین حیدر کا ضخیم ناول ہے جو 1959 میں شائع ہوا تھا۔
- ناول آگ کا دریا کا عنوان جگر مراد آبادی کے اس شعر کے ایک مصرعے کا ٹکڑا ہے:

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

- ٹی۔ایس۔ایلیٹ کی نظم کے اس تراشے سے جو ناول کے شروع میں Epigraph کے طور پر دیا گیا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ناول ' آگ کا دریا' کا موضوع وقت کا وہ دھارا ہے جو انسان کی ارضی زندگی کی وسعتوں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔
- ناول ' آگ کا دریا' میں 'شعور کی رو' کی تکنیک کا ایک کامیاب تجربہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل سجاد ظہیر نے اپنے ناول لندن کی ایک رات میں اور خود قرۃ العین حیدر نے اپنے پہلے ناول 'میرے بھی صنم خانے' میں 'شعور کی رو' کی تکنیک کا تجربہ کیا تھا۔
- شعور کی رو کی ٹیکنک کے کچھ خاص اجزا مندرجہ ذیل ہیں:
  (1) براہ راست اندرونی خود کلامی۔
  (2) بالواسطہ اندرونی خود کلامی۔
  (3) آزاد تلازمۂ خیال۔
- شمس الرحمٰن فاروقی کے مطابق ناول ' آگ کا دریا' تیس فیصدی شاعری اور ستر فیصدی نثر ہے۔
- آگ کا دریا کا عینی نے انگریزی میں ترجمہ The river of fire کے نام سے کیا تھا۔
- ناول ' آگ کا دریا' کی کہانی کا آغاز اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے کی ہندوستانی تہذیب کے

دور سے ہوتا ہے جو شراوستی اور پاٹلی پتر میں سرسبز و شاداب ہوئی اور تقسیم ہند کے واقعات کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر میں ہندوستانی تہذیب کو پیش کرتی ہوئی ختم ہو جاتی ہے۔

- قرۃ العین حیدر ناول 'آگ کا دریا' کی وجہ تصنیف بتاتے ہوئے لکھتی ہیں کہ "ملک کیوں تقسیم ہو گیا۔ تقسیم تاریخی حیثیت سے ناگزیر تھی اس سوال نے مجھے فلسفۂ تاریخ کی سمت کھینچا۔ اس کا جواب دینے کی کوشش میں ایک ناول 'آگ کا دریا' لکھا۔ دریا کو زمانے کا Symbol بنا کر میں نے تین ہزار سال کی پھیلی ہوئی اور الجھی ہوئی ہندوستانی تاریخ میں سے ہندوستانی شخصیت کی عظمت کو گرفت میں لانے کی کوشش کی۔
- ناول 'آگ کا دریا' میں کسی ایک واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں جنم جنم کے تسلسل کو پیش کیا گیا ہے۔
- ناول کو عمل کے تجزیہ کے خیال سے اس کے خصوصیات کے پیش نظر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔
- ناول آگ کا دریا 642 صفحات اور 101 ابواب پر مشتمل ہے۔
- باب 1 سے 13 تک شراوستی سے متعلق ہے۔
- 14 سے 17 تک پاٹلی پتر سے متعلق ہیں۔
- ابواب 18 سے 25 تک بہرائچ، جونپور اور بنارس سے متعلق ہیں۔
- ابواب 26 سے 56 تک یکے بعد دیگرے کلکتہ اور لکھنؤ سے متعلق ہیں۔
- 57 اور 58 پرانی اور نئی تاریخ کے دوراہے سے متعلق ہیں۔
- ابواب 59 سے 96 تک یورپ سے متعلق ہیں۔
- ابواب 97 اور 98 دور جدید میں دوسرے اہم موڑ سے متعلق ہیں۔
- ابواب 99 اور 100 مشرقی پاکستان اور نئے ہندوستان سے متعلق ہیں۔
- آخری باب صرف نئے ہندوستان سے متعلق ہے۔
- ناول کے ابتدائی دور میں ہم ہندوستان کی تاریخ میں ڈھائی ہزار سال قبل کے فضا سے دوچار ہوتے ہیں۔ معاشرت، طرزِ فکر اور اقدار زندگی سب وہی ہیں جن سے اس دور کا انسان پہچانا جا سکتا ہے۔ اس دور کو ہم گوتم بدھ کا دور کہہ سکتے ہیں۔
- اس قدیم عہد کا گوتم فلسفی ہے۔ وہ اپنے عہد کا نمایاں طالب علم ہے اور مروجہ علوم میں دسترس رکھتا ہے۔
- گوتم اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مگدھ کی لڑائی میں جو پہلے دور کے دوسرے حصے میں ہوتی ہے کھو دیتا ہے۔

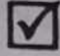
- 'چمپک'، جو بعد کی چمپا اور چمپا بائی کا نقش اولین ہے۔ وہ گوتم سے سر جوندی کے کنارے ملتی ہے۔
- چمپک ہندوستانی عورت کی علامت اور اپنے عہد کے پڑھے لکھے طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔
- چمپک گوتم جیسے فلسفی سے بحث کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔
- چمپک چندر گپت موریہ سے جنگ کے بعد گرفتار ہو کر پاٹلی پتر جاتی ہے۔
- دوسرے دور میں مسلمانوں کی آمد کے بعد تہذیب کے اس ساگر یعنی ہندوستان میں جو نئی لہر اٹھی ہے اور جو تبدیلی آئی ہے اس کا بیان ہے۔
- اس دور میں ہم کمال کے نقش اوّل، ابوالمنصور کمال الدین سے ملتے ہیں جو حسین شرقی کے کتب خانے کا نگراں ہے اور ہندوستان کے مختلف النوع تہذیب میں ایک نئے عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔
- شروع ہی میں ابوالمنصور کمال الدین کی ملاقات چمپا سے ہوتی ہے جو پہلے دور کی چمپک کا ایک نیا روپ ہے۔
- تیسرے دور میں اس کا بیان ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم ہندوستان میں جمنا کیسے شروع ہوتے ہیں، انگریز اس کے لیے کن تدابیر کو بروئے کار لاتے ہیں اور اس کے مقابلے میں مغلیہ شان و شوکت کا آخری محافظ کس تن آسانی اور اخلاقی پستی کا مظاہرہ کرتا ہے۔
- اس تیسرے دور میں گوتم کا دوسرا نقش گوتم نیلمبر ت سرل ایشلے کا بنگالی کلرک ہے۔
- اس تیسرے دور میں چمپک کا تیسرا نقش لکھنؤ کی مشہور طوائف چمپا بائی کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔
- کمال الدین کا دوسرا نقش جو اسی دور کے پہلے حصے میں نواب کمن کی صورت میں نظر آتا ہے بعد میں 'کمال' کی شکل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔
- چوتھے دور میں عمل کا مرکز ہندوستان سے یورپ منتقل ہو جاتا ہے اور وہی نسل جو اوپری متوسط طبقہ کی نمائندگی تیسرے دور کے آخر میں لکھنؤ میں کر رہی تھی، لندن، کیمبرج اور پیرس میں نظر آتی ہے۔
- پانچواں دور تقسیم ملک کے بعد کے ہندوستانی اور پاکستانی معاشروں سے متعلق ہے۔

کرداروں کی پہچان

* ناول آگ کا دریا میں مرکزی کردار صرف چار ہیں: (1) گوتم، (2) ہری شنکر (3) چمپا (4) کمال۔
* اس طویل مدت میں جس پر یہ ناول پھیلا ہوا ہے یہ چاروں کردار ناموں کے ہلکے سے تفاوت کے ساتھ برابر ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔

ہے۔

* گوتم جو کہ ہندوستان کے باشعور ذہن کی نمائندگی کرتا ہے۔
* نام کی مماثلت کی وجہ سے اس میں گوتم بدھ کی شخصیت کا عکس نظر آتا ہے۔
* ان چار کرداروں کے علاوہ طلعت کا کردار ناول کے بیانیہ ڈھانچہ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔
* گوتم ہری شنکر اور چمپا کی طرح نرملا اور سرل ایشلے بھی جو برطانوی استعماریت کے آسیب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ناول کی کئی منزلوں میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔
* پیٹر بھی ایک کردار ہے جسے سرل کا ہمزاد کہنا چاہیے۔
* باقی کردار جیسے تہمینہ، عامر رضا، ریکھا، شانتا، روشن آرا اور مسز شنیلا مکر جی ناول کی صرف بیرونی سطح پر نظر آتے ہیں۔



شوکت صدیقی

- نام شوکت صدیقی تھا۔
- شوکت صدیقی 20 مارچ 1923ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے۔
- شوکت صدیقی کا انتقال 16 دسمبر 2006ء کو کراچی میں ہوا تھا۔
- شوکت صدیقی نے میٹرک کا امتحان امیر الدولہ اسلامیہ ہائی اسکول لکھنؤ سے سیکنڈ ڈویژن میں 1938ء میں پاس کیا تھا۔
- شوکت صدیقی نے پرائیویٹ سے ایف اے 1940ء میں کیا تھا۔
- شوکت صدیقی نے ایم اے سیاسیات سے 1946ء میں کیا تھا۔
- شوکت صدیقی ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان 1950ء میں گئے تھے۔
- شوکت صدیقی کی شادی ڈاکٹر محمد سعید خان کی صاحب زادی ثریا بیگم سے 1952ء میں ہوئی تھی۔
- شوکت صدیقی روزنامہ 'پاکستان اسٹینڈرڈ' سے بحیثیت سب ایڈیٹر 1952ء میں وابستہ ہوئے تھے۔
- شوکت صدیقی صدیقی نے روزنامہ ٹائمز آف کراچی میں ملازمت 1954 میں اختیار کی تھی۔
- شوکت صدیقی نے روزنامہ 'مارننگ نیوز' کراچی میں ملازمت 1960ء میں اختیار کی تھی۔
- شوکت صدیقی نے انگریزی صحافت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اردو صحافت کے ساتھ وابستگی کا آغاز 1963ء میں کیا تھا اور روزنامہ 'انجام' کراچی میں بطور نیوز ایڈیٹر فرائض سنبھالا تھا۔
- شوکت صدیقی نے پاکستانی ادیبوں کے ایک وفد کے سربراہ کی حیثیت سے افریشیائی ادیبوں کی کانفرنس منعقدہ پیکنگ میں شرکت 1966ء میں کی تھی۔
- شوکت صدیقی نے ہفت روزہ 'الفتح' کے نگرانِ اعلیٰ کا منصب 1969ء میں سنبھالا تھا۔
- شوکت صدیقی پاکستان پیپلز پارٹی کے 'مساوات' کے پہلے ایڈیٹر 1973ء میں مقرر ہوئے تھے۔
- شوکت صدیقی 1985ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جوبلی میں کنوینگ کمیٹی چیئرمین اور مجلس استقبالیہ کے صدر منتخب ہوئے تھے۔

اعزازات و انعامات

- شوکت صدیقی کو ان کے ناول 'خدا کی بستی' پر آدم جی ادبی ایوارڈ 1960ء میں ملا تھا۔
- شوکت صدیقی کو تمغائے حسن کارکردگی 1997ء میں دیا گیا تھا۔
- شوکت صدیقی کو کمال فن ایوارڈ سے 2002ء میں نوازا گیا تھا۔

شوکت صدیقی کو ستارۂ امتیاز سے 2003ء میں سرفراز کیا گیا تھا۔

- شوکت صدیقی نے خواجہ غلام فرید ادبی ایوارڈ 2000 میں حاصل کیا تھا۔

شوکت صدیقی کے کارنامے

افسانوی مجموعے * تیسرا آدمی 1952ء (پہلا افسانوی مجموعہ) * اندھیرا اور اندھیرا 1955ء

* راتوں کا شہر 1956ء * کیمیاگر 1984ء

* خدا کی بستی 1958

ناول * کمیں گاہ 1956

* جانگلوس 1988 (ایک طویل ناول ہے جس کی 3 جلدیں ہیں) * چاردیواری 1990

خدا کی بستی

- 'خدا کی بستی' شوکت صدیقی کا ناول ہے جو پہلی بار 1958ء میں شائع ہوا تھا اور اس کے اب تک تقریباً 50 ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
- 'خدا کی بستی' شوکت صدیقی کا وہ ناول ہے جس میں پاکستان کی شہری زندگی اور نئے معاشرے میں جڑ پکڑنے والی خامیوں اور اونچے طبقے کی مفاد پرستی کا جائزہ لیا گیا ہے۔
- ناول 'خدا کی بستی' کو ڈرامائی شکل بھی دی گئی ہے جو پاکستان ٹیلی ویژن سے پانچ مرتبہ نشر ہوا۔
- ناول خدا کی بستی کو جب ٹی وی سیریل میں پیش کیا جاتا تھا تو کراچی اور لاہور کی گلیاں سنسان ہو جایا کرتی تھیں۔
- ناول 'خدا کی بستی' اردو کا واحد ناول ہے جس کا ترجمہ اب تک انگریزی کے علاوہ دنیا کی 26 ترقی یافتہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔
- ناول 'خدا کی بستی' کے 1959ء کے ایڈیشن میں انتساب ڈاکٹر عبدالعلیم کے نام ہے جو مکتبۂ نیا راہی سے شائع ہوا ہے۔
- بعد کے ایڈیشنوں میں ناول 'خدا کی بستی' کا انتساب ظفر مسعود کے نام ہے۔
- شوکت صدیقی کو ناول 'خدا کی بستی' لکھنے میں 4 مہینے لگے تھے۔
- شوکت صدیقی نے ناول خدا کی بستی کی ابتدا میں ناول شروع کرنے سے پہلے 'بر سبیل تذکرہ' کے عنوان سے اظہار خیال کیا ہے۔
- ناول 'خدا کی بستی' گیارہ فصل پر مشتمل ہے۔
- شوکت صدیقی نے ناول خدا کی بستی میں تین بچوں کو بنیاد بنا کر پاکستان کے ہر طبقے کے اعمال

اور افعال کا تجزیہ سماجی حقیقت نگاری کی طرح کیا ہے۔

c یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناول خدا کی بستی میں متوسط اور اس سے زیادہ نچلے طبقے کے کرداروں کو بنیاد بنا کر ہمارے معاشرے کی تلخ حقیقتوں کے چہرے سے نقاب ہٹایا گیا ہے۔

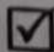
کرداروں کی پہچان

c ناول 'خدا کی بستی' کے مرکزی کردار راجہ، نوشہ اور شامی ہیں۔

* راجہ: ایک آوارہ، انتہائی غریب ذرا بڑی عمر کا لڑکا ہے جو ایک بوڑھے کو ریڑھی میں ڈال کر گداگری کرتا ہے۔ ملے ہوئے پیسوں سے جوا کھیلتا اور سنیما دیکھتا ہے۔
* شامی: دبلا پتلا، تیز مزاج لڑکا ہے جو راجہ اور نوشہ کا دوست ہے اور اپنے باپ کی دکان پر بیٹھتا ہے۔
* نوشہ: ایک یتیم لڑکا اور راجہ کا جگری دوست ہے جسے اس کی ماں گھر سے نکال دیتی ہے۔ وہ پہلے سنیما اور چوری کی لت میں مبتلا ہوتا ہے پھر گھر سے راجہ کے ساتھ کراچی بھاگ جاتا ہے۔ جہاں اسٹیشن سے ہی ایک انسان دھوکہ دے کر انھیں شاہ جی انسانی تسکر کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے۔

c نوشہ اور راجہ چوری کے مقدمے میں جیل جاتے ہیں۔

* کالے صاحب: ایک نیم انگریز بیمہ کار ہے جو نیاز کو 50 ہزار بیمہ کی لالچ دیتا ہے۔
* نوشہ کی ماں: ایک بیوہ ہے جو گڑیا بنا بنا کر بیچتی ہے۔
* انو: نوشا کا چھوٹا بھائی * سلطانہ: نوشا کی بڑی بہن
* عبداللہ مستری: ایک آٹو ورکشاپ والا ہے جہاں نوشا کام کرتا ہے۔
* سلمان: ایک تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوان، سلطانہ کا عاشق اور تنظیم فلک پیما کا ممبر ہے جو شہر تعلیم حاصل کرنے کے لیے آیا ہوتا ہے اور جس کی رخشندہ سے شادی اور طلاق ہوتی ہے۔
* رخشندہ: جس سے سلمان شادی کرتا ہے۔
* نیاز: کباڑے کا کام کرنے والا اور در پردہ چوری کا مال خریدنے اور بیچنے والا ہے جو جھوٹی ہمدردی جتا کر نوشہ کی ماں سے شادی کرتا ہے اور کالے صاحب سے نوشہ کی ماں کا بیمہ کراتا ہے تاکہ وہ مرے تو اسے 50 ہزار کی رقم مل سکے۔
* ڈاکٹر موٹو: جس کا اصل نام خیرات محمد جو ایک اتائی ڈاکٹر ہے جو نیاز سے پیسے لے کر اس کی دوسری بیوی (نوشہ کی ماں) کو جلد مرنے کے لیے دل کی کمزوری کا ٹیکہ لگاتا ہے۔
* خان بہادر: ایک بدعنوان سرکاری افسر ہے جو مہاجرین کے نام زمینوں، سرکاری ٹینڈروں اور ٹھیکوں سے پیسہ کھاتا ہے۔



عبداللہ حسین

عبداللہ حسین کا اصلی نام محمد خان تھا اور قلمی نام عبداللہ حسین۔

- عبداللہ حسین راول پنڈی پاکستان میں 14 / اگست 1931ء کو پیدا ہوئے تھے۔
- عبداللہ حسین کا انتقال 4 / جولائی 2015 کو 84 سال کی عمر میں لاہور میں ہوا تھا۔
- عبداللہ حسین کے والد کا نام محمد اکبر خان تھا۔
- عبداللہ حسین نے مذہبی تعلیم مولوی صدر الدین سے حاصل کی تھی۔
- عبداللہ حسین نے گجرات کے اسلامیہ ہائی اسکول سے میٹرک 1946 میں اور زمیندار کالج سے بی ایس سی 1952 میں کیا تھا۔
- عبداللہ حسین کولمبو پلان کے فیلوشپ پر انجینئرنگ کرنے کے لیے کینیڈا کے میک ماسٹر یونیورسٹی 1959 میں گئے تھے۔
- عبداللہ حسین دالمیا سیمنٹ فیکٹر، نیشنل فیکٹری ایرینکس کیمسٹ اور داؤد خیل میں میپل لیف سیمنٹ فیکٹری میں کیمسٹ کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔
- عبداللہ حسین نے پاکستان انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن میں سینئر کیمسٹ کی حیثیت سے ملازمت کی تھی۔
- عبداللہ حسین لندن کے شہر برمنگھم کے ادارے Coal Board اور نارتھ تھامس گیس بورڈ سے وابستہ رہے تھے۔
- عبداللہ حسین کی شادی ڈاکٹر فرحت آرا سے 1963ء میں ہوئی تھی۔
- عبداللہ حسین نے اپنی ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز 1956ء میں ناول 'اداس نسلیں' سے کیا جسے 1961ء میں مکمل کیا۔
- عبداللہ حسین کا پہلا افسانہ 'ندی' ماہنامہ سویرا میں 1962ء میں شائع ہوا تھا۔

عبداللہ حسین کے کارنامے

- **افسانوی مجموعے:** عبداللہ حسین کے چار افسانوی مجموعے ہیں: (1) نشیب 1981 (پہلا افسانوی مجموعہ) (2) سات رنگ 1985 (سات افسانے) (3) رات 1997 (دو افسانے) (4) فریب

2012 (چھ افسانے)۔

- ناول: عبداللہ حسین کے تین ناول ہیں: (1) اداس نسلیں 1963 (پہلا ناول) (2) باگھ 1982 (3) نادار لوگ 1996۔
- ناولٹ: قید 1989

اعزازات وانعامات

- عبداللہ حسین کو ناول اداس نسلیں پر آدم جی ادبی انعام سے 1963 میں نوازا گیا تھا۔
- عبداللہ حسین کو ادبی خدمات کے صلے میں اکادمی ادبیات پاکستان نے 'کمال فن ادب انعام' 2012 میں دیا تھا۔

اداس نسلیں

- ناول 'اداس نسلیں' عبداللہ حسین کا پہلا ناول ہے جسے انھوں نے داؤد خیل کے قیام کے دوران 1956 میں لکھنا شروع کیا تھا اور 1961ء میں مکمل کیا تھا۔
- ناول 'اداس نسلیں' کی تکمیل میں پانچ برس لگے تھے۔
- ناول 'اداس نسلیں' پہلی بار 'نیا ادارہ' سے 1963ء میں شائع ہوا تھا۔
- عبداللہ حسین نے خود ہی 'اداس نسلیں' کا انگریزی میں ترجمہ The Weary Generation کے نام سے 2000 میں کیا تھا۔
- 'اداس نسلیں' کی کہانی پہلی جنگ عظیم سے لے کر متحدہ ہندوستان کے مشترکہ کلچر، جدوجہد آزادی اور سانحہ جلیانوالہ باغ کے کرب ناک منظر سے ہوتی ہوئی تقسیم ہند کے افسوس ناک واقعات پر مشتمل ہے۔
- ناول 'اداس نسلیں' میں تین نسلیں موضوع بحث ہیں جو متحدہ برصغیر میں 1913 سے 1947 تک کے عرصے میں برطانوی حکومت کے زیر نگیں آباد ہیں۔
- بقول دیوندر اسر 'اداس نسلیں' ہندوستانی تاریخ کے ایک اہم دور 47-1913 کو پیش کرتی ہے۔
- یعنی ناول کے واقعات کا پھیلاؤ 1913 سے 1947 تک ہے۔
- ناول اداس نسلیں میں پنجاب کے دیہاتوں کی تصویر بڑی ہنرمندی سے پیش کی گئی ہے۔
- ناول 'اداس نسلیں' کی کہانی روشن پور گاؤں کی ہے جو دہلی اور پنجاب کی سرحد پر واقع ہے۔
- ناول 'اداس نسلیں' کی کہانی روشن پور گاؤں کی ہے جو دہلی اور پنجاب کی سرحد پر واقع ہے۔

- ناول 'اداس نسلیں' کا انتساب عبداللہ حسین نے اپنے ابا جان مرحوم کے نام کیا ہے۔
- ناول 'اداس نسلیں' چار ابواب پر مشتمل ہے۔
- پہلا باب 'برٹش انڈیا' کے عنوان سے ہے اس کے نیچے یہ درج ہے:

And (The people) shall look Outo the earth; and behold trouble and darkness dimness of anquish; and they shall be driven to darkness
(ISAIAH)

- دوسرا باب 'ہندوستان' کے عنوان سے ہے اور اس کے نیچے میر تقی میر کا یہ شعر درج ہے:

افسردگی سوختہ جاناں ہے قہر میر
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

- تیسرے باب کا عنوان 'بٹوارہ' ہے جس کے تحت یہ آیت درج ہے:

"وَاِذَا قِیلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ قَالُو اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ"

- چوتھا باب 'اختتامیہ' کے عنوان سے ہے جس کے تحت ٹی ایس ایلیٹ کی کچھ لائنیں درج ہے:

(I am moved by the fancies that are curled around these images and cling;
The siotion of some infinitely gentle infinitely suffering thing.
Wipe your hand across your mouth, and laugh;
The worlds revolve like ancient women Gathering fuel in vacant lots.

اداس نسلیں کی کہانی

کہانی روشن پور گاؤں کی ہے جو دہلی اور پنجاب کی سرحد پر واقع ہے۔ اس گاؤں میں ہندو، سکھ، مسلمان سبھی آباد ہیں۔ ان کی زبان پنجابی ہے۔ کسان یوپی کے کسانوں کی معاشرت کا روادار ہے۔ 1857ء کے بعد ہندوستان میں دو طرح کے جاگیردار وجود میں آئے؛ ایک وہ جنھیں انگریزوں کی مدد کے صلے میں جاگیریں عطا کی گئیں؛ دوسرے وہ چھوٹے زمیندار جنھیں بڑے جاگیرداروں سے تعلقات کی بنا پر کچھ زمین مل جاتی۔

نئے جاگیرداروں میں روشن آغا بھی ہیں جو غدر سے پہلے معمولی آدمی تھے۔ انھوں نے کرنل جانسن کی جان بچائی جس کے صلے میں انھیں روشن پور جاگیر ملی۔ اپنے یار محمد بیگ کو کچھ زمین عطا کی جو چھوٹے زمیندار ہیں۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دو بیٹے ہیں ایاز بیگ، نیاز بیگ۔ نیاز بیگ کو حکومت کے خلاف جرم میں سزا ہو گی۔ ایاز بیگ نیاز بیگ کے لڑکے نعیم کو لے کر کلکتہ چلا گیا۔

روشن آغا گاؤں چھوڑ کر دہلی میں روشن محل بنوا کر رہنے لگے تھے۔ ایاز بیگ اور نعیم جب دہلی آتے تو روشن محل کی پارٹیوں میں شرکت کرتے۔ روشن محل میں نعیم کی ملاقات عذرا سے ہوئی۔ اس دوران نیاز بیگ جیل سے باہر آگیا تھا نعیم اپنے والدین سے ملنے روشن پور گیا تو وہیں رہ گیا اور کھیتی کے کام میں لگ گیا۔ نیاز بیگ کی حالت زمیندار نہیں بلکہ معمولی اور غریب کسان کی تھی۔ فصل کٹنے کے دنوں میں انگریز کسانوں کو پکڑ پکڑ کر فوج میں داخل کر رہے تھے۔ نعیم بھی فوج میں داخل ہوگیا۔ ان فوجیوں کو کراچی قارہ فرانس ہوتے ہوئے لڑائی کے محاذ پر بلجیم لے جایا گیا۔ نعیم کے گاؤں کے کئی جوان اس کے ساتھ تھے۔ جنگ میں بہت سے جوان مار دیے گئے۔ اس جنگ کا مقصد ان جوانوں کے لیے اپنے آقا کے لیے جنگ کرنا تھا۔

''تمھیں پتہ ہے ہم کیوں لڑ رہے ہیں؟'' اچانک مہندر سنگھ نے پوچھا۔

''جرمنوں نے حملہ کیا ہے''

''کہاں؟ روشن پور پر؟''

''یہاں پر''

''پر ہم یہاں کیوں ہیں؟ ہم کس لیے؟''

''جرمن انگریزوں کے ہیں، اور انگریز ہمارے مالک ہیں بس''

''ہمارے مالک روشن آغا ہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں۔''

یہاں ہندوستانی عوام کی غلامانہ ذہنیت کو دکھایا گیا ہے جو اپنے آقا کے آقاؤں کے فادار ہیں۔ یہ انگریزوں کا ساتھ اس لیے دے رہے ہیں کہ انگریز ان کے جاگیرداروں کے مالک ہیں۔ جنگ میں نعیم کا بایاں بازو صاف ہوگیا اسے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا اور جب وہ ٹھیک ہوا تو اس کی ڈیوٹی برگیڈ ہیڈ کوارٹر پر مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے لگائی گئی۔ ان مریضوں میں ایک جرمن بھی تھا۔ نعیم کی اس سے دوستی ہوگئی وہ کاریگر تھا اس نے نعیم کا بازو بنا دیا۔ نعیم اعزاز حاصل کر کے گاؤں واپس آگیا۔ گاؤں میں اس کی قدر کی جانے لگی۔ گاؤں آ کر اس نے زمینداروں کے خلاف تحریک شروع کی۔ کانگریس کا ممبر بن گیا۔ نعیم کے باپ کا انتقال ہوگیا تو وہ دو جوڑی بیل خرید کر کاشت کروانے لگا۔ کبھی کبھار دل بہلانے کے لیے دہلی چلا جاتا۔ روشن محل پرویز کی شادی میں گیا تو عذرا کی محبت بیدار ہوئی لیکن طبقاتی امتیاز حائل تھا۔ عذرا نے اپنی قوت ارادے کی بنا پر نعیم سے شادی کر لی۔ گاؤں کے باغ میں عذرا اور نعیم کی رہائش کے لیے عالی شان مکان بن گیا۔ گاؤں کی زمینداری کا کاروبار نعیم کے کندھوں پر آپڑا، گاؤں کے ماحول سے بیزار ہو کر عذرا شہر آجاتی تو نعیم زمینداری کے معاملات نپٹتا۔ جلیان والا باغ کا

حادثہ ہوا تو کانگریس کی انکوائری کمیٹی میں نعیم بھی شامل کیا گیا۔ نعیم کے ساتھ عذرا بھی گئی۔ وہاں سے واپسی کے بعد کسانوں کی زبوں حالی کا معائنہ کرنے کے لیے اس نے مختلف گاؤں کا دورہ کیا۔ نعیم کے گاؤں گاؤں گھومنے سے عذرا اوب گئی تھی۔ پرنس آف ویلز کی آمد پر عذرا نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ کانگریس نے بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا۔ نعیم نے گرفتاری دینے کا ارادہ کیا لیکن عذرا نے نعیم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ گرفتاری نہ دے کر پرنس کے خلاف مظاہرہ کریں گے۔ چنانچہ عذرا اور نعیم مظاہرہ کرنے کے لیے کلکتہ گئے۔ شہر میں مکمل ہڑتال تھی۔ پرنس کی سواری نکلی تو مظاہرین نے Tell your Mother, 'We ar unhappy" کے پوسٹر پروجکٹ کیے۔

دہلی سے نعیم کو جاٹ نگر میں جلسہ کرنے کی ہدایت ملی۔ اس جلسے میں نعیم گرفتار کر لیا گیا۔ نعیم کو جیل میں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ عدم تعاون کی تحریک کے سلسلے میں اس کے کافی دوست جیل میں گئے۔ سائمن کمیشن کی آمد پر لکھنؤ میں سخت مظاہرہ کیا گیا جس میں عذرا بھی شامل ہوئی۔ نعیم لکھنؤ میں ہی قید تھا۔ عذرا نعیم سے ملنے بھی گئی۔ روشن آغا کو خبر ملی تو وہ عذرا سے ناراض ہو گئے۔ نعیم کی رہائی کے بعد دوستوں نے اس کا استقبال کیا۔ عذرا دلی ریلوے اسٹیشن پر ملنے گئی جیل میں نعیم بہت کمزور ہو گیا تھا کچھ دن گھر رہ کر وہ تندرست ہو گیا۔ نعیم کا چھوٹا سوتیلا بھائی علی اب جوان ہو گیا تھا۔ نعیم کی زمین پر کاشت کر رہا تھا۔ نعیم نے اسے شہر لے جا کر کسی مل میں بھرتی کروادیا۔

مسلم لیگ مضبوط ہو رہی تھی۔ دوسری مسلم جماعتیں مسلم لیگ میں شامل ہو رہی تھیں۔ مسلم لیگیوں نے دو قومی نظریہ پیش کرنا شروع کر دیا۔ علی عائشہ سے شادی کر کے شہر میں رہنے لگا۔ کافی دن مل میں کام کرنے سے وہ بہت کمزور ہو گیا تھا اور شہری ماحول سے بیزار ہو کر گاؤں گیا لیکن نعیم نے اسے گاؤں سے بھگا دیا۔

نعیم دوبارہ جیل سے واپس آیا تو اس پر فالج کا اثر ہو گیا۔ عذرا بغرض علاج اسے دہلی لے گئی ڈاکٹر انصاری نے اس کا علاج کیا۔ ڈاکٹر انصاری مذہبی آدمی تھے۔ انھوں نے نعیم سے مذہب کے بارے میں تفصیلی بحث کی۔ مذہب کے بارے میں ڈاکٹر کا خیال تھا کہ:

> ''مذہب آج بھی ہماری مدد کر سکتا ہے۔ سائنس کی حیرت انگیز ترقی میں بھی مذہب اعلیٰ ترین قوت ہے۔'' (اداس نسلیں، ص650)

ڈاکٹر انصاری، عذرا، نعیم کے درمیان مذہب، تہذیب پر بحث ہوتی جس میں یہ خیال ظاہر کیے جاتے کہ مذہب کو ناجائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہیے، کسی تہذیب کی تشکیل مذہب کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ مذہب اور تہذیب کی یہ بحث اس وقت کے سیاسی ماحول سے رشتہ رکھتی ہے۔

مذہب کی بنیاد پر ملک تقسیم کرنے کی مانگ کی جارہی تھی۔فرقہ وارانہ فساد شروع ہو گئے تھے۔

اس ابتری کے عالم میں پرویز نے دہلی چھوڑ کر لاہور جانے کا فیصلہ کیا اور سب کو لے کر روانہ ہو گیا۔لیکن روشن آغا اپنا محل اس وقت تک نہ چھوڑ سکے جب تک کہ ان کے گھر پر حملہ نہ ہوا،اسی رات جس دن پرویز گھر سے نکلا تھا بلوائیوں نے روشن محل پر حملہ کر دیا۔روشن آغا اور ان کا خادم جو گھر میں موجود تھے پچھلے دروازے سے بھاگ لیے۔دہلی ایئر پورٹ پر پرویز مل گیا لیکن ہوائی جہاز جا چکا تھا۔یہ لوگ بذریعۂ ٹرین لاہور گئے۔

دہلی سے پچاس لوگوں کا قافلہ نکلا جس میں نعیم بھی شامل تھا۔اس قافلے کی تعداد بڑھتے بڑھتے ہزاروں انسانوں اور جانوروں پر مشتمل ہوگئی۔قافلے میں افواہوں کا بازار گرم تھا۔کبھی یہ افواہ پھیلتی کہ قافلے پر حملہ ہونے والا ہے تو کبھی یہ کہ حکومت کی جانب سے کھانے کا سامان اور کپڑا ملنے والا ہے۔اسی قافلے میں علی بھی تھا علی اور نعیم کی ملاقات ہوئی۔علی کے پاس بیل گاڑی تھی جس پر اس کی بیوی عائشہ تھی نعیم کو بھی اس نے اپنی گاڑی پر بٹھایا۔ہر پڑاؤ پر قافلے میں نئی جماعتیں شامل ہوتی رہیں لیکن پورے قافلے کی تعداد میں خاطر خواہ کمی ہوتی رہی کسی طرح بچ بچا کر علی امرتسر پہنچ گیا،اس کی بیوی راستے میں مرگئی اور نعیم غائب ہو گیا۔امرتسر سے علی بذریعے ٹرین لاہور پہنچ گیا۔لاہور اسٹیشن پر علی کی ملاقات بانو سے ہوئی۔بانو علی کو اپنے گھر لے آئی۔

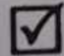
پرویز کو سکریٹریٹ میں نوکری مل گئی۔رہنے کے لیے راج منزل۔روشن آغا کے آخری دن تھے جانکنی کے عالم میں تھے۔وہ راج منزل کو روشن محل میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔پرویز نے جیسے ہی روشن آغا کو خبر دی کہ راج منزل کا نام بدل کر روشن محل کر دیا گیا روشن آغا کی سانس بند ہوگئی۔

کرداروں کی پہچان

- ناول اداس نسلیں کے مرکزی کردار نعیم (ہیرو) اور عذرا (ہیروئن) ہیں۔
- نعیم: نیاز بیگ کا لڑکا ہے جو کلکتہ میں تعلیم حاصل کرتا ہے اور جس کی شادی نواب روشن آغا کی لڑکی عذرا سے ہوتی ہے۔
- نعیم پاکستان جانے والے قافلے میں شامل ہوکر راستے میں گم ہو جاتا ہے جو اس پورے سیاسی ارتقا اور تہذیبی زوال میں گم شدہ نسل کی علامت ہے۔
- عذرا: روشن آغا کی بیٹی اور نعیم کی معشوقہ اور بیوی ہے۔
- علی: نعیم کا سوتیلا بھائی ہے جو نیاز بیگ کے خاندان کی آخری علامت ہے اور ہندوستان کی وہ

غیر تربیت یافتہ نسل ہے جو تقسیم ہند کے ہنگامے میں اپنے وجود کو بچا تو لیتا ہے لیکن اس نسل کے لیے ہندوستان اور پاکستان میں کوئی مقام نہیں۔

- عائشہ: علی کی بیوی ہے۔
- روشن آغا: پرویز اور عذرا کا باپ، مشرقی تہذیب کا امین اور روشن پور کا جاگیدار ہے جسے کمانڈر کرنل جانسن کی جان بچانے کے عوض جاگیر ملی تھی۔
- پرویز: روشن آغا کا بیٹا اور جاگیردار خاندان کا نمائندہ کردار ہے جو پاکستان جاکر اپنا مقام حاصل کرلیتا ہے۔
- ایاز بیگ: نعیم کا چچا ہے جو نعیم کی پرورش کرتا ہے اور اسے تعلیم کے لیے کلکتہ لے جاتا ہے۔
- نجمی: عذرا کی بہن، روشن آغا کی چھوٹی بیٹی، خالد کی محبوبہ، انٹر کی طالبہ اور مصور ہے جو آخر میں مسعود سے محبت اور شادی کرتی ہے۔
- خالد: نجمی کا عاشق ہے جس سے نجمی محبت کرتی ہے۔
- مسعود: جس سے نجمی کی شادی ہوتی ہے اور جس کا تعلق شہر کے متوسط طبقے سے ہے۔
- شیلا: دہشت گرد گروہ کی ایک اچھوت لڑکی ہے جس سے نعیم محبت کے بغیر جنسی اختلاط کرتا ہے اور جو نعیم کو دہشت گردوں کے گروہ سے نکالتی ہے۔
- نیاز بیگ: روشن آغا کا دوست، نعیم کا باپ اور روشن پور کا ایک کسان ہے جس کا تعلق مغلوں کی آخری نسل سے ہے۔
- مہندر سنگھ: روشن پور کا کسان ہے۔
- ڈاکٹر انصاری: جو دہلی میں نعیم کا علاج کرتا ہے۔
- انیس الرحمٰن: پارلیمنٹری سیکریٹری ہے۔
- مدن: ایک اچھوت ہے جس کی بہن شیلا ہے۔
- بانو: تقسیم ہند کے بعد شیلا پاکستان جاکر بانو بن جاتی ہے اور نعیم کے سوتیلے بھائی علی سے شادی کرتی ہے۔



انتظار حسین

- نام انتظار حسین تھا۔
- انتظار حسین کی۔ تاریخ پیدائش سے متعلق اختلاف ہے۔ خود انتظار حسین نے بھی اسے واضح نہیں کیا ہے پوچھے جانے پر۔
- انتظار حسین ڈبائی ضلع بلند شہر میں دسمبر 1923 کو پیدا ہوئے تھے۔
- انتظار حسین کا انتقال 2رفروری 2016 کو لاہور میں ہوا تھا۔
- انتظار حسین کے والد کا نام منذر علی تھا جو ایک مذہبی آدمی تھے۔
- انتظار حسین نے ابتدائی اور مذہبی تعلیم گھر پر حاصل کی تھی۔
- انتظار حسین نے بی اے 43-1942 میں اور ایم اے (اردو) 1946ء میں میرٹھ کالج سے کیا تھا۔
- کالج کے زمانے میں انتظار حسین کے استاد پروفیسر کرار حسین تھے۔
- انتظار حسین نے کالج کے زمانے میں محمد اقبال اور ن م راشد سے متاثر ہو کر شاعری شروع کی تھی لیکن صرف چند نظمیں لکھ کر شاعری ترک کر دی تھی۔
- انتظار حسین نے چند ماہ میرٹھ میں راسنگ ڈپارٹمنٹ میں ملازمت کی تھی۔
- انتظار حسین روزنامہ 'امروز' لاہور، روزنامہ آفاق لاہور، نوائے وقت اور روزنامہ 'مشرق' سے وابستہ رہے تھے۔
- انتظار حسین نے ادبی جریدہ 'خیال' لاہور جاری کیا تھا جس کے صرف تین شمارے نکلے۔
- انتظار حسین 'ادب لطیف' لاہور کے مدیر بھی رہے تھے۔
- انتظار حسین نے اسٹیج کے لیے سب سے پہلا ڈرامہ 'خوابوں کے مسافر' لکھا تھا۔
- انتظار حسین کا پہلا مطبوعہ افسانہ 'قیوما کی دکان' ہے جو ادب لطیف لاہور میں دسمبر 1948 میں شائع ہوا تھا۔

اعزازات وانعامات

- انتظار حسین کو ان کے ناول 'بستی' کے لیے آدم جی ادبی انعام دیا جا رہا تھا جسے انھوں نے وصول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔
- انتظار حسین کو فروغ اردو ادب (دوحہ قطر) ایوارڈ سے 1998ء میں نوازا گیا تھا۔
- انتظار حسین کو پرائیڈ آف پرفارمنس (حکومت پاکستان کے سول ایوارڈ) سے نوازا گیا۔

انتظار حسین کے کارنامے

افسانوی مجموعے

* گلی کوچے 1952ء (پہلا افسانوی مجموعہ، گیارہ افسانے)
* کنکری 1955ء (چودہ افسانے)
* آخری آدمی 1967ء (گیارہ افسانے)
* شہر افسوس 1972ء (سترہ افسانے)
* کچھوے 1981ء (سترہ افسانے)
* خیمے سے دور 1982ء (سترہ افسانے)

ناول اور ناولٹ

* چاند گہن 1953ء (ناول) * بستی 1980ء (ناول) * دن اور داستان 1959ء (ناولٹ)
* تذکرہ 1987ء (ناول) * آگے سمندر ہے 1996 (ناول)

دیگر کارنامے:

* علامتوں کا زوال (تنقید) خوابوں کا مسافر (اسٹیج ڈراما)
* نظر سے آگے (تنقید) * دلی تھا جس کا نام (تذکرہ) * زمین اور فلک (سفرنامہ)
* چراغوں کا دھواں خودنوشت * نئے شہر پرانی بستیاں (سفرنامہ)

کلیات:

* جنم کہانیاں (افسانے/کلیات) پہلی جلد
* قصہ کہانیاں (افسانے/کلیات) دوسری جلد

بستی

- 'بستی' انتظار حسین کا دوسرا ناول ہے جو پہلی مرتبہ ارتضیٰ کریم کے مطابق ادارہ ادبیات نو لاہور سے 1980 میں شائع ہوا تھا اور محمد عمر میمن کے مطابق 1979ء میں۔
- انتظار حسین نے بستی کا انتساب عسکری صاحب کے نام کیا ہے۔
- ناول 'بستی' کا ماحول پاکستان بلکہ لاہور کا ہے اور زمانہ سقوط ڈھاکہ سے کچھ ماہ قبل کا ہے۔
- ناول بستی کا خاص کردار تاریخ کا ایک نوجوان پروفیسر ہے جس کا نام ذاکر ہے۔ اس کا تعلق مشرقی یوپی کے ایک قصبہ روپ نگر سے ہے۔ 1947ء میں وہ نقل مکانی کر کے پاکستان چلا جاتا ہے۔

اس کی بچپن کی یادیں اور اس کی محبوبہ صابرہ سب اسی قصبے میں رہ جاتے ہیں۔ بھارت میں مسلمانوں کو درپیش خطرہ کے باوجود صابرہ پاکستان نہیں آتی ہے جب کہ اس کے قریبی عزیز مشرقی پاکستان منتقل ہو جاتے ہیں۔ صابرہ اور ذاکر دونوں نے ہی شادی نہیں کی ہوتی ہے۔ ذاکر صابرہ سے بہت محبت کرتا ہے لیکن اس میں بھارت آ کر صابرہ کو لے جانے کی ہمت نہیں ہے۔

- ناول کے آخر میں جب مشرقی پاکستان میں شکست کی خبر آتی ہے تو ذاکر اور عرفان کیفے شیراز میں بیٹھے ہوتے ہیں جو ان کا مرغوب ٹھکانہ ہے۔ اتنے میں سلامت اور اجمل داخل ہوتے ہیں۔ سلامت غصے میں اس شکست فاش کے لیے عرفان اور ذاکر کو ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ کیفے کے باہر جب اس بات پر جھگڑا طول پکڑتا ہے تو ذاکر عرفان سے کہتا ہے کہ سلامت کی بات اتنی غلط نہیں ہے۔ میں اس شکست کے لیے ذمہ دار ہوں۔ یہ بات عرفان کی سمجھ میں نہیں آتی تو ذاکر وضاحت کرتا ہے کہ شکست بھی ایک قسم کا اعتماد ہے۔ لیکن آج اس ملک میں ہر شخص دوسروں پر الزام تراشی کرنے اور خود کو بے گناہ ثابت کرنے میں مصروف ہے۔ کسی کو ذمہ داری بھی قبول کرنی چاہیے۔ میں نے خیال کیا کہ میں ہی یہ کام انجام دوں۔
- ناول بستی کے ذاکر انتظار حسین کو دیکھا جا سکتا ہے۔
- یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناول کے مرکزی کردار انتظار حسین خود ہی جو ذاکر کے روپ میں ہیں۔
- ناول بستی میں دو مختلف موقعوں پر بشارت کا ذکر ہوا ہے اور بشارت ہوئی ہے۔ ایک بشارت ناول کے شروع میں طاعون کے وبا کے دوران ذاکر کے گھرانے کی بزرگ خاتون بی اماں کو ہوتی ہے کہ امام کی سواری آتی ہے اور وبا ٹل جاتی ہے۔ دوسرے موقع پر ذاکر کے والد وفات کے قریب جناب امیر کی زیارت کرتے ہیں۔
- ناول بستی کا موضوع جلاوطنی ہے۔
- یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناول بستی کا موضوع ہجرت اور مشرقی پاکستان کا المیہ ہے۔
- ناول 'بستی' کو ایک طرح سے انتظار حسین کی آپ بیتی کہا جا سکتا ہے۔
- ناول 'بستی' کے بیشتر کردار شیراز ہوٹل (ٹی ہاؤس) سے تعلق رکھتے ہیں۔
- ناول 'بستی' کی خوبی اس کے طرز بیان میں مضمر ہے جس میں گھر، چائے خانہ، بازار، تاریخ، داستانیں اور اساطیر ایسے پیوست ہیں کہ ایک تصویر کو دوسرے سے الگ کرنا آسان نہیں۔
- ناول بستی میں تقابل کے لیے وہ سینمائی تکنیک استعمال کی گئی ہے جسے مونتاژ کہا جاتا ہے۔
- مونتاژ ایک خیال ہے جو الگ الگ بلکہ باہم متضاد Shots سے پیدا ہوتا ہے۔

کرداروں کی پہچان

ج ناول بستی کے اہم کردار ذاکر، صابرہ، افضال اور عرفان ہیں۔

ذاکر(ناول کا ہیرو): تاریخ کا پروفیسر اور روپ نگر کا رہنے والا ہے۔

صابرہ: روپ نگر کی رہنے والی اور ذاکر کی محبوبہ ہے جو ذاکر کے پاکستان چلے جانے کے بعد بھی انڈیا ہی میں بستی ہے پاکستان نہیں جاتی ہے۔

افضال: ڈاکٹر ہے جو پرانے شہروں کو یاد کرنے والا اور نئی بستی سے محبت کرنے والا ہے۔ یہ پرانی حویلی کی چابیاں سنبھال کر رکھتا ہے۔

عرفان: ذاکر، سلامت، افضال اور اجمل کا دوست ہے۔

سلامت: جو اپنی ولدیت پر شک کرتا ہے ذاکر کا دوست ہے۔

سریندر: ذاکر کا ہمزاد جو شیراز ہوٹل کا ہمہ وقت دانش ور ہے۔

بی اماں: ذاکر کی ماں۔

مولانا ناصر: ذاکر کا باپ

تسنیم: ذاکر کی محبوبہ

انیسہ: ذاکر کی محبوبہ

خواجہ صاحب: مولانا ناصر کا دوست

دیگر کردار: *اجمل *پیارے لال *جگدیش



الیاس احمد گدی

- نام محمد الیاس احمد تھا اور قلمی نام الیاس احمد گدی
- الیاس احمد گدی 24 اپریل 1934ء کو جھریا ضلع دھنباد کے محلہ گدی میں پیدا ہوئے تھے۔
- الیاس احمد گدی کا انتقال 27 جولائی 1997ء کو ہوا تھا۔
- الیاس احمد گدی کے والد کا نام احمد گدی تھا اور والدہ کا بتولن بی بی۔
- الیاس احمد گدی مشہور افسانہ نگار غیاث احمد گدی کے چھوٹے بھائی ہیں۔
- الیاس احمد گدی نے ابتدائی تعلیم اپنے محلے میں ہی حاصل کی تھی۔
- الیاس احمد گدی نے اپنی تحریروں میں بھوک کے مسئلے کو پوری شدت سے اٹھایا ہے۔

اعزاز

- الیاس احمد گدی کو 'فائر ایریا' پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے 1997ء میں نوازا گیا تھا۔

الیاس احمد گدی کے کارنامے

- الیاس احمد گدی کا پہلا افسانہ 'سرخ نوٹ' ہے جو ماہ نامہ 'افکار' بھوپال میں 1948ء میں شائع ہوا تھا۔
- الیاس احمد گدی کے دو افسانوی مجموعے ہیں۔
- آدمی (پہلا افسانوی مجموعہ) 1980ء (2) تھکا ہوا دن 1989ء
- الیاس احمد گدی کے تین ناول ہیں: (1) فائر ایریا 1994ء (2) زخم (3) مرہم

فائر ایریا

- 'فائر ایریا' الیاس احمد گدی کا ناول ہے جو پہلی بار گدی محلہ جھریا (بہار) سے 1994ء میں شائع ہوا تھا۔
- 'فائر ایریا' دوسری مرتبہ فضلی سنز، کراچی پاکستان سے 1999ء میں شائع ہوا تھا۔
- بقول شمیم حنفی فائر ایریا بنیادی طور پر ایک سیاسی ناول ہے۔ آگ اس ناول کا مرکزی استعارہ ہے۔
- 367 صفحات پر مشتمل 'فائر ایریا' کی کہانی کولیری کے محنت کشوں کی سسکتی، بلکتی زندگی پر مبنی ہے۔
- یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'فائر ایریا' کا موضوع کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کا استحصال۔ ان کی کسمپرسی، کول فیلڈ کی دنیا میں قتل و غارت گری، سود خوری، دھاندلی، ناانصافی اور عیاشی ہے۔

- 'فائر ایریا' کو چھوٹا ناگپور کی پتھریلی زندگی، سماج، معاشرت، تہذیب اور زبان کا لیکھا جوکھا کہا جاتا ہے۔
- 'فائر ایریا' کی کہانی گیا ضلع کے ایک گاؤں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام شہر دھنباد وجھریا پر ہوتا ہے۔
- 'فائر ایریا' جن شہروں کا ذکر ہوا ہے ان میں خاص طور سے آرہ، چھپرہ اور بلیا قابل ذکر ہیں۔
- ناول 'فائر ایریا' بیانیہ ہیئت میں ہے۔
- ناول 'فائر ایریا' میں فلیش بیک کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ خصوصاً کرداروں کے ماضی کا تعارف پیش کرنے اور ان کی داخلی کشمکش کو ظاہر کرنے کے لیے شعور کی رو کا کامیاب تجربہ کیا گیا ہے۔
- الیاس احمد گدی نے ناول 'فائر ایریا' کے آغاز میں ایک 'ابتدائیہ' لکھ کر کول فیلڈ کی دنیا میں لے جانے سے پہلے قاری کی بالکل اسی انداز میں ذہن سازی کی ہے جس طرح بیدی نے 'ایک چادر میلی سی' ناولٹ میں اصل ناولٹ سے پہلے کبوتر اور کبوتری' کی کہانی پیش کر کے ناول پڑھنے کے لیے قاری کے ذہن کو تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔
- ناول 'فائر ایریا' تین ابواب یا حصوں پر مشتمل ہے۔
- ناول 'فائر ایریا' کا پہلا حصہ الیاس احمد گدی نے اس پر ختم کیا ہے:

''بوند بوند............قطرہ قطرہ

بوند بوند............قطرہ قطرہ

اور آگ دھیرے دھیرے بجھتی جا رہی ہے۔

- ناول 'فائر ایریا' کا دوسرا حصہ الیاس احمد گدی نے ان لفظوں کے ساتھ ختم کیا ہے:

''دوسرے دن کے اخباروں کی ہیڈ لائن نیوز یہی ہے:

اندرا گاندھی کا ایک اور اہم اقدام

ہندوستان بھر کی ساری کولیریوں کو قومیا لیا گیا۔''

فائر ایریا کی کہانی

اس ناول کا مرکزی کردار سہدیو پرساد رمانی، جو ست گانواں ضلع گیا کا رہنے والا ہے۔ وہ گاؤں چھوڑ کر ننکو کے ساتھ کولیری میں کام کرنے کے لیے جاتا ہے۔ راستے میں جگیشر دوسادھ اور رحمت میاں بھی مل جاتے ہیں اور ان کا چھوٹا سا کارواں بن جاتا ہے جو کولیری میں پہنچتا ہے۔ ننکو کی سفارش سے سہدیو کو کام مل جاتا ہے۔ کسی نہ کسی طرح رحمت میاں اور جگیشر بھی کام پر لگ جاتے ہیں۔ ان چاروں میں سہدیو کی

صرف دسویں کلاس پاس ہوتا ہے اور باقی سب کے سب انگوٹھا چھاپ ہوتے ہیں۔

سہدیو سادہ لوح اور دردمند انسان ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس سے بعض ایسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جو کولیری کے ماحول سے میل نہیں کھاتیں۔ ایک دن وہ کالا چند کو کپل سنگھ سے بچاتا ہے جس کی وجہ سے کپل سنگھ سہدیو کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی حرکتیں ننکو کو اچھی نہیں لگتیں کیوں کہ وہ سہدیو کو کسی مصیبت میں مبتلا دیکھنا نہیں چاہتا اس لیے کہ وہ اسے اپنی ذمہ داری پر گاؤں سے لایا ہوتا ہے۔ آگے چل کر سہدیو کی دوستی مجمدار سے ہوتی ہے جو کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ہے۔

سہدیو کو کولیری سے چھٹی لے کر گاؤں جاتا ہے پھر جب ایک ماہ چھٹی گزار کر واپس آتا ہے تو اسے خبر ملتی ہے کہ رحمت میاں کولیری سے غائب ہو گیا اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ حالاں کہ رحمت میاں ایک حادثے میں مارا جاتا ہے اور اس کی لاش کو غائب کر کے اسے ڈیوٹی سے غیر حاضر دکھا دیا جاتا ہے تاکہ معاوضے کی رقم تک ہضم کر لی جائے۔ سہدیو کو یہ جان کر دلی صدمہ ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہنگامہ کھڑا ہو، مرے مردے کو پھر سے اکھاڑا جائے تاکہ رحمت کی بیوی ختونیا اور اس کے بچے عرفان کو معاوضہ مل سکے۔ لیکن ثبوت کی عدم فراہمی کی وجہ سے اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح سہدیو پھول منیا کو جسمانی استحصال سے بچاتا ہے۔

ادھر جب ختونیا کا سب کچھ لٹ جاتا ہے اور رحمت میاں کی نہ تو لاش مل پاتی ہے اور نہ موت کی اطلاع اور اس کا بوڑھا سسر بھی مر جاتا ہے تو وہ بھی اپنا گھر اور اپنا گاؤں چھوڑ کر اپنے معصوم بچے عرفان کے ساتھ 'کولیری' آجاتی ہے۔ یہاں سہدیو اور اس کی برہمن بیوی اس کا ساتھ دیتے ہیں اور 'کوئلہ چن' کر گزر بسر کرتی ہے۔

سہدیو رحمت میاں کے موت کے بعد سرسا کولیری کو چھوڑ کر ایک انگریزی کمپنی ٹرنر موریسن کی موہنا کولیری میں نوکری کرتا ہے۔ رحمت کے بعد لاردیپ نارائن اور مجمدار کا بھی قتل ہوتا ہے۔ سہدیو بیمار پڑ جاتا ہے جسے ختونیا سہارا دیتی ہے۔ آخر میں سہدیو کولیری کی دنیا سے اور اس کی اصلاح سے بیزار ہو جاتا ہے۔

کرداروں کی پہچان

* ناول 'فائر ایریا' کے اہم کردار سہدیو، مجمدار اور ختونیا (خاتون) ہیں۔
* **سہدیو:** ناول کا ہیرو ہے جس کے گرد کہانی کے مختلف واقعات گردش کرتے ہیں۔
* **مجمدار:** سہدیو کا دوست اور کمیونسٹ نظریہ کا حامل ہے۔
* **جگیشر دوسادھ:** کولیری مس سہدیو کے ساتھ کام کرنے والا۔

* ننکو: جس کی وجہ سے سہدیو کو کولیری میں کام ملتا ہے۔
* رحمت میاں: رسول پور کا باشندہ اور سہدیو کا کولیری کا ساتھی ہے، جس کی کولیری میں موت ہو جاتی ہے۔
* ختونیا (خاتون): سہدیو کے بعد ناول کی سب سے متحرک کردار ہے۔ رحمت میاں کی بیوی ہے۔
* عرفان: رحمت اور ختونیا کا بیٹا ہے۔
* برتی بالا: ایک برہمن بیوہ اور سہدیو کی بیوی ہے جسے مجمدار اپنے یہاں بہن بنا کر لایا ہوتا ہے۔
* کالا چند: جسے سہدیو کپل سنگھ سے بچاتا ہے۔
* کپل سنگھ: جس کے پیسے کالا چند نے ادھار لیے تھے۔
* لاردیپ نارائن: کولیری کا ایک ورکر ہے جسے کسی پی این ورما کے ایما پر قتل کر دیا جاتا ہے۔
* پی این ورما: مشہور یونین لیڈر ہے۔
* بھاردواج: جس کے توسط سے آخر میں سہدیو کو نوکری ملتی ہے۔
* رانی: کالا چند کی بہن

c دیگر کردار: * وہائٹ صاحب * جوالا مصر * جعفری * جے سنگھ * انعام الخان * پھول متی * کلیا مہتائن * دھرپ سنگھ * منیجر جھجھر * حاضری بابو * جلیشر سنگھ



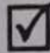
افسانے کا فن

- افسانے کے لغوی معنی جھوٹی بات، سرگزشت، قصہ، کہانی، داستان وغیرہ کے ہیں۔
- ایڈگر ایلن پو کے مطابق "افسانہ ایک ایسی بیانیہ صنف نثر ہے جو اتنی مختصر ہو کہ ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے، جسے قاری کو متاثر کرنے کے لیے لکھا گیا ہو اور جس سے وہ تمام غیر ضروری اجزا نکال دیے گئے ہوں جو تاثر کو قائم رکھنے میں معاون نہ ہوں۔ اس میں "وحدتِ تاثر" اور "کلیت" ہو۔
- منٹو کے مطابق "ایک تاثر خواہ وہ کسی کا ہو، اپنے اوپر مسلط کر کے اس انداز سے بیان کرنا کہ وہ سننے والے پر وہی اثر پیدا کرے یہ افسانہ ہے"۔
- ڈاکٹر مسیح الزماں کے مطابق "افسانہ زندگی کی تفسیر ہے۔ اس میں زندگی کا ایسا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس پر حقیقت کا دھوکہ ہو سکے۔ وہ زندگی کی تعبیر بھی ہے اور تصویر بھی اور اسی کے ساتھ اس میں مصنف کا ایک نقطۂ نظر بھی ہونا ضروری ہے"۔

افسانے کے اجزائے ترکیبی

(1) پلاٹ (2) کردار (3) نقطۂ نظر (4) ماحول اور فضا (5) اسلوب (6) آغاز و اختتام (7) وحدت تاثر

- افسانہ کی نمایاں اور اہم خصوصیت وحدت تاثر ہے۔
- افسانے میں پلاٹ کی حیثیت جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے۔ تمام تر کہانی اس پر منحصر ہوتی ہے۔
- وقار عظیم کے مطابق پلاٹ واقعات یا تاثرات کو فنی ترتیب دیتا ہے۔



اردو میں افسانہ نگاری کا آغاز وارتقا

- اردو افسانے کے ابتدائی نقوش داستانوں میں نظر آتے ہیں۔
- احتشام حسین کے مطابق اردو افسانے کے موجد پریم چند ہیں۔
- وقار عظیم اور قمر رئیس کے مطابق اردو کا پہلا افسانہ پریم چند کا "دنیا کا سب سے انمول رتن" 1907ء ہے۔

ہے۔ ڈاکٹر محمد صادق کے مطابق اردو کا پہلا افسانہ سرسید کا ''گزرا ہوا زمانہ'' ہے۔

- فرمان فتح پوری کے مطابق اردو کا پہلا افسانہ سجاد حیدر یلدرم کا ''نشہ کی پہلی ترنگ'' 1900ء ہے۔
- مرزا حامد بیگ کے مطابق اردو کا پہلا طبع زاد افسانہ راشد الخیری کا ''نصیر اور خدیجہ'' 1903ء ہے۔

پریم چند کے عہد میں اردو افسانہ

* پریم چند: دنیا کا سب سے انمول رتن، کفن، عید گاہ، پنچایت، نجات، بوڑھی کاکی، پوس کی رات، ٹھاکر کا کنواں، طلوع محبت، دو بیل، ہیجان بھگت
* راشد الخیری: ترانہ تنویر، مظلوم بیوی کا پاک جذبہ، محروم وراثت، ولایتی ننھی، ویڈیا کی سرگذشت
* پنڈت سدرشن: مصور، شاعر، باپ، گورو منتر، دوسروں کی طرف دیکھ کر، ایک نامکمل کہانی
* علی عباس حسینی: انسپکٹر کی عید، باسی پھول، آئی۔سی۔ایس، کڑوا گھونٹ، رفیق تنہائی، میلہ گھومنی، مقابلہ، پاگل، انتقام، کنجی، ہار جیت، نور و نار
* اعظم کریوی: انصاف، لاج، ہیرو، دکھیا، مایا، پگلی، بگلا بھگت، گناہ کی گھڑی، ایڈیٹر، کول
* سلطان حیدر جوش: مساوات، مادر زاد، پھر بھی عمر قید، عالم ارواح
* سجاد حیدر یلدرم: محبت ناجنس، ہندوستان کی رقاصہ، عورت کا انتقام، داماد کا انتخاب، ازدواج محبت،
* مجنوں گورکھپوری: شکست کے بعد، بیگانہ، خواب و خیال، تم میرے ہو، من ور چہ خیالم و فلک در چہ خیال، محبت کی قربانیاں، شکست بے صدا، محبت، محبت کا مزار، بڑھاپا، کلثوم، مدفن تمنا، سالگرہ، مرجھائے ہوئے پھول
* نیاز فتح پوری: نگارستان، جمالستان، نقاب اٹھ جانے کے بعد، حسن کی عیاریاں، مختارات نیاز، قطرۂ گوہر، زائر محبت، کیوپڈ اور سائیکی، حمرا کا گلاب
* حجاب امتیاز علی: میری ناتمام محبت
* لطیف الدین احمد:......

ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ

* انگارے کے مصنفین: (1) سجاد ظہیر (نیند نہیں آتی، جنت کی بشارت، گرمیوں کی رات، دلاری، پھر یہ ہنگامہ (2) رشید جہاں (دلی کی سیر (3) محمود الظفر (4) احمد علی
* عزیز احمد: باغباں، تصور شیخ، مدن سیناں اور صدیاں، رقص ناتمام، آب حیات، بیکار دن بیکار راتیں، پاپوش
* غلام عباس: اس کی بیوی، انندی، اوورکوٹ، سایہ، کن رس، فینسی ہیر کٹنگ سیلون

* کرشن چندر: ان داتا، کالو بھنگی، مہالکشمی کا پل، غالیچہ، گدھا، آدھے گھنٹے کا خدا
* راجندر سنگھ بیدی: لاجونتی، اپنے دکھ مجھے دے دو، گرم کوٹ، صرف ایک سگریٹ، ایک باپ بکاؤ ہے، جوگیا، یوکلپٹس، ٹرمینس سے پرے، ببل، چشمہ بددور، گرہن، لمبی لڑکی
* سعادت حسن منٹو: ہتک، نیا قانون، ٹھنڈا گوشت، ٹوبہ ٹیک سنگھ، موذیل، پھندنے، بابو گوپی ناتھ
* عصمت چغتائی: ننھی کی نانی، چوتھی کا جوڑا، چھوئی موئی، لحاف
* حیات اللہ انصاری: آخری کوشش، بھرے بازار میں، انوکھی مصیبت، پرواز، ڈھائی سیر آٹا، کمزور پودا، ادایا قضا، شکستہ کنگورے، خلوص، موزوں کا کارخانہ، بہت ہی باعزت
* احمد ندیم قاسمی: چوپال، بابا نور، بین، سناٹا، بازار حیات، نیلا پتھر، تسکین، پرمیشر سنگھ، میں انسان ہوں، ہیروشیما سے پہلے ہیروشیما کے بعد، نمک حلال، کفارہ
* اپندر ناتھ اشک: کڑاں کا تیلی، بیگن کا پودا، کھلونے
* اختر اورینوی: اندھی نگری، بوڑھی ماما، یہ دنیا، پس منظر، شکور دادا، پناہ گزیں، کلیاں اور کانٹے
* دیوندر ستیارتھی: گٹاری کے انڈے، جگنو ہی جگنو، پرانے پل، اگلا پڑاؤ، کانگڑی، دوراہا، نئے دھان سے پہلے
* خواجہ احمد عباس: ابابیل، ایک پائلی چاول
* خدیجہ مستور: مکھی، لالۂ صحرائی، دادا
* سہیل عظیم آبادی: الاؤ

جدیدیت اور اردو افسانہ

* قرۃ العین حیدر: حسب نسب، آئینہ فروش، شہر کوراں، فوٹوگرافر، روشنی کی رفتار، یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے، ڈالن والا، جلاوطن
* انتظار حسین: آخری آدمی، زرد کتا، ایک بن لکھی رزمیہ، خالی پنجرہ، کچھوے، شہر افسوس، ایک خط ہندوستان سے
* بلراج مین را: ماچس، وہ، ریپ، ایک مہمل کہانی، آخری کمپوزیشن
* سریندر پرکاش: بابا لوگ، پرندہ پکڑنے والی گاڑی، پیاسی چڑیا، دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم، جنت، ساحل، پرلیٹی ہوئی عورت
* انور سجاد: یوریکا، بچھو، غار، کلفش، کونپل

* احمد ہمیش: گبرو الا، چھپکلی بے دیوار، بے زمینی
* اقبال متین * غیاث احمد گدی * خالدہ حسین * احمد حسین * جمیلہ ہاشمی * اکرام اللہ * انور عظیم، رشید امجد * آغا بابر * مظہر الاسلام * دیوندر اسر

عصر حاضر اور اردو افسانہ

* مشرف عالم ذوقی: مجھے موسم بننے سے روکو، مت روسا لگ رام، احمد آباد 302 میل
* قاضی عبدالستار: پیتل کا گھنٹا
* سلام بن رزاق: انجام کار
* نیر مسعود: طاؤس چمن کی مینا
* شوکت حیات: گھونسلا
* انور خان: اپنائیت
* عبدالصمد: شہر بند
* سید محمد اشرف: ڈار سے بچھڑے
* انور قمر: کابلی والا کی واپسی
* بیگ احساس: حنظل
* مظہر الزماں خان: پہلے دن کی تلاش
* طارق چھتاری: نیم پلیٹ
* خالد جاوید: پیٹ کی طرف مرے ہوئے گھٹنے، عکس نا آفریدہ، کوبڑ، روح میں دانت کا درد
* غضنفر: خالد کا ختنہ، کڑوا تیل
* معین الدین جینابڑے: تعبیر
* ترنم ریاض: میرا پیا گھر آیا، یہ تنگ زمین، متاع گم گشتہ

اردو کے اہم افسانہ نگار اور ان کے افسانے

پریم چند کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

واردات

- واردات پریم چند کا آخری افسانوی مجموعہ ہے جو فروری 1938 میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔
- واردات میں کل تیرہ (13) افسانے شامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) شکوہ شکایت (اشاعت اپریل 1932)

- کردار: * بابو صاحب * منو * مہتر * گھورے * بانگڑو

(2) معصوم بچہ

- کردار: * گنگو * میکو * گومتی دیو * ہنگن

(3) بدنصیب کی ماں

- کردار: * پنڈت اجودھیا ناتھ * پھول متی * کامتا ناتھ * اُما ناتھ * سیتا ناتھ * دیا ناتھ * کمد * مہری * کہارن * مراری لال * دین دیال * منو

(4) شانتی

- کردار: * دیو ناتھ * گوپا * مداری لال * سنیتا (سنی) * کیدار ناتھ

(5) روشنی

- افسانہ روشنی میں راوی ہی مرکزی کردار ہے جو آئی۔ سی۔ ایس بن کر ہندوستان آیا ہوا ہے۔

(6) مالکن

- کردار: * شیوداس * برجو * متھرا * رام پیاری * دلاری * چھیا * منی (بھینس) * جوکھر * جانکی

(7) نئی بیوی

- کردار: * لیلا * لالہ ڈنگا مل * آشا دیوی * جگل * پنڈت بھولا ناتھ * لالہ بھاگ مل * وید جی * نیم جی * بوڑھا مہراج

(8) **گلی ڈنڈا**

- کردار: * موہن * درگا * گیا * مانا

(9) **سوانگ**

- کردار: * گنجینہ سنگھ * شیام دلاری * صوبیدار صاحب چنو * منو * بھوپندر سنگھ * زیندر سنگھ

(10) **انصاف کی پولیس**

- کردار: * سیٹھ نانک چند * کبیر * داروغہ جی * خان صاحب * سیتہ نارائن

(11) **غم نداری بز بخر**

- کردار: * چڈھا صاحب * دیوی جی * پنڈت جی * گڈریے
- غم نداری بز بخر میں درج اشعار:

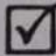
رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گاے بنائی
تازہ دودھ پلایا اس نے
لطف حیات چکھایا اس نے
دودھ میں بھیگی روٹی میری
اس کے کرم نے بخشی سیری
خدا کی رحمت کی ہے مورت
کیسی بھولی بھالی صورت

(12) **مفت کرم داشتن**

- کردار: * بلدیو سنگھ * محمد خلیل * رام

(13) **قاتل کی ماں**

- کردار: * رامیشوری * ونود
- نوٹ: کہا جاتا ہے کہ واردات میں شامل تیرہواں افسانہ پریم چند کا نہیں ہے بلکہ ان کی اہلیہ شیورانی دیوی کا تحریر کردہ ہے اور 1936 میں شیورانی دیوی کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے۔



سعادت حسن منٹو

(11 مئی 1912ء۔18 جنوری 1955ء)

- نام سعادت حسن تھا اور قلمی نام منٹو (اصل نام سعات حسن سے لکھنے کی ابتدا کی بعد میں منٹو ہی اصل نام ہوگیا)
- منٹو اسکول کالج اور اپنے محلے میں ٹامی کے نام سے مشہور تھے۔
- منٹو کے فرضی نام مفکر، کامریڈ، آدم، وٹنم (وٹنم کے حروف الٹ دینے سے منٹو ہو جاتا ہے) اور خواجہ ظہیر الدین تھے۔
- منٹو 11 مئی 1912ء کو سمبرالہ ضلع لدھیانہ پنجاب میں پیدا ہوئے تھے۔
- منٹو کا انتقال 43 سال کی عمر میں بہ عارضۂ تپ دق 18 جنوری 1955ء کو لاہور میں ہوا تھا اور میانی صاحب لاہور میں دفن کیے گئے تھے۔
- منٹو محض 42 سال 8 ماہ اور 4 دن جئے تھے۔
- کسی نے ''بڑا نامور افسانہ نگار تھا'' سے تاریخ وفات نکالی ہے۔

1347ھ

- سعادت حسن کا تعلق کشمیر کی مَنٹُو ذات سے ہے۔
- منٹو کے والد کا نام خواجہ غلام حسن تھا، والدہ کا سردار بیگم اور دادا کا خواجہ جمال الدین۔
- منٹو کے جداعلیٰ خواجہ رحمت اللہ کاروبار کے سلسلے میں انیسویں صدی کے اوائل میں کشمیر سے ترک وطن کر کے پنجاب چلے آئے تھے۔
- منٹو ایم۔اے۔او مڈل اسکول امرتسر میں چوتھی جماعت میں داخل ہوئے تھے۔
- منٹو دسویں کے امتحان میں تین بار فیل ہوئے تھے۔ چوتھی کوشش میں مسلم ہائی اسکول امرتسر سے 1931 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا (حیرت کی بات ہے کہ وہ برابر اردو کے مضمون میں ہی فیل ہوئے)
- منٹو ایم اے او کالج امرتسر کے طالب علمی کے زمانے میں کالج میگزین 'ہلال' کے مدیر مقرر ہوئے تھے۔
- منٹو نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں 1935 میں داخلہ لیا تھا مگر تعلیم جاری نہ رکھ سکے تھے۔

منٹو کے اساتذہ: خواجہ محمد عمر جان، فیض احمد فیض، صاحب زادہ، محمود الظفر۔

- منٹو کی شادی 26 اپریل 1929 کو صفیہ بیگم بنت خواجہ قمر الدین سے ہوئی تھی۔
- منٹو کے چار اولاد تھیں ایک بیٹا عارف اور تین بیٹیاں، نکہت، نزہت، نصرت
- منٹو کے ادبی رہنما 'باری علیگ' ہیں جیسا کہ خود منٹو نے کہا ہے کہ" آج کل میں جو کچھ ہوں اس کے بنانے میں سب سے پہلا ہاتھ باری صاحب کا ہے۔ اگر امرتسر میں ان سے ملاقات نہ ہوتی اور متواتر تین مہینے میں نے ان کی صحبت میں نہ گزارے ہوتے تو یقیناً میں کسی اور ہی راستے پر گامزن ہوتا۔"
- منٹو کی پہلی تحریر باری صاحب کی ہی زیر ادارت شائع ہونے والے اخبار 'مساوات' میں شائع ہوئی تھی اور منٹو نے اپنے ادبی سفر کا آغاز اسی روزنامہ میں کالم نگاری سے کیا تھا۔
- منٹو نے اپنا اوّلین افسانہ 'تماشا' کے عنوان سے لکھا تھا جو باری علیگ کی ادارت میں شائع ہونے والے ہفت روزہ 'خلق' امرتسر کے پہلے شمارے (اگست 1934) میں شائع ہوا تھا بعد میں اسے منٹو نے اپنے پہلے افسانوی مجموعے میں شامل کیا۔
- منٹو کو دو بار پاگل خانے میں داخل ہونا پڑا تھا۔
- منٹو جنوری 1948 میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔
- منٹو کا افسانہ 'ترقی پسند' ایک طنزیہ افسانہ ہے جو منٹو کے ابتدائی افسانوں میں شامل ہے اور جو پہلی دفعہ علی گڑھ میگزین میں شائع ہوا تھا۔
- منٹو کا افسانہ 'بدتمیز' بھی ایک طنزیہ افسانہ ہے جس میں ترقی پسندوں کی ذاتی کمزوریوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

منٹو کے اقوال

- مجھے ہمیشہ آج سے غرض رہی ہے گزرے ہوئے کل یا آنے والے کل کے متعلق، میں نے کبھی نہیں سوچا جو ہونا تھا ہو گیا جو ہونے والا ہے ہو جائے گا۔
- ہاں ایسی کہانی لکھنے کا فائدہ ہی کیا ہے فادر جیسے چھوٹتے ہی ہر نتھو خیرو سمجھ جائے۔
- میں عشق کے بارے میں سوچتا ہوں تو صرف شہوانیت ہی نظر آتی ہے۔ عورت کو شہوانیت سے الگ کر کے دیکھتا ہوں تو پتھر کی مورت رہ جاتی ہے۔
- دنیا کی جتنی لعنتیں ہیں بھوک اس کی ماں ہے۔ یہ بھوک گداگری سکھاتی ہے، جرائم کی ترغیب دیتی ہے، عصمت فروشی پر مجبور کرتی ہے۔

- چکی پیسنے والی عورت جو دن بھر کام کرتی ہے اور رات کو اطمینان سے سو جاتی ہے، میرے افسانوں کی ہیروئن نہیں ہو سکتی۔ میری ہیروئن چکلے کی ایک رنڈی ہو سکتی ہے جو رات کو جاگتی ہے اور دن کو سونے میں کبھی کبھی یہ ڈراؤنا خواب دیکھ کر اٹھ بیٹھتی ہے کہ بڑھاپا اس کے دروازے پر دستک دینے آیا ہے۔
- میں غلاظت کو چھپاتا نہیں بلکہ اسے صاف کرتا ہوں۔
- زمانے کے جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اگر آپ اس سے ناواقف ہیں تو میرے افسانے پڑھیے۔ اگر آپ ان افسانوں کو برداشت نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ ناقابل برداشت ہے۔
- اگر ویشیہ کا ذکر فحش ہے تو اس کا وجود بھی فحش ہے۔ اگر اس کا ذکر ممنوع ہے تو اس کا پیشہ بھی ممنوع ہونا چاہیے۔ ویشیہ کے پیشے کو مٹائیے اس کا وجود خود بخود مٹ جائے گا۔
- جو چیز ہے اس کو من وعن کیوں نہیں پیش کیا جائے۔ ٹاٹ کو اطلس کیوں بنایا جائے۔ غلاظت کے ڈھیر کو عود وعنبر کے انبار میں کیوں تبدیل کیا جائے۔ حقیقت سے انحراف کیا ہمیں بہتر انسان بننے میں ممد و معاون ہو سکتا ہے؟

منٹو کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- شہزاد منظر نے منٹو کو غیر شعوری ترقی پسند اور کرشن چند کو شعوری ترقی پسند قرار دیا ہے۔
- محمد حسن عسکری نے منٹو کو موضوع اور ہیئت کا پیشہ ور کہا ہے۔
- منٹو کو شہید جنس کہا گیا ہے۔
- جنس نے سعادت حسن منٹو کے یہاں مذہب کی جگہ لے لی ہے۔ (عزیز احمد)
- محمد حسن نے منٹو کو اردو کا برناڈ شا کہا ہے۔
- ممتاز قریشی کے مطابق منٹو ایک فطری فن کار ہیں۔
- منٹو خدا تیرے قلم میں اور زہر بھر دے۔ (کرشن چند)

منٹو کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

ٹھنڈا گوشت

- 'ٹھنڈا گوشت' سعادت حسن منٹو کا افسانوی مجموعہ ہے جو 1950ء میں شائع ہوا تھا۔
- 'ٹھنڈا گوشت' قیام پاکستان کے بعد منٹو کا پہلا افسانہ تھا جس پر فحاشی کے الزام میں منٹو کے خلاف مقدمہ درج ہوا تھا۔

- افسانوی مجموعہ 'ٹھنڈا گوشت' کے شروع میں 'زحمت مہر درخشاں' کے عنوان سے اسی مقدمے کی روداد ہے۔اس روداد کا عنوان منٹو نے غالب کے اس شعر سے لیا ہے:

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہرِ درخشاں پر میں ہوں وہ قطرۂ شبنم جو ہو خار بیاباں پر

- منٹو نے افسانوی مجموعے 'ٹھنڈا گوشت' کا انتساب افسانہ 'ٹھنڈا گوشت' کے ایک کردار ایشر سنگھ کے نام ان لفظوں میں کیا ہے:

ایشر سنگھ کے نام جو حیوان بن کر بھی انسانیت نہ کھو سکا

- افسانوی مجموعہ 'ٹھنڈا گوشت' میں نو (9) افسانے شامل ہیں۔

(1) ٹھنڈا گوشت
- کردار: * ایشر سنگھ * کلونت کور * سردار نہال سنگھ

(2) گولی (1950ء)
- کردار: * شفقت * عائشہ * طلعت * نگہت * عزیز

(3) رحمتِ خداوندی کے پھول (1950ء)
- کردار: * ڈاکٹر راتھر * غلام رسول (ڈاکٹر راتھر) * مولوی صباح الدین * نسیمہ * سید رمضان علی شاہ

(4) ساڑھے تین آنے (1950ء)
- کردار: * رضوی * نصیر * صدیق رضوی * منٹو صاحب * کریم (درزی) * جرجی * سنتری

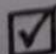
(5) پیرن
- کردار: * برج موہن * منٹو * پیرن * سیٹھ نیاز علی * سیٹھ نانو بھائی

(6) خورشٹ
- کردار: * مسٹر کھیش والا * خورشید (خورشٹ) * سردار زورآور سنگھ * منٹو صاحب

(7) باسط
- کردار: * باسط * سعیدہ

(8) شاردا
- کردار: * نذیر * کریم * شکنتلا * شاردا * منی * راجہ دشینت (شکنتلا کا عاشق)

(9) کالی شلوار
- کردار: * طمنچہ جان * خدابخش * سلطانہ * شنکر



کرشن چندر

(نومبر1914-1977ء)

- نام کرشن چندر تھا۔
- کرشن چندر وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں نومبر 1914 میں پیدا ہوئے۔
- کرشن چندر کا انتقال بمبئی میں 1977ء میں ہوا تھا۔
- کرشن چندر کے والد کا نام گوری شنکر تھا جو ڈاکٹر تھے اور والدہ کا امر دیوی
- کرشن چندر کا بچپن کشمیر میں گزرا تھا اور تعلیم لاہور میں پائی تھی۔
- ہائی اسکول میں کرشن چندر کو شاعری کا شوق ہوا تو اپنے استاد دینا ناتھ شوق کو اپنی شاعری دکھائی اس پر استاد نے نہ صرف بری طرح مذاق اڑایا بلکہ سخت سست بھی کہا۔
- کرشن چندر نے بی اے 1932 میں ایم اے انگریزی ادب میں 1934 میں سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا تھا۔
- کرشن چندر نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایل ایل بی 1937 میں پاس کیا تھا۔
- کرشن چندر نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز طنزیہ ومزاحیہ مضمون 'پروفیسر ماسٹر بلیکی' سے کیا تھا جو انھوں نے گلزاری لال نندہ کے والد بلاقی رام نندہ کے بارے میں لکھا تھا جو فارسی پڑھاتے تھے۔
- کرشن چندر کالج کے زمانہ میں یرقان کے شکار ہوئے تھے اور صحت مند ہونے کے بعد اپنا پہلا افسانہ یرقان لکھا تھا۔
- کرشن چندر نے پروفیسر سنگھ سکھوں کے ساتھ مل کر انگریزی کا ایک پرچہ The Northern Review جاری کیا تھا۔
- کرشن چندر نے فریدہ نامی ایک انگریزی خاتون کے اشتراک سے انگریزی ماہنامہ 'دی ماڈرن گرل' شائع کیا تھا۔
- کرشن چندر کی ملاقات مولانا صلاح الدین احمد، مرزا ادیب، میراجی، احمد ندیم قاسمی، عاشق حسین بٹالوی، دیویندر ستیارتھی، ممتاز مفتی، فیاض محمود، اور چودھری نذیر احمد سے لاہور میں ہوئی تھی۔
- کرشن چندر آل انڈیا ریڈیو لاہور میں پروگرام اسسٹنٹ 1937 میں مقرر ہوئے تھے۔
- کرشن چندر کی ملاقات سعادت حسن منٹو، ن م راشد، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، فیض احمد فیض، ریوتی

سرن شرما، جگن ناتھ آزاد، چراغ حسن حسرت اور ہنس راج سے دہلی میں ہوئی تھی۔

- دہلی ہی میں کرشن چندر کے مراسم شاہد احمد دہلوی مدیر 'ساقی' سے ہوئے اور کرشن چندر کا پہلا ناول 'ساقی' وہاں سے 1944 میں شائع ہوا۔
- کرشن چندر کی ملاقات فراق گورکھپوری، احتشام حسین، مجاز، سبط حسن اور حیات اللہ انصاری سے لکھنؤ میں ہوئی تھی۔
- کرشن چندر کو ڈبلو زیڈ احمد نے پونا 1942 میں بلایا تھا۔
- کرشن چندر بمبئی 1944 میں دیویکا رانی کے بلاوے پر گئے تھے۔
- کرشن چندر نے حیدر آباد میں منعقد شدہ کل ہند ترقی پسند مصنّفین کانفرنس کی روداد کے طور پر ایک یادگار رپورتاژ 'پودے' 1945 میں لکھا تھا۔
- کرشن چندر نے تقسیم ہند کے موضوع پر افسانہ 'ہم وحشی ہیں' 1947 میں لکھا تھا۔
- کرشن چندر نے اپنی ماں کی پسند سے شریمتی ودیاوتی سے شادی 1939 میں کی تھی جن سے تین بچے تھے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں۔
- کرشن چندر کی ملاقات سلمیٰ صدیقی سے 1953 میں ہوئی تھی اور وہ سلمیٰ صدیقی کے ساتھ 1967-68 سے رہنے لگے تھے۔
- کرشن چندر اشتراکی نظریات کے حامی اور ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن تھے۔
- کرشن چندر ترقی پسند مصنّفین پنجاب کے سکریٹری 1938 میں چنے گئے تھے۔
- کرشن چندر کو ترقی پسند مصنّفین کی دہلی کانفرنس میں جنرل سکریٹری 1953 میں منتخب کیا گیا تھا۔
- کرشن چندر کی پچپن ویں سالگرہ کے موقعے پر 'جشن کرشن چندر' منایا گیا تھا جس کا افتتاح اندرا گاندھی نے کیا تھا۔
- فلم ڈیویژن نے مہندر ناتھ کو کرشن چندر کی زندگی پر ڈاکومینٹری بنانے کی ذمہ داری 1974 میں سونپی تھی۔
- کرشن چندر اچھی غذا کے شوقین تھے۔ انھیں غالب کی طرح آم بہت پسند تھے۔
- کرشن چندر کے پاس موضوعات کا تنوع تھا۔ انھیں ایشیا کا عظیم افسانہ نگار کہا جاتا تھا۔
- کرشن چندر نے کشمیر کے رومان پرور فضا کے پس منظر میں افسانہ لکھنا شروع کیا تھا۔
- کرشن چندر لکھتے ہیں کہ "پہلی چار کہانیاں مینڈر میں لکھیں'، جہلم میں ناؤ پر، آگہی، مصور کی موت، یرقان، میرے ایک ناول کا پس منظر بھی مینڈر ہے۔

- کرشن چندر کی تخلیقات میں حقیقت اور رومانیت کا امتزاج پایا جاتا ہے۔
- کرشن چندر کے 47 ناول ہیں۔
- شکست 1943: کرشن چندر نے رسالہ 'ساقی' کے مدیر شاہد احمد دہلوی کے لیے گل مرگ کشمیر کے ہوٹل میں شکست کو صرف اکیس دن میں مکمل کیا تھا۔
- شکست کرشن چندر کا پہلا ناول ہے جسے انھوں نے 1942 میں لکھا تھا اور 1943 میں ساقی بک ڈپو دہلی سے شائع کروایا تھا۔
- شکست ٹامس ہارڈی کے طرز پر لکھا ہوا علاقائی ناول ہے۔
- کرشن چندر کے 33 افسانوی مجموعے ہیں
- طلسم خیال 1939 پہلا افسانوی مجموعہ ہے

اعزازات

- کرشن چندر کو سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ 1966 میں ملا تھا۔
- کرشن چندر کو پدم بھوشن سے 26 جنوری 1969 میں نوازا گیا تھا۔

کرشن چندر کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- علی عباس حسینی نے کرشن چندر کے ناول شکست کو ڈی ایچ لارنس کا تتبع کہا ہے۔
- کم سے کم ایک اردو ناول ترقی پسند تحریک نے ایسا پیدا کیا جو اردو زبان کے بہترین ناولوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ اور وہ کرشن چندر کا شکست ہے۔ (عزیز احمد)
- کرشن چند کے افسانوں کی سب سے نمایاں خصوصیت جذبات نگاری ہے۔

کرشن چندر کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

ہم وحشی ہیں

- 'ہم وحشی ہیں' کرشن چندر کا وہ افسانوی مجموعہ ہے جو ہندوستان سے پہلی بار 1948 میں شائع ہوا تھا جب کہ 'ہم وحشی ہیں'، 'پشاور ایکسپریس' کے نام سے لاہور سے شائع ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپندر ناتھ کے اس نوٹ میں لکھا ہوا ہے جو 'ہم وحشی ہیں' کے ابتدا میں 'اپنی بات' کے عنوان سے شامل ہے۔
- افسانوی مجموعہ 'ہم وحشی ہیں' کے شروع میں افضل توصیف کا لکھا ہوا 'گروی کا موسم اور کہانی داتا' اور علی سردار جعفری کا لکھا ہوا دیباچہ 'پہلا دیباچہ' کے عنوان کے تحت شامل ہے۔
- اوپندر ناتھ کے بیان کے مطابق پہلی بار ہندوستان میں 'ہم وحشی ہیں' کے نام سے اور پاکستان

میں 'پشاور ایکسپریس' کے نام سے جو کرشن چندر کا افسانوی مجموعہ شائع ہوا تھا اس میں سات کہانیاں تھیں۔ بعد میں موضوع کے مناسبت سے تین کہانیاں اور شامل کی گئیں۔

- افسانوی مجموعے 'ہم وحشی ہیں' میں کل دس افسانے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) اندھے

- کردار * لالہ بانشی رام * پشپا * رام لائن (برہمن) * فتح محمد * پیراں بخش * ملکھن رام * رشید * نورا

(2) لال باغ

- کردار: * کملاکر * شیدو * دھورت سنگھ

(3) امرتسر آزادی سے پہلے

- کردار: * صدیقی * اوم پرکاش * پارو * زینب * شام کور * بیگم

(4) امرتسر آزادی کے بعد

- کردار: * محمد رزاقی (جوتا والا) * سردار سنگھ * ستند رسنگھ * زینب کی ماں

(5) پیشاور ایکسپریس

(6) ایک طوائف کا خط (پنڈت جواہر لال نہرو اور قائداعظم جناح کے نام)

- کردار: * بیلا * بتول * جناح * نہرو * مہاراجہ رنجیت سنگھ

(7) جیکسن

- کردار: * جیکسن * ستھیا (جیکسن کی بڑی بیٹی) * روزی (جیکسن کی چھوٹی بیٹی) * مولانا اللہ داد پیرزادہ * مہاشے نہال چند کھوکھری * آنند

(8) دوسری موت

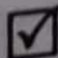
- کردار: * مسٹر رمولو * خواجہ مشہدنو از * نواب آکھر گھسیارا * مسٹر جی حضوری * مولانا شرف اللہ * سیٹھ دلپت جوواڑیا * بھنڈاری * سردار دو ہتڑ سنگھ * مس دمساز لاتی * امجد

(9) دل کا چراغ

- کردار: * سکھ منی جی * فرید * نند سنگھ جی * درشن سنگھ * بنیا * بابا ٹیک سنگھ جی * پنڈت سدھ دیو

(10) لالہ گھسیٹا رام

- کردار: * لالہ گھسیٹا رام * حکیم محمد وارث علوی * شیخ عمر علی * لالہ پرمانند * صاحب خان (پولس انسپکٹر)



راجندر سنگھ بیدی کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

اپنے دکھ مجھے دے دو

- 'اپنے دکھ مجھے دے دو' راجندر سنگھ بیدی کا چوتھا افسانوی مجموعہ ہے جو 1965 میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔
- راجندر سنگھ بیدی نے افسانوی مجموعہ 'اپنے دکھ مجھے دے دو' کا انتساب آل احمد سرور کے نام کیا ہے۔
- افسانوی مجموعے 'اپنے دکھ مجھے دے دو' میں نو (9) افسانے شامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) لاجونتی

- کردار: * سندر لال (لاجونتی کا شوہر) * وکیل صاحب * بوڑھا محرر * لاجونتی * رسالو * نیکی رام * کالکا پرشاد * حکم سنگھ * لال چند * از بیگ

(2) جوگیا

- کردار: * جُگل * ڈنکر بھائی * جوگیا * ہیما * موٹے بھیا * پارسی بچاری * ہیمنت * سیکشی * پارسی پروہت

(3) ببل

- کردار: * درباری لال * سیتا * مہتا گردھاری لال (باپ) * بہاری لال (بھائی) * ستونتی نار (درباری کی بہن) * اسماعیلی صالح محمد (جس کے ساتھ ستونتی بھاگی تھی) * کنیز فاطمہ (ستونتی) * سرداری موہن (صالح محمد) * ایس ایم نواب (سرداری موہن یا صالح محمد) * راما سوامی * مصری * ببل * سیتا موجمدار (بنگالی) * پھمن دئی (سیتا کی ماں) * محمود یا بنواری * بیرا

(4) لمبی لڑکی

- کردار: * منّی سواہی (متو) * رقمن (منی کی دادی) * شیلا (بھابھی) * دیو (بھائی) * گلو کی ماں * جمنا * جگن ناتھ تیاگی * دیویندر تیاگی * شاہد * فردوس آپا * گوتم * گوراں

(5) اپنے دکھ مجھے دے دو

- کردار: اندو (مدن کی بیوی) * مدن (اندو کا شوہر) * پاشی (مدن کا سب سے چھوٹا بھائی) * چکلی بھابی * دریا آباد والی پھوپھی * دلاری (مدن کی بہن) * بیگم دایہ * رانی (کندن کی بیوی) * سبطے

(6) ذہنیس سے پرے

- کردار: * موہن جام * سومترا (موہن کی بیوی) * اچلا (اچی) * رام گدکری (اچلا کا شوہر) * مایا

* روزی * جونی * رادھا (موہن کی بہن) * کیلاش (رادھا کا پتی) * جاجو (رادھا کا بچہ)

(7) **حجام الہ آباد کے**

- کردار: * لوک پتی * بدھان چند (جل توری) * ترلوک پتی * ناصر حسین
- اس افسانے کے آخری صفحے پر غالب کا یہ شعر درج ہے:

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

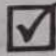
(8) **دیوار**

- کردار: * روپ متی (روپو) * مان مئی * روپا * مٹکی پھوڑ * شیتل داس

(9) **یوکلپٹس**

- کردار: * کندن * لکھی (کندن کی کرسچین نوکرانی) * شبھا شنی * امولک رام * سدھو (لکھی کا تیسرا مرد) * رام داس * بابی * انجلا * فادر مائیکل * فادر روبیلو
- یوکلپٹس میں درج شعر:

(1) جب نین سے نیند گنوائی، تکیہ لیف بچھونا کیا
آخر — سمجھ بوجھ کچھ سوچ پیارے، پیار کیا تو رونا کیا؟



عصمت چغتائی کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

چوٹیں

- افسانوی مجموعہ 'چوٹیں' عصمت چغتائی کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے جو 1942ء میں ساقی بک ڈپو دہلی سے شائع ہوا تھا۔
- افسانوی مجموعہ 'چوٹیں' میں 11/افسانے اور 3/خاکے اور ایک ڈرامہ ہے جو حسب ذیل ہیں:

* بھول بھلیاں * پنکچر * ساس
* سفر میں (طنزیہ خاکہ) * اس کے خواب * جنازے
* لحاف * بیمار * دوزخی (بھائی کا خاکہ)
* چھوٹی آپا * جھری میں سے * ایک شوہر کی خاطر (طنزیہ خاکہ)
* عورت اور مرد (ڈرامہ)

- یاد رہے کہ 'چوٹیں' کا پیش لفظ کرشن چندر نے لکھا ہے۔ جس کے کچھ اہم اقتباسات امتحان کے پیش نظر نقل کیے جاتے ہیں۔ کرشن چندر نے پیش لفظ اس طرح شروع کیا ہے۔
- میں جب عصمت چغتائی کے افسانوں کا تجزیہ کرنے بیٹھتا ہوں تو ایک عجیب دشواری پیش آتی ہے۔ ان کے افسانے عام شاہراہ سے ہٹ کر ایک اور ہی نہج اختیار کر چکے ہیں ان کی حیثیت اس قدر مختلف اور منفرد نظر آتی ہے کہ ان پر عام ادبی اقدام کا اطلاق کرتے ہوئے کچھ دقت سی محسوس ہوتی ہے۔
- عصمت کے افسانے گویا عورت کے دل کی طرح پر پیچ اور دشوار گزار نظر آتے ہیں۔ میں شاعری نہیں کر رہا اور اگر اس بات میں کوئی شاعری ہے تو اسی حد تک جہاں تک شاعری کو سچی بات میں دخل ہوتا ہے۔ مجھے یہ افسانے اس جوہر سے متشابہ معلوم ہوتے ہیں جو عورت میں ہے۔ اس کی روح میں ہے، اس کے دل میں ہے، اس کے ظاہر میں ہے اور اس کے باطن میں ہے۔
- پہلے پہل جب میں نے عصمت چغتائی کے افسانے پڑھے تو مجھے یوں معلوم ہوا گویا میرے ذہن کی چار دیواری میں ایک نیا دریچہ کھل گیا ہے۔
- عصمت کا نام آتے ہی مرد افسانہ نگاروں کو دورے پڑنے لگتے ہیں۔ شرمندہ ہوئے ہیں۔ آپ ہی آپ خفیف ہوئے جا رہے ہیں۔ یہ دیباچہ بھی اسی خفت کو مٹانے کا ایک نتیجہ ہے۔

بھول بھلیاں

- افسانہ بھول بھلیاں محبت اور معاشرتی شادی سے متعلق ہے۔
- اس افسانے میں عصمت چغتائی کی پیغامیت روایتی شادی پر محبت کو اور رسمی ایجاب وقبول پر دلی رفاقت کو ترجیح دیتی نظر آتی ہے۔
- افسانہ ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے:

  ''لفٹ رائٹ۔ لفٹ رائٹ + کوئل مارچ! اڑاڑ ادھم!! فوج کی فوج کرسیوں اور میزوں کی جندق اور کھائیوں میں دب گئی اور غل پڑا۔''
- **بھول بھولیاں کے کردار:** صلو، رشید، متو، اچھن، صلاح الدین اعظم، رفو باجی، رابعہ، راشدہ، بجو، حمیدہ، رشی، حمیدہ، منّی۔

پنکچر

- پنکچر بھی محبت اور معاشرتی شادی سے متعلق ہے۔
- اس افسانے میں بھی عصمت چغتائی کی پیغامیت روایتی شادی پر محبت کو اور رسمی ایجاب وقبول پر دلی رفاقت کو ترجیح دیتی نظر آتی ہے۔
- **پنکچر کے کردار:** ایڈنا، مکھن، منظور، عباس، شہاب، محمود اور ضیا

ساس

- بقول کرشن چندر 'ساس' میں وہی ازلی، ابدی، دوامی ساس ہے جو ہندوستان کے ہر گھر میں موجود ہے۔ اور جس کی شفقت اور جس کا غصہ اور جس کی کھاؤں کھاؤں ہر زمانہ میں شب وروز گونجتی ہے۔
- **افسانہ ساس کے کردار:** ساس، بہو، بشریا اور اصغر

سفر میں

- 'سفر میں' ریل کے ڈبوں سے متعلق طنزیہ خاکے ہیں۔
- سامنے بیٹھا ہوا انسان ہلنے کے ساتھ ساتھ پھسلنے بھی لگا۔ اس کی ٹانگ جو پہلے ہی ران تک کھلی ہوئی تھی اور بھی آگے کھلنے لگی۔ نہ جانے کس عجیب طریقے سے دھوتی باندھی تھی کہ گزوں کپڑا لپٹا ہونے کے باوجود ہر جنبش خطرناک طور پر اسے برہنہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔'' (سفر)
- **'سفر میں' کے کردار:** سلطانہ، ششی، نریندر، زینب اور جوگی

اس کے خواب

- ''کاش اس کا بس چلتا تو وہ بتاتا۔ منحوس لڑکی۔ بڑی علم حاصل کر رہی ہیں۔ کچھ نہیں۔ کچھ پڑھے

وڑھنے کی ضرورت نہیں جنگلی...........ان سے سادھو کی لڑکی ہی ہزار بلکہ کروڑ درجہ اچھی تھی۔''
(اس کے خواب)

- افسانہ 'اس کے خواب' کے کردار: سادھو، بنواری اور سروپ

جنازے

- افسانہ جنازے اس طرح شروع ہوتا ہے''میرا سر گھوم رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ کاش ہٹلر آ جائے اور اپنے آتشیں گولو سے اس نامراد زمین کا کلیجہ پھاڑ دے۔''
- ''راحت آنے چند موم کی پتلیوں کو تو دیکھا ہوگا۔ ننھی منی، کھیل کود کی شوقین جن کا مقصد زندگی سے کھیلنا ہے۔ گڑیوں سے کھیلنا، کتابوں سے کھیلنا، اماں ابا سے کھیلنا اور پھر عاشقوں کی پوری کی پوری ٹیم سے کبڈی کھیلنا۔ ابھی میرے بدنصیب بھائی کے ساتھ ہنس کھیل کر آ رہی تھی۔ (جنازے)
- جنازے کے کردار: راحت، ضمیر، سعید، کشور، روفی، ریحانہ اور شوکت۔

لحاف

- بقول کرشن چندر لحاف میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ایک نوجوان اور شریف عورت ایک ہجڑے خاوند کے پلے باندھ دی جائے تو وہ اپنی زندگی کس طرح گزارتی ہے۔
- لحاف کے کردار: نواب صاحب، بیگم جان اور ربّو۔

بیمار

- افسانہ بیمار میں سِل کے ایک قریب المرگ مریض اور اس کی نوجوان بیوی کا نفسیاتی موازنہ ہے۔
- بیمار کے کردار: منجھو لی اور جانی۔

میرا بچہ

- افسانہ 'میرا بچہ' میں عصمت چغتائی نے تین ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں (1) کیوں رے کتے (2) بن بلایا مہمان (3) بچہ
- افسانہ میرا بچہ کے کردار: رشید، رشید کی ماں، برجو، شاما، اختری، رحمان خان
- افسانہ 'میرا بچہ' کے ذیلی عنوانات 'کیوں رے کتے' اور 'بن بلایا مہمان' ہندو مسلم مناقشات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

تل

- افسانہ تل میں ایک ادھیڑ عمر کے مصور اور اس کی ماڈل بھکارن رانی کے دو متضاد اور مخالف کردار پیش کیے گئے ہیں جس میں 'آرٹ' اور 'جنس' کے تاثرات لاشعور کی لہروں پر متصادم اور 'دست و گریباں' نظر آتے ہیں۔

- تل کے کردار: گنیش چندر چودھری (ہیرو)، رانی (ہیروئن/، رتنا

دوزخی

- دوزخی عصمت چغتائی کے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ ہے۔
- بقول کرشن چندر 'دوزخی' شخصیت سے قطع نظر ایک دائم المریض ہستی کے کردار کا مطالعہ ہے۔

چھوٹی آپا

- افسانہ 'چھوٹی آپا' کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"کون نہیں جانتا کہ چوری بری ہوتی ہے۔ پر بعض چوریاں ایسی مزے دار ہوتی ہیں کہ نیت بھٹک ہی جاتی ہے۔ پوشیدہ خطوط، پرانی کتابیں، کاپیاں اور ہزاروں چھپی ڈھکی چیزیں جنھیں لوگ کپڑوں کی تہوں کے نیچے چھپا کر رکھتے ہیں۔ یہ چیزیں اگر ہاتھ لگ جائیں تو پھر کیا کہنے!"

- چھوٹی آپا کے کردار: چھوٹی آپا، راحت، محمود، شوکت، عسکری، رضیہ، تارہ

جھری میں سے

- "ایک الماری کے بالائی تختے پر ایک گھڑی رکھی ہے۔ چوری سی، موٹی عورت کے چہرے کے مانند کڑک مرغی کی طرح کٹاک کٹاک کرتی رہتی ہے۔ یہ گھڑی اس گھر میں بالکل مالکہ مکان کی حیثیت رکھتی ہے۔ جونہی دس بجتے ہیں گاے سینگ بدلتی ہے۔ نظام فلکی میں تبدیلی ہوتی ہے۔ (جھری میں سے)
- افسانہ جھری میں سے کے کردار: مس رمولا

ایک شوہر کی خاطر

- ریل کے ڈبوں سے متعلق طنزیہ خاکہ ہے۔

عورت اور مرد

- عورت اور مرد عصمت چغتائی کا لکھا ہوا ڈراما ہے۔
- افرادِ ڈرامہ حسب ذیل ہیں:
- زبیدہ: پڑھی لکھی مگر فرمانبردار اور ڈرپوک لڑکی
- رشید: زبیدہ کا شیدائی
- محمود: اسید کے بچپن کا دوست
- جج صاحب: پنشن یافتہ رئیس، زبیدہ کے والد، سر کے خطاب سے سرفراز
- بیگم: جج صاحب کی بیوی
- نیاز: جج صاحب کے چھوٹے بھائی

خواجہ احمد عباس

(1914ء-1987ء)

- نام خواجہ احمد عباس تھا۔
- خواجہ احمد عباس 1914ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔
- خواجہ احمد عباس کا انتقال 1987ء کو ممبئی میں ہوا۔
- خواجہ احمد عباس کے والد کا نام غلام سبطین، والدہ کا مسرور خاتون۔
- خواجہ احمد عباس کا تعلق الطاف حسین حالی کے خاندان سے تھا۔ حالی پر نانا تھے۔
- خواجہ احمد عباس نے ابتدائی تعلیم حالی ہائی اسکول پانی پت سے حاصل کی تھی۔
- خواجہ احمد عباس نے بی اے (انگریزی ادب میں 1933 میں اور پھر ایل ایل بی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے کیا تھا)۔
- خواجہ احمد عباس نے اپنے کیریئر کا آغاز بطور جرنلسٹ دہلی کے ایک اخبار 'نیشنل کال' میں مضمون لکھ کر کیا تھا۔
- خواجہ احمد عباس نے 'بامبے کرانیکل' میں 1936 سے لکھنا شروع کیا تھا۔
- خواجہ احمد عباس آر کے کرنجیا کے ہفت روزہ 'بلٹز' میں 'آزاد قلم' کے نام سے کالم لکھا کرتے تھے۔
- خواجہ احمد عباس ایک مشہور صحافی اور افسانہ نگار ہیں جو فلمی دنیا سے وابستہ تھے۔
- خواجہ احمد عباس نے فلمی دنیا کے لیے 'نیا سنسار' نامی کہانی 1942 میں لکھی تھی۔
- خواجہ احمد عباس کے اداکار راج کپور کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔
- خواجہ احمد عباس نے چارلی چپلن، ماوزے تنگ، امریکی صدر روزویلٹ، روسی وزیر اعظم خروشیف کے انٹرویو لیے تھے۔
- خواجہ احمد عباس نے اردو، ہندی اور انگریزی میں 75 کتابیں لکھی ہیں۔
- خواجہ احمد عباس نے 1979 میں 'سات ہندوستانی' فلم بنائی تھی جس کے ذریعہ پہلی بار امیتابھ بچن کو فلم میں کام کرنے کا موقع ملا تھا۔
- خواجہ احمد عباس کا پہلا ناول انقلاب 1942 ہے۔
- زبیدہ خواجہ احمد عباس کا پہلا ڈراما ہے۔

خواجہ احمد عباس کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- خواجہ احمد عباس ہمارے افسانہ نگاروں میں اس لحاظ سے سب سے منفرد ہیں کہ انھیں اپنی گردو پیش کی زندگی میں مختلف حیثیتوں سے جو اونچ نیچ دکھائی دیتی ہے اسے انھوں نے ہمیشہ ایک سیاسی اور مصلحانہ جوش وخروش کے ساتھ اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ (وقار عظیم)

خواجہ احمد عباس کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

ایک لڑکی

- 'ایک لڑکی' خواجہ احمد عباس کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو پہلی بار 1942ء میں شائع ہوا تھا۔
- افسانوی مجموعہ 'ایک لڑکی' کے شروع میں 'جاگے سنسار' کی سرخی کے ساتھ خواجہ احمد عباس کا ایک چھوٹا سا مضمون جس میں انھوں نے کہانی پر روشنی ڈالی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اخیر میں بنایا ہے کہ افسانوی مجموعے 'ایک لڑکی' میں شامل افسانے کن کن رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔
- افسانوی مجموعہ 'ایک لڑکی' میں دس (10) افسانے شامل ہیں۔

(1) **فیصلہ**

- کردار: * سعید کمالی * مولائی * حامد * بلقیس * پروفیسر عبدالرحیم * گلابو * سکینہ

(2) **ایک لڑکی**

(اس کہانی میں کوئی کیریکٹر قطعی فرضی نہیں ہے)

- کردار: * سلیم الزماں (صحافی) * مسٹر جناح * سیٹھ اللہ دیا وسر ابوالبقا * سرامین * کلیم الزماں (صحافی) * ہارون ناصری * حامد عباسی * ابوالعلم * شیخ رحیم الدین * مضحمل اللہ * سلمیٰ (صحافی) * سلیم * انور * احسان اللہ

(3) **سرکشی**

- کردار: * گل بانو * موتی لال * سیٹھ سلمانی

(4) **ناگن**

- کردار: * رانی * زرینہ * شکور (عبدالشکور) * سلیم صحافی * سیٹھ صاحب

(5) **پہلا پتھر**

- کردار: * گنجے پروفیسر * مسز اسمتھ * مسز سنگھ * مسز ٹامس * ایولن ٹامس * اندر سین (گنجے

پروفیسر) * موہنا (گنجے پروفیسر کی بیوی) * انجینئر رام لال * مسٹر اختر حسین * منشی برق * رائے بہادر موہن لال * چھٹن میاں

- خواجہ احمد عباس نے افسانہ 'پہلا پتھر' حضرت عیسی علیہ السلام کی منسوب اس قول سے شروع کیا ہے:
  "اس گنہگار عورت پر پہلا پتھر وہ چلائے جس نے خود کبھی گناہ نہ کیا ہو۔" (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)
- افسانہ 'پہلا پتھر' میں 'خناس' نامی اخبار کا ذکر ہے۔

(6) **ابابیل**

- کردار: * رحیم * رامو (مہار) * نتھو * چھدّو * انور * بندو * نورو * کالو

(7) **تین عورتیں**

- کردار: * نوجوان سندری * بھکارن

(8) **داروغہ صاحب**

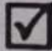
- کردار: * داروغہ صاحب * آزاد * بشیر خان پٹواری * پنڈت شیو پرشاد * مولا بخش * مہاجن رام لال

(9) **معمار**

- کردار: * بندو (معمار) * ابراہیم (بندو کا بیٹا) * خیر الدین

(10) **رادھا**

- کردار: * رادھا * استاد جی * راجا صاحب * بدبودار زمیندار * جل پور کی رانی * بوڑھی پچھی



قرۃ العین حیدر کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

روشنی کی رفتار

- روشنی کی رفتار قرۃ العین حیدر کا چوتھا افسانوی مجموعہ ہے جو پہلی بار 1982 میں شائع ہوا تھا۔
- افسانوی مجموعہ 'روشنی کی رفتار' میں اٹھارہ افسانے شامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) آورہ گرد:

آورہ گرد کے کردار: * ایلن * اوٹو * شاہدہ * انور * مطہرہ * حسین * راجہ * ہچ ہائیکر۔

(2) ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی

- کردار: * حاجی مراد * حاجی گل بابا بیکتاسی * حاجی عدنان آفندی * حاجی سلیم آفندی * ابوالمنصور * حاجی یوسف

(3) فوٹو گرافر

- کردار: * فوٹو گرافر * باغ کا مالی * یورپین سیاح * بیرہ لڑکی

(4) حسب نسب

- کردار: * چھمی بیگم * اچو (چھمی بیگم کا ابن عم) * سلامن بوا * دھمو خاں * ملن خان، * کلو * اشرفی * جمعہ خان * شبو خاں * ڈاکٹر صاحب * جیرن جیت * صبیح الدین * راشد علی * بیگم صبیح الدین * روشن آرا * رضیہ بانو * ابراہیم خانساماں * بشن سنگھ * مادھو

(5) سکریٹری

- کردار: * رانی صاحبہ * دمینتی دیو * مصرا صاحب * سکریٹری * مدار بخشی * نفیسہ * پروفیسر کھوچڑ * حامد (نفیسہ کا منگیتر) * منظور احمد * خانم حاجی * رندھیر (رانی صاحبہ کا لڑکا) * شوبھا * ترلوک ماتھر * نلنی * خان بہادر * شکیل * مسٹر اینڈ مسز فان ٹوک
- سکریٹری میں درج اشعار

(1) آرام کہاں دل جو پڑا غیر کے پالے   مفلس کو خدا عشق کے پھندے میں نہ ڈالے

(2) نوا پیرا ہوا ے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے   کبوتر کے تنِ نازک میں جو ہے کا جگر پیدا

(6) نظارہ درمیاں ہے

- کردار: * تارا بائی * بیگم الماس * خورشید عالم * خامہ بیگم عثمانی * پیروجا * نرگیش * کھورشیٹ * پارسن * ڈاکٹر صدیقی

c 'نظارہ درمیاں ہے' میں درج اشعار:

کس طرح تجھ کو دیکھو نظارہ درمیاں ہے　　تو سامنے ہے اپنے بتلا کہ تو کہاں ہے

c قرۃ العین حیدر نے افسانہ 'نظارہ درمیاں ہے' کو اس شعر پر ختم کیا ہے:

کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس　　دوئی نیناں جن کھائیو پیا ملن کی آس

(7) دوسیاح

c کردار: * امریکن سیاح * کلرک * عبدالشکور * شیخ صاحب * شرما جی * رالف

(8) یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے

c کردار: * ایڈنا * پروفیسر چارلس ہنٹ * سرطان * تمارا فیلڈنگ * ڈیویڈ گرین برگ * نصرت الدین * آغا فرہاد بیگ * کریمیا * خانم جون * ربائی

(9) فقیروں کی پہاڑی

c کردار: * کانتادیوی * موہنی بالا * محمد اکرم * شاہ صاحب

c 'فقیروں کی پہاڑی' میں درج اشعار

(1) زر کی جو محبت تجھے پڑ جائے گی بابا
دکھ اس میں تری روح بہت پائے گی بابا

(2) دنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(3) ہمارے شمس آباد میں دو گھوڑے رہتے تھے
ڈبکو ڈبکو می کند، از یک توجہ یار کن

(10) اکثر اس طرح سے بھی رقصِ فغاں ہوتا ہے

c کردار: * نجن میاں * رقیہ * حاجی کبوتر شاہ * جمال آرا * بہشتی * حکیم صاحب * منصرم صاحب * بندو خان

c افسانہ: 'اکثر اس طرح سے بھی رقص فغاں ہوتا ہے' میں درج اشعار:

(1) تجھے ہو سیر چمن مبارک، مگر یہ راز چمن بھی سن لے
کلی کلی خون ہو چکی تھی شگفت گل ہائے ترے پہلے

(2) کہاں کہاں اڑ کے پہنچے شعلے یہ ہوش کس کو یہ کون جانے
ہمیں بس اتنا ہے یاد اب تک لگی تھی آگ اپنے گھر سے پہلے

(11) سینٹ فلورا آف جارجیا کے اعترافات

- کردار: * سینٹ فلورا * سابینا آف جارجیا * سینٹ پیٹر * فرشتہ * فادر گریگری * اسٹیفن ہونوریس * ائرینا ماریا * الکزنڈر سلوریس * سرجیس پیلاگیس * تھیوڈ ورگ گیلاسس * گل بانو

(12) روشنی کی رفتار

- کردار: * ڈاکٹر یدا میری * ڈاکٹر کرین * گڈریا * میخائیل * ثوث * حزقیل بن ذکریا * یعقوب بن شمعون

(13) لکڑ بگے کی ہنسی

- کردار: * بدھو * ناٹا آدمی * کن چھدا آدمی * بریگیڈیر * رام کلی * احمد جان تھرکو * دلاور * نیاز * مسز فری مینٹل * سورج * برنارڈ گریگ

(14) آئینہ فروش شہر کوراں

- کردار: * حضرت جبریل * حضرت آدم * مہلائیل بن شیش بن آدم * لقمان حکیم بن باعور * سلیمان بن داؤد * بطشا بن حنا * یعقوب * زکریا * یحیٰ * عیسیٰ * ملسملیان * ایلخا * مرکوش * نوازنش * سالینوس * اریطاس * کفسطوطس * کھنسطوطس * کشفوطط * قطیر * موسی * صافن * فاہش

(15) پالی ہل کی ایک رات

(ایک تمثیل جس کے سارے کردار قطعی فرضی ہیں)

- کردار: (1) ہوما ئے اردشیر جنگ وارا (2) رودابہ جنگ والا (3) آنٹ فیروزہ (4) آغا ئے داراب کاظم زادہ (5) خانم گلچہر اسفندیاری

مقام: پالی ہل، بمبئی

زمانہ: جولائی 1976 وقت آٹھ بجے شب

(16) دریں گرد سوارے باشد

- اس افسانے میں دو ذیلی عنوانات بھی ہیں:

(1) جو رہی سو بے خبری رہی (2) قائم کی بیریاں

- کردار: * ماموں میاں (ریٹائرڈ ماہر تعلیم) * پروفیسر شاگرد * زید شہید * سرّ و بیگم * میر حسن لندنی * مرزا محمد * ممتاز بیگم * فخر النسا بیگم * شبو * کلو خان * بہار آرا بیگم * ثروت آرا کی بہن نذر سجاد حیدر * چھبن آپا۔

- اس افسانے میں یہ شعر درج ہے:

یہ خز جو ہے خاکپائے جہاں　　　یہ شاہِ اودھ تھا کبھی اے جواں

(17) **جن بولو تارا تارا**

- کردار: * دلارے چچا * نسیم بانو

(18) **کہرے کے پیچھے**

- کردار: * فضل مسیح * سیلیا پال * کٹو * نامی * پُنچھیا * رچمنڈ * کیتھرین بولٹن عرف کیٹی * حلیمہ وتی * محمد معین * راجہ سریندر ناتھ * کاریورل آرتھر * بولٹن * چھٹی ماں * سوامی جی * راجکمار شیلندر
- یہ افسانے اس قول پر ختم ہوتا ہے:

''کھڑا کبیرا دیر سے مانگے سب کی خیر''



سہیل عظیم آبادی

- سہیل عظیم آبادی کا نام سید مجیب الرحمٰن تھا لیکن سہیل عظیم آبادی کے نام سے مشہور ہیں۔
- سہیل عظیم آبادی جولائی 1911ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے۔
- سہیل عظیم آبادی کا انتقال 29 رنومبر 1979ء کو الہ آباد میں ہوا تھا اور تدفین پٹنہ میں۔
- سہیل عظیم آبادی کے والد کا نام حبیب الرحمٰن تھا۔
- سہیل عظیم آبادی نے پہلی بار 1930ء میں میٹرک کا امتحان دیا تھا مگر وہ پاس نہیں ہو پائے تھے۔
- سہیل عظیم آبادی کی شادی بشیر احمد کی صاحب زادی بی بی سائرہ خاتون سے 1937ء میں ہوئی تھی۔
- سہیل عظیم آبادی نے اپنی عملی اور ادبی زندگی کا آغاز 'ہمدرد' کلکتہ میں کام کر کے کیا تھا۔
- سہیل عظیم آبادی نے کلکتہ میں ابوالکلام آزاد، رضا علی وحشت، عبدالرزاق، بلیح آبادی، عبدالستار صدیقی، جمیل مظہری، پنڈت کیفی، سدرشن اور آغا حشر کاشمیری سے کسبِ فیض کیا تھا۔
- سہیل عظیم آبادی نے پٹنہ سے روزنامہ ساتھی 1949ء میں جاری کیا تھا۔
- سہیل عظیم آبادی نے اپنے دوست عبدالعتیق انصاری کے ساتھ مل کر ماہ نامہ تہذیب 1952 میں جاری کیا تھا۔
- سہیل عظیم آبادی کی سروس 1955 میں آل انڈیا ریڈیو میں ہوئی تھی۔
- سہیل عظیم آبادی بہار اردو اکیڈمی کے قیام کے بعد 1974ء میں سہیل عظیم آبادی اس کے پہلے سکریٹری بنے تھے۔
- سہیل عظیم آبادی افسانہ نگار، شاعر، ڈرامہ نویس اور صحافی تھے۔

سہیل عظیم آبادی کے کارنامے

- <u>سہیل عظیم آبادی کے افسانے مجموعے:</u>

(1) الاؤ (پہلا افسانوی مجموعہ، سولہ افسانے)، سہیل عظیم آبادی کے مطابق الاؤ پہلی بار 1940ء میں شائع ہوا تھا۔ اعجاز علی ارشد کے مطابق 1943ء

- اس مجموعے کی ابتدا میں کرشن چندر نے سہیل عظیم آبادی کے افسانہ نگاری پر مقدمہ لکھا ہے۔

(2) 'نئے پرانے' نومبر 1943ء (تیرہ افسانے)

اس مجموعے کا پیش لفظ علی شبر حاتمی نے لکھا ہے۔

(3) 'چار چہرے' 1977ء (چار طویل کہانیوں کا مجموعہ)

- بے جڑ کے پودے 1972ء (ناولٹ)

سہیل عظیم آبادی کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

الاؤ

- 'الاؤ' سہیل عظیم آبادی کا افسانوی مجموعہ ہے جس کے شروع میں 'تعارف' کے عنوان سے سہیل عظیم آبادی کے افسانہ نگاری کے متعلق کرشن چندر کا لکھا ہوا ایک تعارفی نوٹ ہے۔
- افسانوی مجموعہ 'الاؤ' میں انیس 19 افسانے شامل ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) الاؤ (مشمولہ الاؤ 1942)

- کردار: * رانی * پھگوا (پھاگو) * اکلو * باڑھو * چھپی * چھیدو * ریتو * کلوا * سانول * سامو * سادھو جی * چھوٹو (دھوبی) * دلو * طوفانی میاں * میگھو * پنڈت جی * جمن * پٹواری جی * تماشہ جی * چھپی حجام * ہرکھو

(2) اندھیرے اور اجالے میں (ہندوستانی، پٹنہ، ستمبر 1938)

- کردار: اختر (مکان مالک) * زہرہ

(3) دو مزدور (ادب لطیف، لاہور 1940)

- کردار: * بوڑھا ہوٹل والا * جمن کی ماں * میکلین صاحب * جمرو بھائی * ضمیر * بلاتی

(4) کھویا ہوا لال (مشمولہ الاؤ 1942)

- کردار: * بوڑھی بفاتن * نضیر بابو (بوڑھے زمیندار) * یوسف

(5) جوار بھاٹا (مشمولہ الاؤ 1942)

- کردار: * کملا ناتھ بابو * پدما * رمیش بابو

(6) چوکیدار (مشمولہ الاؤ 1942)

- کردار: * رام لال (چوکیدار) * رام نرائن بابو (زمیندار) * رام چندر بابو (رام نرائن بابو کا بیٹا اور ڈپٹی مجسٹریٹ) * پٹواری جی

(7) ٹوٹا تارہ (مشمولہ الاؤ 1942)

- کردار: * پرکاش * رمیش * رادھا * رادھا کی ماں * سریندر

(8) شرابی (ندیم، گیا، اگست 1939)

- کردار: چمپا

(9) وہ رات (سہیل، گیا 1940)

- کردار: * نرائن * ریاض * حیدر * سیٹھ یعقوب

(10) بخیر تمام (ادب لطیف، لاہور، سالانہ 1941)

- کردار: * رام داس * گنتی * طوطا

(11) بیچارہ (ادب لطیف، لاہور، فروری 1940)

- کردار: رحمو * رجیا * سمندری * شاہ جی
- اس افسانہ میں درج شعر ہے:

تورے نین ہیں زہر کے پیالے　　　تورے چتون ہیں آڑے کٹار

(12) جوانی (ادب لطیف، لاہور، سال نامہ 1941)

- کردار: سریندر (شوہر) * پربھا (بیوی)، * کوشلیا (محبوبہ) * شانتی (شانو بہن)

(13) پیٹ کی آگ (ہندوستانی، پٹنہ 1938)

- کردار: * رحیم

(14) چار آنے (ایشیا، میرٹھ، جنوری مارچ 1940)

- کردار: * ریاض * نصیر

(15) قیدی (ندیم، گیا 1939 نومبر)

- کردار: * رام سنگھ * راجہ * تیجا سنگھ * چیت سنگھ

(16) بھوک (ندیم، گیا، بہار نمبر 1940)

- کردار: * رامو * چھٹو * جگن

(17) خدا کی دین (داستان، لاہور، نومبر 1941)

- کردار: * رجو * چمپا * میزنی * جمن * رامو

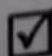
(18) سراب (آج کل دہلی 15 مارچ 1947)

- کردار: * انور * ریاض * نگن * ارشد * مسٹر سین * مسٹر مکرجی * ڈائرکٹر منظر

نوٹ: یاد رہے کہ یہی کہانی 'یہاں سے وہاں تک' کے عنوان سے آج کل کے شمارے (نومبر 1981) میں شائع ہوئی ہے۔

(19) اپنا پرایا (مشمولہ، نئے پرانے 1944)

- کردار: * بھٹیا



جیلانی بانو

- نام جیلانی بانو
- جیلانی بانو 14 / جولائی 1936ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں تھیں۔
- جیلانی بانو کا انتقال حیدر آباد میں ہوا تھا۔
- جیلانی بانو کے والد حیرت بدایونی تھے جو شاعر تھے۔
- جیلانی بانو نے اردو میں پرائیویٹ طور سے ایم اے کیا تھا۔
- جیلانی بانو کی شادی انور معظم سے ہوئی تھی۔
- جیلانی بانو کو ترقی پسندی سے ذہنی مناسبت تھی۔
- جیلانی بانو نے گورکی، موپاں، چیخوف، پریم چند، کرشن چندر،، منٹو اور عصمت چغتائی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔
- جیلانی بانو حیدر آباد میں سکونت پذیر تھیں اس لیے ان کی کہانیوں میں حیدر آبادی تہذیب و ثقافت کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔
- جیلانی بانو نے اپنی پہلی کہانی 'ایک نظر ادھر بھی' 1952ء میں تحریر کی تھی۔
- جیلانی بانو کے زیادہ تر افسانے مسلم متوسط طبقے کی گھریلو فضا کا احاطہ کرتے ہیں۔
- جیلانی بانو کی شہرہ آفاق تحریر 'موم کی مریم' ماہنامہ سویرا میں شائع ہوئی تھی۔
- جیلانی بانو کی تخلیقات میں ہندوستانی عورت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔
- جیلانی بانو کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ 'روشنی کا مینار' (1958ء) اور پہلا ناول 'ایوانِ غزل' 1977ء تھا۔

اعزازات و انعامات

- جیلانی بانو کو پدم شری سے 2001ء میں نوازا گیا تھا۔
- جیلانی بانو کو آندھرا پردیس ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے 1960ء میں نوازا گیا تھا۔
- جیلانی بانو کو سویٹ لینڈ نہرو ایوارڈ سے 1985ء میں نوازا گیا تھا۔
- جیلانی بانو کو ہریانہ اردو اکادمی نے قومی حالی ایوارڈ سے 1989 میں نوازا تھا۔

جیلانی بانو کے کارنامے

- جیلانی بانو کے مندرجہ ذیل افسانوی مجموعے ہیں:

* روشنی کے مینار	* نروان	* پرایا گھر
* روز کا قصہ	* یہ کون ہنسا	* سچ کے سوا
* بات پھولوں کی	* کن	* راستہ بند ہے

- جیلانی بانو کے ناول: *ایوانِ غزل * بارش سنگ

جیلانی بانو کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

راستہ بند ہے

- 'راستہ بند ہے' جیلانی بانو کا افسانوی مجموعہ ہے جس میں 22 مشمولات ہیں جن میں سے 6/ افسانچے، 15/افسانے اور ایک ناولٹ ہے۔

(1) کن (افسانچہ)
- کردار: رمشا

(2) عباس نے کہا
- کردار: *احمد * ندیم * جارج بش * عباس * منیش * علی اسماعیل عباس

(3) ایک دوست کی ضرورت ہے
- کردار: *ڈاکٹر نائیک * راشد * سورن سنگھ * انوار * رمیش * ریاض * امتیاز * شیام * نرملا شیام * رام * راجن سنہا

(4) درشن کب دوگے
- کردار: * مسز راشد * راشد صاحب * حسن بانو * شیام * طاہر

(5) کل رات ہمارے گھر مرزا غالب اور عصمت چغتائی آئے تھے
- کردار: * بانو * مرزا غالب * عصمت آپا * راجہ مہدی علی خان * انور

(6) گل نغمہ
- کردار: * آفتاب احمد * گل نغمہ * ادشیا * نگی * موہن * پنڈت شنکر آچاریہ
- جیلانی بانو نے اس شعر سے افسانہ گل نغمہ کو شروع کیا ہے۔

(1) نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

- اس کے گل نغمہ میں یہ اشعار بھی درج ہیں:

(2) دیکھ دل کی زمین لرزتی ہے
یادِ جاناں، قدم سنبھال اپنا

(3) دھیان کے آتش دان میں ناصر
بجھے دنوں کا ڈھیر پڑا ہے

- اس شعر پر جیلانی بانو نے افسانہ 'گل نغمہ' کو ختم کیا ہے:

ایک پتھر جو دست یار میں ہے   پھول بننے کے انتظار میں ہے

(7) ایک شوٹنگ اسکرپٹ

- کردار: * آکاش * ڈائریکٹر بھوش * منتری جی * میک اَپ مین * اسکرپٹ رائٹر * سلمٰی علی * خان * دلیپ سنگھ

(8) یہ شہر بکاؤ ہے

- کردار: * بش (بڑا تاجر)

(9) اسے کس نے مارا

- کردار: * انسپکٹر صاحب * بھکارن * چھوکری

(10) جنت کی تلاش

- کردار: * مولوی صاحب * منی * بوڑھا فقیر * شاکر * رضیہ

(11) موت کے بیج

- کردار: * بدلو * روشن میاں * بدرالدین * روشن علی

(12) کیا ٹوٹ گیا (افسانچہ)

(13) بھاگو بھاگو

- کردار: * آشا * سلطان (آشا کا شوہر) * راہوں (آشا کا بیٹا) * چنی (آشا کی بیٹی) * کشور ناتھ

(14) آپ کا سواگت ہے منتری جی

(15) پردہ گرتا ہے

(16) ایک خلاباز کی رپورٹ (افسانچہ)

(17) زومیں (افسانچہ)

(18) اکیلا سمندر (افسانچہ)

(19) کاش (افسانچہ)

(20) او کالے برقعے والی لڑکی (افسانچہ)

(21) اکیلا (ناولٹ)

- کردار: * باباجی * ملیشم * اجمل * چٹی (مسز لیشم) * احمد اللہ خان * مسز خان * جوائے * انیل * اوم * جوزف * محمد * پورنیما * منّی * گدّو * داور * حامد * کرسٹینا * کمار

(22) راستہ بند ہے

- کردار: * منّی * مولوی صاحب



سریندر پرکاش

- نام سریندر کمار اوبرائے تھا اور قلمی نام سریندر پرکاش یا سریندر روشٹ۔
- سریندر پرکاش لائیل پور (فیض آباد) مغربی پنجاب میں 26 مئی 1930ء کو پیدا ہوئے تھے۔
- سریندر پرکاش کا انتقال 9/ نومبر 2002ء کو ممبئی میں ہوا تھا۔
- سریندر پرکاش نے باقاعدہ تعلیم کہیں سے بھی حاصل نہیں کی تھی۔
- کہا جاتا ہے کہ ساڑھے تین برس کی عمر میں سینڈرن اسکول، لائیل پور میں داخلہ لیا تھا لیکن پہلے روز ہی ماسٹر صاحب نے ایسا تھپڑ مارا کہ پھر کبھی اسکول کا رخ نہ کیا۔ اس کے بعد آپ کے والد نے اپنی دکان پر ہی اردو کی تعلیم دینا شروع کی تھی۔
- سریندر پرکاش نے لکھنے لکھانے کا سلسلہ تاجور سامری کی تحریک پر 45-1944 میں شروع کیا تھا اور اپنا قلمی نام سریندر روشت رکھا تھا۔
- تاجور سامری نے سریندر پرکاش کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور انھیں ٹیگور ثانی بنانا چاہتا تھا۔
- سریندر پرکاش کی تحریروں میں پختگی باری علیگ کے چھوٹے بھائی نذیر طالب کی وجہ سے آئی تھی جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز نذیر طالب نے سریندر پرکاش کو نجمہ نامی ایک لڑکی کا محبت نامہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کا جواب لکھو۔ پھر یہ خطوط کا سلسلہ ایسا چلا کہ سریندر نے ساڑھے نو سو خطوط کے جوابات لکھ مارے، تب یہ راز کھلا کہ نجمہ کی طرف سے نذیر طالب خطوط لکھا کرتے تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ سریندر کی تحریر میں پختگی آئے۔
- سریندر پرکاش ادبی مجلہ 'تخلیق' سے وابستہ رہے تھے۔
- سریندر پرکاش نے بھارتی ٹیلی ویژن کے لیے دنیا کی بہترین کہانیوں پر مبنی سیریل 'خزانہ' لکھی تھی جسے لیش چوپڑہ نے پروڈیوس کیا تھا۔

اعزاز

- سریندر پرکاش کو ان کے تیسرے افسانوی مجموعے 'بازگوئی' پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے 90-1989 میں نوازا گیا تھا۔

سریندر پرکاش کے کارنامے

- سریندر پرکاش کا پہلا مطبوعہ افسانہ 'دیوتا' ہے جو ہفت روزہ 'پارس' لاہور میں 45-1944 میں شائع ہوا تھا۔
- سریندر پرکاش کے چار افسانوی مجموعے ہیں۔

(1) دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم 1968ء (تیرہ افسانے، ایک رپورتاژ)

(2) برف پر مکالمہ 1981ء (گیارہ افسانے)

(3) بازگوئی 1989ء (بارہ افسانے)

(4) حاضر حال جاری 2002ء (سترہ اسانے)

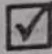
سریندر پرکاش کا داخل نصاب افسانہ

بجوکا

(1997ء)

نوٹ: بجوکا کے نام سے سریندر پرکاش کا کوئی افسانوی مجموعہ نہیں ہے بلکہ صرف ان کے ایک افسانے کا نام بجوکا ہے۔

- کردار: * ہوری (جس کے پانچ بچے ہیں) اس کردار کو سریندر پرکاش نے پریم چند کے ناول گئودان سے لیا ہے۔ * بڑی بہو * چھوٹی بہو * انگریزی شکاری * بجوکا (کھیت میں پرندوں کو ڈرانے کے لیے کھڑا کیے جانے والا مصنوعی رکھوالا)



غیاث احمد گدی

- نام غیاث احمد تھا اور قلمی نام غیاث احمد گدی
- غیاث احمد گدی 17 رفروری 1928ء کو جھریا ضلع دھنباد (جھارکھنڈ) میں پیدا ہوئے تھے۔
- غیاث احمد گدی کا انتقال 25 رجنوری 1986ء کو جھریا میں ہوا تھا۔
- غیاث احمد گدی کے وار کا نام احمد گدی تھا اور والدہ کا بتولن بی بی۔
- غیاث احمد گدی کا آبائی پیشہ دودھ بیچنا تھا۔
- غیاث احمد گدی کو بچپن میں ان کے سگے چچا حبیب گدی نے گود لے لیا۔
- غیاث احمد گدی کا بچپن بالٹی میں دودھ بھر کر گھر گھر بانٹنے میں گزرا۔
- غیاث احمد گدی نے ابتدائی تعلیم مولوی فضل الحق اور مولوی قاسم سے حاصل کی تھی۔
- غیاث احمد گدی نے کرشن چندر سے متاثر ہو کر افسانہ نگاری کا آغاز 1940ء میں کیا تھا۔
- پچاس کی دہائی میں جب نریش کمار شاد نے کرشن چندر کا انٹرویو کیا تھا تو انھوں نے غیاث احمد گدی کو مستقبل کے اردو افسانے کا اہم نام قرار دیا تھا۔
- غیاث احمد گدی کی شادی ان ہی کی خاندان کی ایک لڑکی بانو سے 1944ء میں ہوئی تھی۔
- غیاث احمد گدی نے 'پراش' کے نام سے خالص افسانوی ادب کا ادبی مجلّہ جولائی 1962ء میں جاری کیا تھا جس کے صرف چار شمارے نکل سکے تھے۔

غیاث احمد گدی کے کارنامے

- غیاث احمد گدی کا پہلا مطبوعہ افسانہ 'عالم گیر' لاہور میں دسمبر 1945ء میں شائع ہوا تھا۔
- غیاث احمد گدی کے تین مطبوعہ افسانوی مجموعے ہیں:
  (1) بابا لوگ 1969ء (پہلا افسانوی مجموعہ نو افسانے)
  (2) پرندہ پکڑنے والی گاڑی 1977ء (سولہ افسانے)
  (3) سارا دن دھوپ 1985ء (بارہ افسانے)
- پڑاؤ 1980ء (ناولٹ) (مطبوعہ)

غیاث احمد گدی کا داخل نصاب افسانوی مجموعہ

بابا لوگ

- 'بابا لوگ' غیاث احمد گدی کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو پہلی بار 1969ء میں کلچرا کادمی ریناہاؤس گیا بہار سے شائع ہوا تھا۔
- افسانوی مجموعہ 'بابا لوگ' میں نو افسانے شامل ہیں۔

(1) **بابا لوگ**

- 'بابا لوگ' فکر و سوچ کا ایک المیہ ڈرامہ ہے۔
- کردار: * بڈھا انکل (مرکزی کردار) * عیسائی صاحب * بابا لوگ (وہ بچے جو بڈھا انکل سے کہانی سنتے تھے) * مارگریٹ (عیسائی صاحب کی پہلی بیوی کی بیٹی جوان بچوں میں سے تھی جسے بڈھا انکل بابا لوگ کہتا تھا) * جارج (مارگریٹ کا نیا دوست

(2) **پہیہ**

(3) **منظر و پس منظر**

(4) **بابے**

(5) **ڈورتھی جون سین**

(6) **بدصورت سیہ صلیب**

(7) **پیاسی چڑیا**

- کردار: * للی واٹسن (مرکزی کردار) * ممی * مدہوش سیٹھ * مسز واٹسن * عبدل کی بیوی * پیاسی چڑیا غیاث احمد گدی کی علامتی کہانی ہے۔

(8) **جوہی کا پودا اور چاند**

(9) **صبح کا دامن**



اقبال مجید

- نام اقبال مجید
- اقبال مجید 12 رجولائی 1934ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئے تھے۔
- اقبال مجید کا انتقال بھوپال میں جنوری 2019ء کو ہوا تھا۔
- اقبال مجید فکشن نگار، شاعر، ڈرامہ نویس اور مترجم تھے۔
- اقبال مجید نے ابتدائی تعلیم لکھنؤ سے اور اعلیٰ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی تھی۔
- اقبال مجید نے بی اے 1956 میں لکھنؤ سے کیا تھا۔
- اقبال مجید نے بی ایڈ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اور ایم اے سیاسیات کانپور سے کیا تھا۔
- اقبال مجید انڈیا ریڈیو سے وابستہ تھے۔
- اقبال مجید مدھیہ پردیش اردو اکادمی کے سکریٹری رہے تھے۔
- اقبال مجید کو سیکھر سمان اور بہادر شاہ ظفر ایوارڈ ملا تھا۔
- اقبال مجید نے اپنے افسانوں میں ترقی پسندی اور جدیدیت دونوں کے بین بین کا راستہ اختیار کیا۔
- شہر بدنصیب اقبال مجید کا معروف علامتی افسانہ ہے۔

اقبال مجید کے کارنامے

افسانوی مجموعے

* دو بھیگے ہوئے لوگ 1970ء (پہلا مجموعہ) * تماشا گھر 2003ء * ایک حلفیہ بیان 1980ء (دوسرا مجموعہ) * شہر بدنصیب 1997ء * آگ کے پاس بیٹھی عورت 2010 * قصہ رنگ شکستہ

ناول

* کسی دن * نمک

تماشا گھر

- 'تماشا گھر' اقبال مجید کا آخری مجموعہ ہے جس کا اقتباس انھوں نے اپنے بیٹے ارشاد اقبال عرف روبی کے نام کیا ہے۔
- تماشا گھر پہلی مرتبہ 2003 میں شائع ہوا تھا۔

- افسانوی مجموعے تماشا گھر میں بارہ(12)افسانے شامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) سخت جانوں کا انتظار(2002)

- کردار:* صغریٰ بیگم * وصی کاظم (صغریٰ کا شوہر)* شبنم * بلّا * بھگت سنگھ * سکھ دیو * رئیس مرزا کی لڑکی * چنی لال کنکوفروش کا لڑکا * نواب وزیر آصف جاہ * امام غائب * بینک مینجر نقوی صاحب * رضی کاظم (صغری اور وصی کا بیٹا)* سکینہ (پوتی)

(2) سوختہ ساماں(1999ء)

- کردار:* سناٹا* صاحب خانہ
- اقبال مجید نے افسانہ 'سوختہ ساماں' کو غالب کے اس شعر سے شروع کیا ہے:

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں　　　سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

(3) بے شمار(1997ء)

- کردار:* مانو * مینا* شارک

(4) ہم گریہ سر کریں گے (نظر ثانی نومبر(2002ء)

- کردار:* خانساماں ممدو * پٹھانی * درخت * گھوڑے میاں * مینڈک * ہاتھی میاں
- اس افسانے میں افسانے کے آخر صفحے پر یہ شعر درج ہے:

آزردہ خاطروں سے کیا فائدہ سخن کا　　　تم لفظ سر کرو گے ہم گریہ سر کریں گے

(5) سوراخ(1997ء)

- کردار:* ڈاکٹر احمد * گوری شنکر

(6) چپلیں(1998ء)

- کردار:* دلاور * وزیر * حشمت * مٹھو

(7) دو بھیگی آنکھیں(1999ء)

- کردار:* تھامس رینیم * علی

(8) اُلّو کا گھر(2003ء)

- کردار:* اُلّو * کامریڈ رخسانہ * عائشہ * رشمی * حیدر * ہنومنت کیکر * شری ترویدی * ڈاکٹر عائشہ انور * انور شمیم
- افسانہ 'اُلّو کا گھر' میں افسانے کے پہلے صفحے کے آخر میں یہ شعر درج ہے:

عبرت سے دیکھ جس جایاں کوئی گھر بنے ہے
پردے میں جسم ڈھے کر دیوار و در بنے ہے

- اقبال مجید نے افسانہ'انو کا گھر' کو اس شعر پر ختم کیا ہے:

عبرت سے دیکھ جس جایاں کوئی گھر بنے ہے
پردے میں جسم ڈھے کر دیوار و دَر بنے ہے

(9) تماشا گھر (1999ء)

- کردار: * داروغہ * گوپال (جس کے داروغہ نے اپنا پیشاب پینے کو دیا تھا) * رام دیئی * منسا رام (رام دیئی کا شوہر)

(10) بے صورتی کی صورتیں (1999ء)

- کردار: * ترلوچون سنگھ * ایوب میاں * نصرت علی خاں * شفقی خان
- اقبال مجید نے اس افسانے کو رومی فارسی شاعر کے اس شعر سے شروع کیا ہے اور اس افسانے کا نام اسی شعر کے پہلے مصرع کے ایک ٹکڑے سے مستعار لیا ہے:

صورت از بے صورت آید در وجود   ہم چناں کہ آتشے نداد است دود
(رومی)

(11) سایۂ شجر (1997ء)

- افسانہ شجر کے کہانی کو اقبال مجید نے ایک راوی کے ذریعہ بیان کیا ہے اس میں کوئی کردار نہیں ہے۔

(12) طلائی مہر (1998ء)

- کردار: * ڈائرکٹر * شیخ * نوجوان



Unit-7

تحقیق وتنقید

تنقید کی تعریف

- تنقید نقد سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی کھرے اور کھوٹے کی پرکھ کے آتے ہیں۔
- اصطلاحی معنوں میں تنقید اس تجزیاتی عمل کا نام ہے جس کے تحت کسی فن پارے کی تشریح و توضیح کرنے کے علاوہ اس کی قدر و قیمت متعین کی جاتی ہے۔
- کسی غزل، نظم، افسانہ، ڈراما، ناول یا کسی ادبی تخلیق کا مطالعہ کر کے اس کی خوبیوں اور خامیوں کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتے ہوئے فن پارے اور فن کار کے مقام کا تعین کریں تو اس عمل کو تنقید یا ادبی تنقید کہا جاتا ہے۔
- تنقید کا کام فن پاروں کی قدر و قیمت کا تعین ہے۔
- تنقید کے ابتدائی نقوش تذکروں اور تقریظوں میں ملتے ہیں۔
- تنقید کے لیے استدلال ضروری ہے۔
- تنقید کی مقتضیات میں سے معروضیت کی خاص اہمیت ہے۔
- تنقید نگار کو مالی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

تنقید کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- دنیا میں جو بہترین باتیں معلوم ہیں یا سوچی گئی ہیں انھیں غیر جانب دارانہ طور پر جاننے اور عام کرنے کی خواہش کا نام ہی تنقید ہے۔ (میتھیو ارنلڈ)
- ایلیٹ نے زندگی کے لیے تنقید کو اتنا ہی ضروری بتایا ہے جتنی کہ سانس۔
- فلابیر نے تنقید کو ادب کے جسم کا کوڑھ کہا ہے۔
- ٹینی سن نے تنقید کو ادب کے گیسوؤں کی جو بتایا ہے۔
- چیخوف نے تنقید کو اس مکھی سے تشبیہ دی ہے جو گھوڑے کو ہل چلانے سے روکتی ہے۔
- رچرڈ سن کا کہنا ہے کہ تنقید ادب کے ساتھ وہ سلوک کرتی ہے جو ڈاکٹر جسم کے ساتھ کرتا ہے۔
- تنقید قدریں متعین کرتی ہے، ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے، تنقید انصاف کرتی ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ جھوٹ اور پست و بلند معیار قائم کرتی ہے، تنقید ہر دور کی ابدیت اور ابدیت کی عصریت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ (آل احمد سرور)

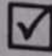
- ایمرسن نے کہا ہے کہ جو شعر کہنے میں ناکام رہتا ہے وہ اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے تنقید نگار بن جاتا ہے اور شاعروں پر نکتہ چینی کرتا ہے۔
- ڈرائیڈن نے کہا ہے کہ نقادوں میں نفرت کا جذبہ بہت شدید ہوتا ہے۔
- بائرن نے یہ کہہ کر تنقید نگار پر چوٹ کی کہ نقاد پر بھروسہ کرنے سے پہلے ہر ناممکن بات کا یقین کر لو۔
- تنقید نگار کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ وہ انھیں ان کے اصل روپ میں دیکھے اور ان کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کر دے (والٹر پیٹر)
- کولرج نے تنقید کو استدلال کی سائنس کہا ہے جو تخلیق شعر کے مسائل سے بحث کرتی ہے۔
- نقاد نہ فرائڈ کا خوشہ چیں ہوتا ہے اور نہ مارکس کا مقلد۔ وہ فرائڈ اور مارکس دونوں کے نظریوں میں سے کچھ مفید باتیں لے سکتا ہے شرط یہ ہے کہ مفید اور غیر مفید، درست اور نادرست کی سمجھ ہو۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم ادب کو ادب سمجھیں اور اسے ادب کی حیثیت سے جانچیں۔ (کلیم الدین احمد)
- اصل دشواری یہ ہے کہ اردو میں تنقید سے مراد تعریف ہے، تحسین ہے، تقریظ ہے اور کبھی کبھی نری تنقیص و بیجا نکتہ چینی، بے حاصل خردہ گیری ہے۔ آج بھی یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ تنقید ایک قسم کی پرکھ ہے۔ ایک قسم کی کسوٹی ہے۔ جس سے کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا ممکن ہے۔ (کلیم الدین احمد)
- تنقید کوئی کھیل نہیں ہے جسے ہر شخص بہ آسانی کھیل سکے۔ یہ ایک فن ہے ایک صناعی ہے فن تو ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ مشکل بھی آسان بھی۔ تنقید مشکل ترین فن ہے۔

(کلیم الدین احمد)



تذکروں کی تنقیدی اہمیت

- ہمارے شعرا کے تذکرے گو جدید اصول کے مطابق نہ لکھے گئے ہوں تاہم ان میں بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں جو ایک محقق اور ادیب کی نظروں میں جواہر ریزوں سے کم نہیں۔
(مولوی عبدالحق)
- مولوی عبدالحق نے تذکروں میں ملنے والے تنقیدی نمونوں کو اردو تنقید کا پہلا نقش قرار دیا ہے۔
- کلیم الدین احمد نے تذکروں کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ تنقید محض سطحی ہے۔ اس کا تعلق زبان، محاورہ اور عروض سے ہے لیکن یہ شاید کہنے کی ضرورت نہیں کہ تنقید کی ماہیت اور اس کے مقصد اور اس کے صحیح اسلوب سے بھی تذکرہ نویس واقفیت نہ رکھتے تھے۔ (اردو تنقید پر ایک نظر)
- کلیم الدین احمد کے مطابق تذکروں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔
- بقول ابواللیث صدیقی "ہمیں تذکروں پر تنقیدی و تحقیقی قلم اٹھاتے وقت اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ وہ ایک ایسے عہد، ماحول اور ادبی فضا میں لکھے گئے ہیں جس میں نقد شعر اور سخن فہمی کا معیار آج کے معیار سے بالکل مختلف تھا۔ (معیار شعر و سخن)
- حنیف نقوی کے مطابق تذکرے ہمارے سرمایۂ ادب کا ایک گراں قدر حصہ ہیں جنھیں نظر انداز کر کے نہ تو ہم اردو شاعری کے مطالعے ہی میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ اپنے ادبی و تنقیدی شعور کے آغاز و ارتقا کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے قدیم شاعروں کو انھیں تذکروں کے ذریعے جانا اور پہچانا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہماری ناقدانہ بصیرت بھی انھیں تذکروں کی فضا میں پروان چڑھی ہے۔ (شعرائے اردو کے تذکرے)



مشرقی تصور تنقید

عربی شعریات

- عربی زبان میں تیسری صدی ہجری کے اوائل سے ہی شعرا کے طبقات، انتخابات اور قدیم تصورات نقد کی تدوین کا کام منظم طور پر شروع ہو گیا تھا۔

محمد بن سلام العجمی اور اس کے تنقیدی نظریات

- محمد بن سلام العجمی کی تصنیف 'طبقات الشعرا' ہے۔
- محمد بن سلام نے شاعری کو صنعت گری قرار دیا ہے۔
- محمد بن سلام عربی کا پہلا نقاد ہے۔

ابن قتیبہ اور اس کے تنقیدی نظریات

- ابن قتیبہ کی تصنیف 'الشعر و الشعرا' ہے۔
- ابن قتیبہ کا خیال ہے کہ الفاظ کو حتی الوسع تعقید سے بچانا چاہیے۔ کلام کو اتنا سہل ہونا چاہیے کہ وہ عوام کی فہم سے قریب ہو جائے۔ (الشعر والشعرا)
- ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ کبھی کبھی شعر کے الفاظ بہت خوب صورت ہوتے ہیں لیکن معنی کے فقدان کی وجہ سے شعر بےکار ہو جاتا ہے۔ (الشعر والشعرا)
- ابن قتیبہ اچھے اور برے کے اعتبار سے شاعری کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔
- ابن قتیبہ کے نزدیک عمدہ شعر وہ ہے جس میں لفظ اور معنی دونوں اعلیٰ درجے کے ہوں، دوسرے تیسرے نمبر پر وہ شعر آتے ہیں جن میں لفظ اچھے اور معنی بے مصرف ہوں یا معنی عمدہ اور لفظ ناقص ہوں سب سے پست درجے کا شعر وہ ہے جس میں نہ لفظ اچھے ہوں نہ معنی۔
- ابن قتیبہ شعر گوئی کے لیے شعوری کاوش اور تراش وخراش کو ضروری بتاتا ہے۔

قدامہ ابن جعفر اور اس کے تنقیدی نظریات

- قدامہ ابن جعفر کی تصنیف 'نقد الشعر' ہے۔
- قدامہ ابن جعفر لفظ کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ الفاظ کو آسان بھی ہونا چاہیے اور فصاحت کا مظہر بھی۔ (نقد الشعر)
- قدامہ ابن جعفر معنی کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ شاعر کا فرض اولین بہترین معانی کا انتخاب ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ برے معنی سے احتراز کرے اس لیے کہ معنی ہی شاعری کا خام مواد ہے (نقد الشعر)
- قدامہ ابن جعفر نے حسن کاری کو شعر کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اخلاقی تعلیم کے نظریے کو رد کیا ہے۔
- قدامہ ابن جعفر نے جھوٹ کو شاعری کے لیے ضروری بتایا ہے۔
- قدامہ نے کہا ہے کہ بہترین شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹا ہو (احسن الشعر اکذبہ)
- قدامہ ابن جعفر کے مطابق کوئی شاعر اس وقت تک عظمت حاصل نہیں کر سکتا جب تک اپنے کلام میں مبالغہ اختیار نہ کرے۔

ابن رشیق اور اس کے تنقیدی نظریات

- ابن رشیق کی تصنیف 'العمدہ' ہے۔
- ابن رشیق کلام میں مبالغہ کو ناپسند کرتے ہیں۔
- ابن رشیق کا کہنا ہے کہ سب سے بہتر کلام وہ ہے جس پر خدا کی کتاب سے کوئی دلیل مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے غلو کو حق و صداقت سے باہر ہونے کے مترادف قرار دیا ہے۔ (العمدہ)
- ابن رشیق مبالغہ کو کذب کی ایک قسم سمجھتے ہیں۔
- ابن رشیق کی رائے ہے کہ شعر کی عمارت چار چیزوں سے اٹھتی ہے: (1) لفظ (2) معنی (3) وزن (4) قافیہ
- ابن رشیق وزن اور قافیہ کو شعر کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔
- ابن رشیق لفظ اور معنی کے رشتے کو ناقابل فصل تصور کرتے ہیں۔
- ابن رشیق کا خیال ہے کہ لفظ و معنی میں سے ایک کی خوبی دوسرے کی خوبی پر دال ہے اور کسی کی خرابی دوسرے کی خرابی پر۔

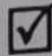
- ابن رشیق نے لفظ کو جسم اور معنی کو روح سے تعبیر کیا ہے۔
- ابن رشیق کے نزدیک اچھے شاعر کے لیے ضروری ہے کہ اسے بلند پایہ شعرا کا کلام یاد ہو۔
- ابن رشیق کے مطابق شاعر کو شعر کہہ کر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیے۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے شعر پر برابر غور کر کے اسے بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

ابن خلدون اور اس کے تنقیدی نظریات

- <u>ابن خلدون</u> کی تصنیف 'مقدمہ ابن خلدون' ہے۔
- ابن خلدون کی رائے ہے کہ معانی الفاظ کے تابع ہیں۔
- ابن خلدون کے مطابق معانی پانی کے مانند ہیں اور الفاظ پیالے کی مانند۔
- ابن خلدون بھی ابن رشیق کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ شاعر کو بلند رتبہ شعرا کے اشعار یاد ہونے چاہیے اور شاعر شعر کہنے کے بعد بار بار اسے دیکھے اور درست کرے۔

عبدالقاہر جرجانی اور اس کے تنقیدی نظریات

- <u>عبدالقاہر جرجانی</u> کی تصانیف (1) اسرار البلاغت (2) دلائل الاعجاز۔
- عبدالقاہر جرجانی کے مطابق شعری جمالیات کا دار و مدار معانی پر ہے۔
- عبدالقاہر جرجانی عوام کے درمیان معروف الفاظ کو شاعری میں استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور تعقید لفظی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ (اسرار البلاغہ)
- عبدالقاہر جرجانی کے مطابق مبالغہ اور اغراق کے بغیر شاعری میں کوئی چارہ نہیں۔
- عبدالقاہر جرجانی شاعری میں محض سچائی کو بانجھ حسینہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔
- عبدالقاہر جرجانی کے مطابق حسین ترین شعر جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے اور اخلاقی اعتبار سے اچھا شعر سچائی پر۔



فارسی شعریات

- فارسی تنقید کے ابتدائی نشانات چوتھی صدی ہجری کے مصنف بہرامی سرخسی کی خجستہ نامہ، غایت العروضین اور کنز القافیہ میں ملتے ہیں۔

عنصر المعالی امیر کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس اور اس کے تنقیدی نظریات

- عنصر المعالی امیر کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس کی تصنیف 'قابوس نامہ' ہے جو فارسی تنقید پر پہلی کتاب ہے۔
- عنصر المعانی از میر کیکاؤس نے 'قابوس نامہ' اپنے بیٹے کی تربیت اور اس کے لیے پند و نصیحت کی غرض سے لکھی تھی۔
- 'قابوس نامہ' میں آداب معاشرت، رسوم دوستی، کسب فضل اور تہذیبی مسائل کے علاوہ شعر و ادب اور ذوق شاعری کے ذکر کے ساتھ ساتھ اچھے اشعار کا انتخاب بھی شامل ہے۔
- قابوس نامہ کے مطابق ثقیل اور پیچیدہ کلام سے اس طرح اجتناب کرنا چاہیے کہ شاعر کی شاعری سہل ممتنع ہو جائے۔
- عنصر المعالی امیر کیکاؤس شاعری کو عوام کی ملکیت سمجھتا ہے۔
- امیر کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس کا خیال ہے کہ صرف موزوں اور مقفی شاعری پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ شاعری میں صناعی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔
- قابوس نامہ کا مصنف غزل اور ترانہ کے لیے سہل گوئی اور لطافت بیان کو ضروری قرار دیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ان میں غیر معروف اور نامانوس قوانی کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔
- قابوس نامہ کے مطابق بوجھل اور عروضی ہتھکنڈوں سے لیس شعر نہیں کہنا چاہیے۔

رشید الدین وطواط اور اس کے تنقیدی نظریات

- رشید الدین وطواط کی تصنیف 'حدائق السحر فی دقائق الشعر' جو سرخسی بہرامی کی کتابیں غایت العروضین اور کنز القافیہ اور عربی کے تصور عروض اور تصور قافیہ پر مبنی ہے۔
- رشید الدین وطواط کی کتاب 'حدائق السحر فی دقائق الشعر' معانی بیان اور صنائع لفظی و معنوی پر فارسی میں پہلی کتاب ہے۔
- 'حدائق السحر فی دقائق الشعر' میں تنقیدی مباحث بالکل نہیں ملتے۔ یہ کتاب پورے طور پر صنائع لفظی و معنوی کے ذکر اور ان کی وضاحت پر مبنی ہے۔
- وطواط نے تشبیہ کے علاوہ شاعری کی صنعتوں میں صنعت استعارہ کو بہت اہمیت دی ہے۔
- وطواط نے اچھی تشبیہ کی آزمائش کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ اگر مشبہ بہ کو مشبہ اور مشبہ کو مشبہ بہ بنا دیا جائے جب بھی کوئی فرق واقع نہ ہو۔

- وطواط شاعری میں صنائع کے استعمال پر بہت زور دیتا ہے۔
- وطواط استعارہ کے علاوہ کنایہ اور مجاز مرسل کو بھی مجاز کی قسموں میں سے بعض قسمیں قرار دیتا ہے۔

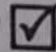
شمس الدین محمد بن قیس رازی اور اس کے تنقیدی نظریات

- شمس الدین محمد بن قیس رازی کی تصنیف 'المعجم فی معایر اشعار العجم' ہے۔ یہ کتاب اس نے پہلی عربی میں لکھی تھی پھر بعد میں خود ہی فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔
- فارسی تنقید میں المعجم سے زیادہ جامع و مانع اور تمام علوم شعر کو محیط کوئی کتاب پہلے سے موجود نہیں تھی۔
- قیس رازی کے مطابق شعر کو مرتب، بامعنی، موزوں، متساوی اور اس کے آخری حروف کو ایک دوسرے سے مماثل ہونا چاہیے۔
- قیس رازی کے مطابق شاعری کو قابل فہم ہونا چاہیے اور اس میں استعارات بعید اور تشبیہات کاذب سے احتراز کرنا چاہیے۔
- قیس رازی شاعری کے لیے عام فہم ہونے کو ایک ضروری شرط سمجھتا ہے۔
- قیس رازی کے مطابق اچھے شعر کو دوراز کار استعارات شاذ و نادر مجازات، جھوٹی یا غلط تشبیہات اور دہرائی ہوئی تجنیسات سے خالی ہونا چاہیے۔
- قیس رازی کے مطابق ہر شعر کو خود مکتفی ہونا چاہیے اور ہر شعر کے مفہوم کی تکمیل دوسرے شعر میں نہ ہونی چاہیے بلکہ ہر شعر ایسا ہو کہ وہ معنوی اعتبار سے اپنا الگ وجود رکھے۔
- شمس قیس رازی کے مطابق شاعری کی اساسی قدر جمالیاتی اور شاعرانہ اظہار میں مضمر ہے۔
- قیس رازی معنی کی قدر و قیمت کا انحصار شعر میں استعمال ہونے والے الفاظ پر قرار دیتے ہیں۔
- قیس رازی کا کہنا ہے کہ معنی خواہ بلند ہوں یا پست، عمدہ الفاظ اور بہترین ملابس کے بغیر سامع کے دل و دماغ پر اپنا اثر مرتب نہیں کر سکتے۔
- قیس بن رازی کے مطابق شعر کو اتنا سہل ہونا چاہیے کہ جب پڑھا یا سنا جائے تو آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

عروضی سمرقندی اور اس کے تنقیدی نظریات

- عروضی سمرقندی کا اصل نام ابوالحسن احمد سمرقندی ہے اور لقب نظامی عروضی۔
- عروضی کی تصنیف 'چہار مقالہ' (550ھ) ہے۔

- 'چہار مقالہ' قابوس نامہ (چہار مقالہ سے پچھتر سال قبل کی تصنیف) بعد فارسی کی تنقیدی روایت کے تعین میں اہم رول ادا کرتی ہے۔
- نظامی کے خیال میں شاعر کے لیے ضروری ہے کہ بیس ہزار اشعار اس کی نظر سے گزر چکے ہوں۔
- چہار مقالہ میں نظامی عروضی نے علم نجوم اور علم طب کے ساتھ ایک باب میں شاعری اور شاعروں پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ نظامی عروضی اس باب کو 'مقالہ دوم در باب علم شعر و صلاحیت شعر' کے عنوان سے معنون کیا ہے۔
- نظامی عروضی شاعری کو ایک صنعت یا فن گردانتا ہے۔
- نظامی کے مطابق شاعری کی صنعت ہی شاعر کی قوت موہومہ اور قوت متخیلہ کو متحرک کرتی ہے اور شاعران قوتوں کے باعث مختلف باتوں اور غیر متعلق چیزوں میں ربط ڈھونڈ نکلتا ہے۔
- نظامی عبدالقادر جرجانی کی طرح الفاظ پر معانی کو ترجیح دیتا ہے۔
- عروضی کے مطابق شاعر اپنی شاعری میں وہم کی کارفرمائی سے انسانی قوتوں کو ابھارتا ہے۔
- عروضی کے نزدیک وہم اور تخیل کی بڑی اہمیت ہے۔
- نظامی عروضی کے نزدیک شاعر کی اہم صفات میں سے چند یہ ہیں: (1) شاعر کو سلیم الطبع ہونا چاہیے (2) اس کا فکر بلند ہو (3) وہ صحیح الطبع ہو (4) عمدہ تصورات رکھتا ہو (5) باریک اور دوررس نگاہ کا مالک ہو (6) مختلف علوم سے بہرہ ور ہو (7) طرح طرح کے رسوم سے واقف ہو۔
- نظامی کے نزدیک شاعری جب تک دیرپا نہ ہوگی اس وقت تک شاعر کا نام زندہ نہیں رہ سکتا۔
- نظامی کا خیال ہے کہ شاعر کی ذہنی تربیت میں اس کے مطالعہ، ماحول اور شعری روایت سے واقفیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔
- نظامی عروضی کے نزدیک سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی معیوب بات نہیں۔
- نظامی عروضی کے خیال میں شاعر اپنے کلام سے غصہ اور شہوت کو بھی برانگیختہ کرے تو یہ کوئی معیوب بات نہیں۔



سنسکرت شعریات

- سنسکرت شعریات کی باقاعدہ نظریاتی بحث آچاریہ بھرت کے ناٹیہ شاستر سے شروع ہوتی ہے۔
- اچاریہ بھرت اور ان کے بعد کے اچاریوں نے سنسکرت کے چھ شعریاتی دبستانوں کی بنیاد ڈالی

ہے جو حسب ذیل ہیں:
(1) رَسْ (रस) یعنی کیفیت آمیز انبساط (2) اَلَنْکَارْ (अलंकार) یعنی صنائع بدائع (3) رِیْتِ (रीति) یعنی اسلوب (4) دُھونِ (ध्वनि) یعنی نظریۂ صوت (5) وَکْرو کْتِ (वक्रोक्ति) یعنی پیچیدہ اظہار (6) اَوْچِتّیہ (औचित्य) یعنی موزونیت

- رَسْ: اچاریہ بھرت منی کی تصنیف ناٹیہ شاستر رس (नाट्य शास्त्र) رس کے نظریہ کی اولین کتاب ہے۔
- اچاریہ بھرت منی نے ناٹیہ شاستر کے چھٹے اور ساتویں باب میں رس کی تشریح تفصیل کے ساتھ پیش کی ہے۔
- رس اس شے کو کہتے ہیں جو سامعین کے دلوں میں مختلف کیفیتیں پیدا کر کے انھیں متاثر کرتی ہے۔
- اَلَنْکَارْ (صنائع بدائع): النکار دبستان کے بانی آچاریہ بھامہ تھے۔ ان کے نظریہ کو اچاریہ رودرٹ اور جے دیو نے جلا بخشی۔
- رِیْتِ (اسلوب): ریت نظریہ کو سنسکرت شعریات میں پیش کرنے کا کارنامہ آچاریہ وامن نے انجام دیا تھا۔
- دُھوَنِ (نظریہ صوت): سنسکرت شعریات میں دھونی یعنی نظریۂ صوت کو باقاعدہ پیش کرنے کا کارنامہ آچاریہ آنندوردھن نے نویں صدی عیسوی کے وسط میں اپنی مشہور تصنیف دھونیالوک کے ذریعے انجام دیا تھا۔
- وَکْرو کْتِ (پیچیدہ اظہار): نظریۂ صوت یعنی دَھونِ نظریہ کے خلاف جو اچاریہ تھے ان میں اچاریہ کنتک بہت اہم تھے۔ انھوں نے وکروکت کو اس نظریہ کی شکل دی تھی اور اسے قائم کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔
- اَوْچِتّیہ (موزونیت): اس کا نظر آچاریہ شیمندر نے پیش کیا تھا جنھوں نے اپنی تصنیف 'برہت کتھا منجری میں خود کو اچاریہ ابھینو گپت کا شاگرد بتایا ہے۔
- سنسکرت شعریات میں ڈرامہ کو شاعری ہی کا ایک حصہ تسلیم کیا گیا ہے۔
- سنسکرت شعریات کے سبھی آچاریوں نے رس کو شعر کا سب سے بڑا مقصد مانا ہے۔

بھرت منی اور اس کے تنقیدی نظریات

- بھرت منی: تصنیف: ناٹیہ شاستر
- رس کا نظریہ باقاعدہ طور پر سب سے پہلے بھرت منی نے پیش کیا تھا۔

- بھرت منی نے ناٹیہ شاستر میں رسوں کی تعداد آٹھ متعین کی ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:
(1) شرنگار (श्रृंगार) یعنی عشق (2) رودر (रौद्र) یعنی غضب (3) ویر (वीर) یعنی بہادری
(4) ویبھتس (वभित्स) کراہیت (5) ھاسیہ (हास्य) یعنی مزاح (6) کرن (करूण) یعنی رحم
(7) اَدبھُتُ (अदभुत) یعنی حیرت (8) بھیانک یعنی دہشت
- اچاریہ بھرت نے ان آٹھوں رسوں کا تعین کرنے کے بعد شانت رس یعنی اطمینان کی اہمیت کو بتایا ہے اور شانت رس کو ہی سب سے اہم رس اور باقی رسوں کی بنیاد قرار دیا ہے مگر شرنگار رس میں شانت رس کا کوئی عمل دخل نہ ہونے کے سبب بھرت نے ناٹیہ شاستر کے آغاز میں صرف آٹھ رسوں کی اہمیت قبول کی ہے۔
- بھرت منی ان آٹھ رسوں میں صرف چار رسوں یعنی شرنگار، ویر، رودر اور وبھتس کو ہی بنیادی رس تسلیم کرتے ہیں اور باقی چار رسوں کو انھیں سے نمو پذیر مانتے ہیں۔
- بھرت منی نے رس کی تشریح ڈرامہ اور اسٹیج کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش کی ہے۔
- بھرت منی کا رس کے بارے میں اوّلین سوتر حسب ذیل ہے:
وبھاؤ (مرکزی کردار، مناظر، محرک) انو بھاؤ (اداکاری یا اثر آفرینی) اور وبھچاری بھاؤ (اضافی کیفیات) کے باہمی اتصال سے ہی رس نمو پذیر ہوتا ہے۔
- بھرت منی کے رس سوتر (सूत्र) کے اوّلین شارح بھٹ لولٹ ہیں۔
- بھرت نے شاعر کے داخلی جذبات اور قلبی لہروں کو 'بھاؤ' کا نام دیا ہے۔
- بھرت نے بھاؤں یعنی جذبات کی تعداد 49 بتائی ہے جن میں ستھائی بھاؤ یعنی مستقل یا غالب جذبات کی تعداد 8، وبھچاری بھاؤ کی تعداد 33 اور ساتوک (सात्विक) یعنی فطری جذبات کی تعداد 8 ہے۔
- بھرت منی نے بتایا ہے کہ مختلف جذبات کے ساتھ ستھائی بھاؤ یعنی مستقل یا غالب جذبہ کا رشتہ بادشاہ اور خیام جیسا ہے۔
- بھرت منی نے شاعری میں شانت رس کو بہت اہمیت دی ہے۔
- بھرت منی کے مطابق موزونیت کی بنیاد عوامی عمل ہے۔
- سنسکرت شعریات کے باوا آدم بھرت منی نے ورِتِ کو ہر طرح کی شاعری کی ماں کہا ہے۔
(ورِتِ کا ماخذ ورت ہے جس کا مطلب ہے زندگی)
- بھرت منی نے رس کی خصوصیات کا بیان کرتے ہوئے جذبات کی تشریح پیش کی تھی اور انھوں

نے فرمایا تھا کہ ''جب مستقل جذبے کا محرک (विभाग) ،اثر آفرینی (अनुभाव) اور منقلبات (व्यभिचारी) کے ساتھ اتصال ہوتا ہے تو اس کی نمو پذیری ہوتی ہے۔

- بھرت منی نے رسوں کے رنگوں کا بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً شرنگار کا سفید، سیہ کا سفید، کرون کا سرمئی، رودر کا سرخ، بھیانک کا سیاہ، وِبھتس کا نیلا اور ادبھت کا زرد رنگ۔
- بھرت منی نے ناٹیہ شاستر میں رسوں کے اجزا، رس کا ساختیاتی عمل، رسوں کی تعداد، رسوں کی ہیئت اور رسوں کے باہمی ربط کا سائنسی تجزیہ پہلی بار پیش کیا ہے۔

اچاریہ شَنُکُکْ (शंकुक) اور اس کے تنقیدی نظریات

- اچاریہ بھرت کے رَس سوتر کی تشریح کرنے والے دوسرے اہم اچاریہ، اچاریہ شنکک (शंकुक) ہیں۔
- اچاریہ شنکک کی کوئی تصنیف آج دستیاب نہیں ہے۔
- اچاریہ شنکک کے خیالات کا علم ہمیں ابھینو گپت اور ممٹ کے اقتباسات سے ہوتا ہے۔
- اچاریہ شنکک نے بھٹ لولٹ کے نظریے پر اعتراضات کرتے ہوئے ایک نئے اصول کو قائم کیا تھا جسے انومتی واد (अनुमितिवाद) کہتے ہیں۔
- اچاریہ شنکک 'نیائے فلسفہ' (न्याय दर्शन) کا ماننے والا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے اصول کی تشریح نیائے فلسفہ کی بنیاد پر کی ہے۔
- اچاریہ شنکک کا قول ہے کہ انوکرتا (अनुकर्ता) یعنی اداکار، اپنی اداکاری کے ذریعے ڈرامہ میں موجود رام وغیرہ اصل کرداروں کی کامیاب نقالی کرتے ہیں اور ناظر انھیں اصل کرداروں کی طرح قبول کر لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ستھائی بھاؤ یعنی غالب جذبہ کے ڈرامہ کے ذریعے نقل ہی رس ہے۔
- اچاریہ شنکک کے نظریوں پر اچاریہ بھٹ لَوٹ اور ابھنو گپت نے اعتراض کیا ہے۔

آنندوردھن اور اس کے تنقیدی نظریات

- آنندوردھن نویں صدی کے اچاریہ تھے جو کشمیری تھے۔
- آنندوردھن کی تصانیف: (1) دھونیالوک (وَرِتِ) (2) اَرجُن چَرِتِ (3) وِشے وان (4) دیوی شتک
- آنندوردھن کو دُھوَن کے نظریہ ساز کے طور پر جانا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

- آنندوردھن نے ریت (اسلوب) کا بنیادی عنصر ایجاز کو قرار دیا ہے۔
- آنندوردھن کے مطابق ریتِ (اسلوب) رس کے اظہار کا ذریعہ ہے اور اوصاف رس کے معاون عناصر ہیں۔
- آنندوردھن ریتِ اور ورِتِ میں کوئی فرق نہیں مانتے۔
- آنندوردھن نے سب سے پہلے صنائع بدائع، اوصاف اور ہیئت وغیرہ سبھی شعری اجزا کو موزونیت سے جوڑنے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔
- آنندوردھن کے مطابق صنائع بدائع، اسلوب اور وصف وغیرہ میں موزونیت تبھی کامیاب ہوگی جب کہ اس سے ان سب میں رس کی نمو پذیری ہو۔
- آنندوردھن نے دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ النکار (صنائع بدائع) اور ریت (اسلوب) کو شاعری کے خارجی عناصر ہیں جب کہ رَس شعر کے باطن کی نمائندگی کرتا ہے۔
- آنندوردھن کا دُھوَنِ (نظریۂ صوت) کا نظریہ صرف ونحو کے علما کے نظریۂ سپھوٹ' کی بنیاد پر نمو پذیر ہوا تھا۔
- سپھوٹ نظریہ، لفظ سے حاصل ہونے والے معانی کے تفاعل کی تشریح کرتا ہے اسی بنیاد پر نظریۂ صوت لغوی معنی سے مجازی معنی تک کے تفاعل پر روشنی ڈالتا ہے۔
- مجازی معنی کا تفاعل ہی نظریۂ صوت (دھونی) کا میدان عمل ہے۔
- دھونی (نظریۂ صوت) کی لازمی شرط لفظ کا مجازی معنی ہے۔
- آنندوردھن نے اسلوب (ریتِ) کے بہترین ہونے کی شرط مجازی معنی کی مخصوص موجودگی کو مانا ہے۔
- آنندوردھن اسلوب میں لفظیات کا انتخاب اور لفظیات کی ترتیب کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔
- یاد رہے کہ آنندوردھن کے دھونی کے نظریے میں مجازی معنی کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔
- آنندوردھن اسالیب کو لاتعداد مانتے ہیں۔ وہ شاعرانہ صلاحیت کے ضمن میں اسالیب کی لاتعدادیت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ حالات، زمان ومکان اور لسانی تفریق کے حوالے سے بھی اسالیب کو لاتعداد مانتے ہیں۔
- آنندوردھن کے مطابق شاعری کی روح لفظ کی تیسری قوت یعنی استعمال کی قوت ہے۔
- آنندوردھن لفظ کے بجائے معنی کو اوّلیت دیتے ہیں اور لفظ پر معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔
- آنندوردھن کے بیان کے مطابق انھوں نے مجازی معنی کی تلاش خود کی ہے۔
- آنندوردھن نے پانچ معانی دھونِ (صوت کو تسلیم کیا ہے) (1) لفظ (2) معانی (3) مجازی معنی (4)

مجازی معنی کا تفاعل (5) ان چاروں سے مزین شاعری

- آنندوردھن نے دھونی کو شاعری کی روح کہا ہے۔
- آنندوردھن نے لفظ اور معنی کو پیکر شاعری قرار دیا ہے۔
- آنندوردھن نے شاعری میں دھونِ کے صحیح استعمال کے لیے شاعرانہ صلاحیت کو لازمی قرار دیا ہے۔
- آنندوردھن تخیل، صنائع بدائع، اسلوب، محسوسات اور رس کو دھون کے عناصر ترکیبی کے روپ میں مانتے ہیں۔
- آنندوردھن یہ مانتے ہیں کہ موزونیت کی شکست سے رس کی بھی شکست ہوتی ہے۔
- آنندوردھن رس دھونی کو ہی بہترین دھونِ تسلیم کرتے ہیں۔
- یاد رہے کہ 'دھونیالوک' آنندوردھن کی تصنیف ہے جب کہ دھونیالوک لوچن ابھنوگپت کی تصنیف ہے جو دھونیالوک کی شرح ہے۔

ابھینوگپت اور اس کے تنقیدی نظریات

- ابھینوگپت دسویں صدی کے اچاریہ تھے جو کشمیری تھے۔
- ابھینوگپت کی تصانیف: (1) ابھینو بھارتی (अभिनव भारती) (بھرت سوتر کی شرح)

(2) دھونیالوک لوچن (ध्वन्यालोक लोचन) (دھونیالوک کی شرح)

(3) کاویہ کوستھ دوَرن (بھٹ توت کی کاویہ کوستھ کی شرح)

(4) ایشور پرتیہ بھگیاومرشنی (فلسفہ)

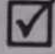
(5) مالنی وجے وارتک (فلسفہ)

(6) پرَمارتھ سار (فلسفہ)

(7) پراتر لشکاوِوَرن (فلسفہ)

- بھرت منی کے رس سوتر کے چوتھے شارح آچاریہ ابھینوگپت ہیں۔
- ابھینوگپت نے بھرت سوتر کی تشریح کے ضمن میں بھرت کے خیالات کو اپنی کتاب دھونیالوک لوچن اور ابھنو بھارتی میں پیش کیا ہے۔
- ابھنوگپت رس کی نمو پذیری سے 'اظہار' مراد لیتے ہیں۔
- ابھنوگپت کے مطابق ناظر کے ذہن میں جذبہ کے ایک عام معیار کی نمو پذیری شخصی نہ ہوکر اجتماعی ہوتی ہے۔

- ابھینو گپت عام ترسیل (साधारणी करण) کے نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں۔
- ابھینو گپت کا عام ترسیل کے متعلق تصور یہ ناظر جب بےلوث جذبے سے یہ تصور کرنے لگتا ہے کہ اس کے قلب میں انبساط یالذت کا تجربہ جس طرح ہو رہا ہے وہی تجربہ ہر صاحب دل کے قلب میں ہوتا ہے اور تبھی اس کے قلب میں رس نمو پاتا ہے۔
- ابھینو گپت کا خیال ہے کہ شاعری میں جو بھی موضوع ہوتا ہے اس میں ورِتِ (زندگی) موجود رہتی ہے کیوں کہ کوئی بھی بیانِ شاعری ورتِ کے تفاعل سے خالی نہیں رہتا۔
- ابھینو گپت نے ابھیویکتی واد کا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ قاری اور سامع میں قوت احساس جتنی زیادہ ہوگی کسی تخلیق سے وہ اتنا ہی زیادہ لطف اندوز ہوگا۔



مغربی تصور نقد

افلاطون اور اس کے تنقیدی نظریات

- نامور یونانی فلسفی افلاطون کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے لگ بھگ چار سو سال پہلے کا زمانہ ہے۔
- افلاطون سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا۔
- افلاطون نے ایک جگہ کہا ہے کہ شاعری کا زمانہ رخصت ہوا اب فلسفے کا زمانہ ہے اور فلسفہ ہی علم و صداقت کا سرچشمہ ہے۔
- افلاطون پیدائشی شاعر تھا لیکن اس نے اپنے استاد سقراط کے زیر اثر اپنی نظموں اور ڈراموں کو جلا دیا تھا اور اپنی ساری صلاحیتیں فلسفے پر مرکوز کردی تھیں۔
- 'مکالمات افلاطون' اس کی وہ عظیم تصنیف ہے جس کی کوکھ سے فلسفے کی باقاعدہ روایت جنم لیتی ہے، اور بقول ایمرسن یہ وہ کتاب ہے جس میں دنیا کی ہر کتاب کا مواد موجود ہے۔
- افلاطون نے اپنی کتاب 'مکالمات افلاطون میں ایک مثالی ریاست 'جمہوریہ' کا تصور پیش کیا ہے اور اس ریاست سے شاعر کو نکال دیا ہے۔
- افلاطون کے مطابق سیاست و اخلاق کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔
- افلاطون نے لکھا ہے کہ 'مثالی جمہوریہ' کے حاکموں کی تعلیم کے لیے شاعری کی تعلیم مضر ہے۔
- افلاطون نے شاعری کو مخرب اخلاق قرار دیا ہے۔
- افلاطون ڈرامے سے اس لیے بیزار ہے کہ ڈرامے کے زیادہ تر کردار بزدل، بدمعاش اور مجرم ہوتے ہیں۔ ڈراما نگار لکھتے وقت اپنے آپ کو ان کرداروں میں جذب کر دیتا ہے اور جب ڈراما پیش کیا جاتا ہے تو دیکھنے والوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔
- افلاطون المیہ کے نسوانی کرداروں کی خاص طور پر مذمت کرتا ہے۔
- افلاطون اس شاعری کا حامی نہیں جس سے صرف مسرت حاصل ہو۔ اس کے نزدیک شاعری کا اصل مقصد زندگی کو بہتر بنانا اور اخلاقی تعلیم دینا ہے۔

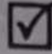
- افلاطون شاعری اور مصوری کو فلسفے سے نیچی سطح پر رکھتا ہے۔
- افلاطون شاعری کو نقل کی نقل قرار دیتا ہے اور اسے عیب سمجھتا ہے۔
- افلاطون شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے (1) بیانیہ شاعری، (2) ڈرامائی شاعری (3) رزمیہ شاعری۔
- افلاطون فن کو ایک جاندار شے تسلیم کرتا ہے۔ جس طرح جسم، سر اور پیر رکھتا ہے اسی طرح ایک فن پارے میں آغاز، وسط اور انتہا ہوتے ہیں جو آپس میں گہرا ربط رکھتے ہیں۔
- افلاطون نے ایک مثالی ریاست کا تصور پیش کیا تھا اور اس سے شاعروں کو نکال دیا تھا۔



ارسطو اور اس کے تنقیدی نظریات

- ارسطو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش سے 384 سال پہلے ایتھنز سے دو سو میل دور شمال میں اسٹاگیرا کے مقام پر پیدا ہوا تھا۔
- ارسطو کا باپ مقدونیہ کے بادشاہ 'ایمن ٹاس' کا طبیب خاص تھا۔
- ارسطو منطقی تھا اور اس کا استاد افلاطون فلسفی تھا۔
- ارسطو کی کتاب 'بوطیقا' کا پہلا باقاعدہ تنقیدی ایڈیشن 'روبوریٹیلی' نے 1548ء میں مرتب و شائع کیا تھا۔
- بوطیقا میں ارسطو نے نق، نیچر، شاعری کی اصل، شاعری کے اقسام اور ٹریجڈی (المیہ) کے اصول وغیرہ پر بحث کی ہے اور شاعری کا ایک آفاقی نظریہ پیش کیا ہے۔
- 'نقل' فن جمالیات کی ایک بنیادی اصطلاح ہے۔ ارسطو اس لفظ کا (نقل) کا اطلاق شاعری پر کرتا ہے۔
- پروفیسر بوچر کے الفاظ میں ارسطو کے یہاں 'نقل' کا مطلب ہے حقیقی خیال کے مطابق پیدا کرنا، تخلیق کرنا۔
- ارسطو کے مطابق ڈرامہ اور شاعری دراصل ذہن انسانی کا کتھارسیس کرتے ہیں۔
- ارسطو کے مطابق ٹریجڈی (المیہ) کا مقصد روح کا تزکیہ اور خوف و ترس کے جذبات کو بھڑکا کر ختم کرنا ہے۔
- کتھارسیس کی بوطیقا میں وضاحت کی گئی ہے۔
- ٹریجڈی کے واقعات روح کو برانگیختہ کر کے، دہشت اور ترس کے جذبات کو ایسے مقام پر لے

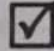
- ارسطو نے ڈرامے کے فن میں پلاٹ کو اوّلیت دی ہے۔
- ارسطو نے المیہ کو تمام اصناف ادب کا جوہر کہا ہے۔



لون جائنس اور اس کے تنقیدی نظریات

- ارسطو کے بعد تنقیدی فکر میں جو یونانی نام اہم ہے وہ لون جائنس (پہلی صدی عیسوی) کا ہے (ارسطو سے ایلیٹ تک صفحہ 40)
- لون جائنس نے پہلی صدی عیسوی میں اپنا مقالہ 'علویت' کے بارے میں تصنیف کیا تھا جو 1554ء میں پہلی بار دریافت ہوا تھا۔
- کلاسیکی دور میں اس مقالے (علویت کے بارے میں) کو ارسطو کی بوطیقا کا ضمیمہ قرار دیا گیا ہے۔
- لون جائنس نے 'علویت' کے بارے میں اصولوں کے بجائے شوق وجذبہ پر زور دیا ہے۔
- ارسطو نے منطقی تنقید اور خشک اصولوں کی بنیاد ڈال کر ان سے ادب کو جانچا پرکھا تھا۔ لون جائنس ان اصولوں میں...... خوش وجذبہ کا اضافہ کرتا ہے۔
- ارسطو نے اس بات پر زور دیا تھا کہ ادب کچھ اصولوں سے وجود میں آتا ہے اور اچھے اور برے ادب میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ اصول کہاں تک کامیابی سے برتے گئے ہیں۔ لون جائنس اس بات پر زور دیتا ہے کہ ادب میں ایک خاص 'علویت' ایک خاص عظمت اور رفعت اظہار ہوتی ہے جو اصولوں سے بالاتر ہے۔
- جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ جیسے ارسطو پہلا کلاسیکی نقاد ہے اسی طرح لون جائنس کو پہلا رومانی نقاد کہا جا سکتا ہے۔
- لون جائنس ادب میں 'لطف اندوزی' پر زور دیتا ہے۔
- لون جائنس کو ارسطو کی طرح ادب کی تاریخ، ٹریجڈی یا ایپک وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسے شاعری اور نثر کے ہر اس ٹکڑے سے دلچسپی ہے جو اس کے اندر آگ لگا دے۔
- لون جائنس ارسطو اور ہوریس کی طرح توازن کا بھی حامی ہے کیوں کہ اس کے بغیر علویت نمائشی، مصنوعی بن کر رہ جائے گی۔
- لون جائنس کے مطابق علویت تک پہنچنے کے لیے پانچ صفات ضروری ہیں۔
- لون جائنس کے نزدیک شاعری نہیں بلکہ شاعر زیادہ اہم ہے۔

- لانجائنس نے شاعری میں 'علویت' کا نظریہ پیش کیا تھا
- لانجائنس افلاطون کے نظریات سے متاثر تھا۔
- علویت کے بارے میں' لانجائنس کی تصنیف ہے۔
- لانجائنس نے کہا ہے کہ شعر و ادب میں علویت ہونی چاہیے جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔
- لانجائنس کے نزدیک جو چیزیں ادب کو علویت عطا کرتی ہیں وہ یہ ہیں: (1) خیال بلند ہو (2) جذبات میں ایسی شدت ہو کہ پڑھنے والے کے دل میں اتر جائیں (3) صنعتوں کا استعمال ہو (4) لفظوں کے انتخاب میں توجہ اور محنت سے کام لیا گیا ہو (5) لفظوں کی ترتیب سے ہم آہنگی ظاہر ہوتی ہو اور نغمگی پیدا ہوتی ہو۔
- ارتفاع (Sublianation) کا تصور لانجائنس سے منسوب ہے۔
- لانجائنس اصولوں کے بجائے ذوق و شوق و جذبہ پر زور دیتا ہے۔
- ارسطو کی بوطیقا اور لانجائنس کی تصنیف 'علویت کے بارے میں' مل کر تنقید کے دونوں پہلوؤں کو مکمل کر دیتی ہیں۔" (جمیل جالبی)
- لانجائنس نے عظیم ادب کی پانچ خوبیاں کی ہیں۔



آئی اے رچرڈس اور اس کے تنقیدی نظریات

- آئیور آرمسٹرونگ رچرڈس چشائر (انگلستان) میں 1893ء میں پیدا ہوا تھا۔ (ارسطو سے ایلیٹ تک از جمیل جالبی صفحہ 523)
- آئی اے رچرڈس نے بی اے 1915ء میں کیمبرج سے کیا تھا۔
- رچرڈس 'جمالیات' کا پروفیسر تھا۔
- رچرڈس ادبی و تخلیقی مسائل پر نفسیاتی نظریات کی مدد سے روشنی ڈالتا ہے۔
- رچرڈس ادب کو سائنس کی نظر سے دیکھتا ہے۔
- رچرڈس شاعری کو زندگی کے لیے ضروری سمجھتا ہے کیوں کہ سائنس ہمیں وہ چیز نہیں دے سکتی جو شاعری ہمیں دیتی اور دے سکتی ہے۔
- رچرڈس بھی ایلیٹ کی طرح ہر نظم کو اپنی جگہ ایک نئی صنف قرار دیتا ہے جو اپنے الگ قانون پر چلتی

ہے اور تجربے کا نئے طریقے پر اظہار کرتی ہے۔

- رچرڈس زبان و معنی کے رشتے پر زور دیتا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں 'اشاریت کی سائنس' ایجاد کی ہے۔
- رچرڈس کے نزدیک شاعری کا مخصوص اثر یہ ہے کہ وہ رخ اور رویے متعین کرتی ہے۔
- رچرڈس نے مابعدالطبیعیات کے مقابلے میں نیورولوجی کو اہمیت دی ہے۔
- رچرڈس نے قدیم اصطلاحات اور ادب کی قدیم اصناف کو مسترد کرتا ہے۔
- رچرڈس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر طرف تبدیلیاں آرہی ہیں اور یہ تبدیلیاں ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کی نئی تشکیل کریں گی۔ وہ باتیں جو ہمارے اسلاف کے لیے اچھی اور مفید تھیں ضروری نہیں کہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے لیے بھی مفید ہوں۔
- رچرڈس کہتا ہے کہ ہر نظم اپنی نوعیت کی ایک ایسی منفرد چیز ہوتی ہے جو کسی قانون کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی اور اس کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ وہ تجربہ کا ریکارڈ ہوتی ہے۔ اس کا تعلق نہ تو علم اخلاق سے ہوتا ہے اور نہ فلسفیانہ صداقتوں یا حسن کے کسی تصور سے۔ ہر نظم اپنی جگہ ایک نئی صنف ہوتی ہے جس کا اپنا قانون اپنا ضابطہ ہوتا ہے اور وہ ایک تجربے کا نئے طریقے سے اظہار کرتی ہے۔
- رچرڈس ایک اچھے نقاد کی تین خصوصیات بتاتا ہے۔ ایک یہ کہ اس میں کسی مخصوص تجربے تک پہنچنے کی صلاحیت ہو اور اس صلاحیت کو اس نے مشق سے سنوار لیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اس میں مختلف تجربات کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت ہو۔ تیسرے یہ کہ نقاد کے پاس مستقل فیصلہ کن اقدار ہوں جن کے حوالے سے وہ کسی نظم کے تجربے کو بیان کر سکے۔
- رچرڈس سائنسی سطح پر صحیح اشاروں اور جذباتی اشاروں میں فرق کرتا ہے۔
- رچرڈس کہتا ہے کہ شاعری کا مخصوص اثر یہ ہے کہ وہ رخ رویوں کو متعین کرتی ہے۔ شاعری ایک ذریعہ ہے جو ہدایت دیتی ہے اور جذبات کو ابھارتی ہے۔
- رچرڈس کی تنقید نگاری سے تنقید میں 'نفسیاتی اسکول' کا آغاز ہوتا ہے۔
- 'سائنس اور شاعری' رچرڈس کا وہ نمائندہ مضمون ہے جو اس کے فکر و نظر کی پوری طرح ترجمانی کرتا ہے۔

➤ Science and Poetry رچرڈس کی تصنیف ہے۔

➤ آئی رچرڈس نے بیسویں صدی میں عملی تنقید کو ایک نئے طریق کار کے طور پر پیش کیا تھا۔

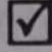
میتھیو آرنلڈ اور اس کے نظریات

- میتھیو آرنلڈ 1822ء میں پیدا ہوا تھا۔ (ارسطو سے ایلیٹ تک، صفحہ 411)
- اس کے والد ٹامس آرنلڈ اپنے زمانے کے ماہر تعلیم تھے۔
- میتھیو آرنلڈ آکسفورڈ میں شاعری کے پروفیسر کے عہدے پر فائز تھا۔
- میتھیو آرنلڈ سانت بیو سے متاثر تھا۔
- میتھیو آرنلڈ انگریزی ادب کے لیے وہی کام کرنا چاہتا تھا جو سانت بیو نے فرانسیسی ادب کے لیے کیا تھا۔
- میتھیو آرنلڈ ادب و شاعری کو 'تنقید حیات' کا نام دیا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ نے شاعری میں موضوع کی اہمیت پر زور دیا ہے اور رومانی شاعری کے انتہا پسندانہ رویہ کو مطعون کیا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ کا کہنا ہے کہ نقاد کو نہ تو کلاسیکیوں کے بندھے ٹکے اصولوں کی لکیر کا فقیر ہونا چاہیے اور نہ رومانیوں کی طرح سارے اصولوں سے بالاتر ہونا چاہیے۔
- میتھیو آرنلڈ نے 'مطالعہ شاعری' میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ شاعری کا مستقبل بہت روشن ہے۔ اس دور میں جب عقائد متزلزل اور مذہب و فلسفہ بے اثر ہیں۔ شاعری ہی انسان کو تسکین دے گی اور ان دونوں کی جگہ لے لے گی۔ لیکن یہ کام وہی شاعری کر سکتی ہے جو اعلیٰ ہو۔ شاعری کو اعلیٰ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا معیار بلند ہو۔ نقاد کا کام یہ ہے کہ وہ ایسی شاعری کے لیے راہ ہموار کرے۔
- میتھیو آرنلڈ شاعری کے لیے تنقید حیات کے الفاظ استعمال کر کے ارسطو کے لفظ نقل اور کولرج کے لفظ تخیل کو رد کرتا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ غیر جانب داری پر زور دیتا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ ادب کو ایک سمندر تصور کرتا ہے جس میں ہر ملک اور ہر قوم کے ادب اگر گر رہے ہیں۔
- میتھیو آرنلڈ تمام یورپ کے ادب کو ایک ہی تاریخی ارتقا کے تسلسل میں دیکھتا ہے۔
- آرنلڈ کے نزدیک ادب کی تاریخ میں دو قسم کے دور آتے ہیں۔
- آرنلڈ شاعری کو فلسفہ و مذہب کا بدل سمجھتا ہے۔
- آرنلڈ کے نزدیک شاعری کا مقصد اخلاقی ہے۔
- آرنلڈ کے مطابق شاعری تین قسم کی ہوتی ہے۔

- میتھیو آرنلڈ تیسری قسم کی شاعری کا نمائندہ شیکسپیئر کو بتاتا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ شاعری کو پرکھنے کے لیے 'کسوٹی' کا اصول بھی پیش کرتا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ عظیم شاعری کو پہچاننے کے لیے 'فکری سنجیدگی' کا اصول وضع کرتا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ کو چوسر اور برنس میں فکری سنجیدگی نظر نہیں آتی ہے۔
- شیکسپیئر، ملٹن اور اسپینسر گرے میں نظر آتی ہے۔
- آرنلڈ تمام یورپ کے شاعروں کا 'تنقید حیات' کے اصول سے مطالعہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے گوئٹے اسے اس دور کا سب سے بڑا شاعر اور عظیم ترین نقاد نظر آتا ہے۔
- آرنلڈ شاعری کو موضوع کے لحاظ سے اہمیت دیتا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ کا یہ فقرہ All depends on the subject انیسویں صدی کی تنقید پر حاوی ہے۔
- آرنلٹ نے اپنے عمر کے آخری حصے میں شاعری کو تنقید کا تابع اور پھر تنقید کو کلچر اور مذہب کا تابع بنانے پر زور دیا تھا۔
- آرنلڈ کا عقیدہ یہ تھا کہ تنقید کی اصلاح کا کام کلچر سے شروع کرنا چاہیے۔
- آرنلڈ کہتا ہے کہ ادب تنقید حیات ہے اور تنقید کا منصب یہ ہے کہ وہ زندگی کے تمام حالات و عوامل کا جائزہ لے۔
- آرنلڈ کے نزدیک کلچر 'بہترین' کے مطالعے کا نام ہے۔
- آرنلڈ کے نزدیک تنقید کا کام یہ ہے کہ وہ غیر جانبداری کے ساتھ تعصب سے بلند ہو کر دنیا میں جو بہترین خیالات پیش ہوئے ہیں، سیکھے اور انھیں پھیلائے۔
- آرنلڈ کے نزدیک اشیا کو نہیں بلکہ خیالات کو آگے بڑھانا ہے۔
- آرنلڈ اپنے دور کے انگریزی سماج کی خود بینی اور تنگ نظری کو برا کہتا ہے۔
- آرنلڈ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہمیں 'کلاسیکیت' کو دوبارہ دریافت کرنا چاہیے۔
- فرانسیسی ادب آرنلڈ کے نزدیک کلاسیکی روح سے زیادہ قریب تھا۔
- ٹی ایس ایلیٹ آرنلڈ کو کلاسیکی نقاد اور کولرج کو رومانی نقاد کہتا ہے۔
- میتھیو آرنلڈ کے مطابق شاعر کو مفکر ہونا ضروری ہے۔
- سانت بیو کی طرح آرنلڈ بھی تنقید کو ایک فن بنا دیتا ہے جو تخلیق سے کسی طرح کم اہم نہیں ہے۔
- آرنلڈ ہیئت اور مواد کے درمیان توازن پر زور دیتا ہے۔
- آرنلڈ کے دو مضامین بہت اہم ہیں: (1) شاعری کا مطالعہ (2) تنقید کا منصب

۷ میتھو آرنلڈ کل یورپی ادب کو ایک اکائی مانتا ہے اور اسے ایسے سمندر سے تشبیہ دیتا ہے جس میں چاروں طرف سے دریا آ کر گرتے اور ضم ہو جاتے ہیں۔

۷ میتھو آرنلڈ نے تخلیقی شعور کی بنیاد پر گوئٹے کو بائرن پر ترجیح دی ہے۔



ٹی ایس ایلیٹ اور اس کے تنقیدی نظریات

- ٹی ایس ایلیٹ مسوری (امریکہ) کے صنعتی شہر سینٹ لوئی میں 1888ء میں پیدا ہوا تھا۔ (ارسطو سے ایلیٹ تک از جمیل جالبی، صفحہ 597)
- ایلیٹ نے اپنی زندگی کا آغاز ایک ٹیچر کی حیثیت سے کیا تھا۔
- ایلیٹ اپنے دور کا بڑا شاعر اور نقاد تھا۔
- ایلیٹ نئی شاعری کا ممتاز نمائندہ ہوتے ہوئے بھی روایت کا سختی سے پابند ہے۔
- 'روایت اور انفرادی صلاحیت' ایلیٹ کا نمائندہ مضمون ہے۔
- روایت کے تعلق سے جب وہ شاعر کی انفرادی صلاحیت پر غور کرتا ہے تو کہتا ہے کہ اگر ہم تعصب کے بغیر کسی شاعر کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آئے گی کہ اس کی شاعری کے بہترین اور منفرد حصوں میں مرحوم شعرا کی آواز سنائی دے رہی ہے۔
- ایلیٹ کے مطابق کسی شاعر کی شاعری کے وہ حصے زیادہ اہم ہوتے ہیں جن میں وہ خود کو بھول کر روایت میں گم ہو جاتا ہے۔
- ایلیٹ نے 1928ء میں کہا تھا کہ وہ ادب میں کلاسیکی سیاست میں شاہ پسند اور مذہب میں اینگلو کیتھولک ہے۔
- ایلیٹ ادب، سیاست اور مذہب کو الگ الگ نہیں بلکہ ایک وسیع نظام کا حصہ سمجھتا ہے۔
- ایلیٹ رومانی رجحانات کی نفی کرتا ہے۔ اسی لیے اس بات پر زور دیتا ہے کہ شاعری میں شاعر کی شخصیت اہم نہیں ہے بلکہ اس کا مٹانا اہم ہے۔
- ایلیٹ شاعر سے ہٹ کر خود نظم کے مطالعے، اس کی فارم اور تیکنک پر زور دیتا ہے۔
- ایلیٹ رومانی تنقید کا مخصوص لفظ 'تخیل' استعمال کرنے کے بجائے ادراک کا لفظ استعمال کرتا ہے۔
- ایلیٹ کے نزدیک شاعر کا کام نئے جذبات تلاش کرنا نہیں ہے بلکہ معمولی جذبات کا استعمال کرنا ہے۔
- ایلیٹ ارسطو کی طرح فارم کی اہمیت پر زور دیتا ہے لیکن فرق کے ساتھ۔
- ایلیٹ کے نزدیک شاعر کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ قدما کی فارم کو اپنائے بلکہ اس کا اصل کام یہ ہے

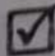
کہ وہ اپنے زمانے کے مطابق ایک نئی فارم دریافت کرے۔

- ایلیٹ کے نزدیک نقاد کا منصب یہ ہے کہ وہ غیر جانبدار ہو۔ جب ہی وہ صحیح فیصلے پر پہنچ سکتا ہے۔
- ایلیٹ رومانیت کے خلاف ہے اس لیے وہ ان کے اصطلاحی لفظوں کو بھی استعمال نہیں کرتا۔
- ایلیٹ مابعدالطبیعیاتی ادراک کو شاعری کی اصل کہتا ہے۔
- ایلیٹ کے نزدیک متحدہ ادراک کی مثال مابعدالطبیعیاتی شعرا ہیں اور یہی اصل انگریزی روایت کے نمائندہ ہیں۔
- ایلیٹ بھی میتھیو آرنلڈ کی طرح ادب کو کلچر کی ایک شاخ سمجھتا ہے۔
- ایلیٹ شاعر پہلے ہے اور تنقید کو اپنی شاعری کے کارخانے کی ذیلی پیداوار کہتا ہے۔
- ایلیٹ کا نظریہ ہے کہ شاعری میں اخلاقی اور سماجی اثر ممکن ہے مگر شاعری اپنی جگہ اس نوع کے سب اثرات سے بالاتر ہے۔
- ایلیٹ کو فورملسٹ کا نمائندہ کہا جاتا ہے۔

ایلیٹ کے مضامین

* شاعری اور ڈرامہ * کلاسیک کیا ہے؟ * شاعری کی تین آوازیں
* روایت اور انفرادی صلاحیت * شاعری کا سماجی منصب * تنقید کا منصب
* مذہب اور ادب

- ایلیٹ رچرڈس کی تنقید کے بارے میں لکھتا ہے کہ ”رچرڈس کی اخلاقیات یا نظریۂ اقدار ایسا ہے جسے میں تسلیم نہیں کرسکتا۔ میں کوئی ایسا نظریہ تسلیم نہیں کرسکتا جس کی عمارت خالص انفرادی نفسیاتی بنیادوں پر کھڑی ہو۔ میں جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ بنیادی طور پر رچرڈس وہی کام کررہا ہے جو آرنلڈ کرنا چاہتا تھا یعنی جذبات کو عقیدے کے بغیر محفوظ کرنا۔
- ایلیٹ شاعری کو جذبات کا اظہار نہیں جذبات سے فرار کہتا ہے۔
- ایلیٹ شاعری میں شعور کے عمل دخل کا قائل ہے۔
- ایلیٹ شاعری کو شخصیت کا اظہار نہیں بلکہ شخصیت سے فرار بتاتا ہے۔
- ہیوم اور پونڈ کی طرح ایلیٹ نے فن کار کے بجائے فن پارے کو توجہ کا مرکز بنایا ہے اور کہا ہے کہ تنقید کا کام یہ ہے کہ فن پارے کا تجزیہ وتشریح کرکے اس کی قدر و قیمت متعین کرے۔
- ایلیٹ نے معروضی تلازمہ Objective correlative کا تصور پیش کیا ہے۔
- ایلیٹ نے مہذب ہونے کے لیے اپنی روایات کی پاسداری کو ضروری تصور کیا ہے۔



دبستانِ تنقید

تاثراتی تنقید

- تاثراتی تنقید کو تنقید کہنا صحت سے خالی غیر ذمہ دارانہ قسم کی چیز ہے۔ (کلیم الدین احمد)
- تاثراتی تنقید یہ دیکھتی ہے کہ کسی فن پارے سے ذہن پر کیا تاثرات مرتب ہوتے ہیں۔
- تنقید نگار کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ وہ انھیں ان کے اصل روپ میں دیکھے اور ان کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کردے۔ (والٹر پیٹر)
- تاثراتی تنقید کے اہم نقاد نیاز فتح پوری ہیں

اردو کے نمائندہ تاثراتی نقاد حسب ذیل ہیں:

- محمد حسین آزاد (آبِ حیات)
- نیاز فتح پوری (انتقادیات)
- مہدی افادی (افاداتِ مہدی)
- فراق گورکھپوری (اندازے)
- فراق گورکھپوری شروع سے آخر تک تاثراتی دبستان سے ہی متعلق رہے۔
- کچھ نقاد حسب ذیل ہیں جن کے یہاں تاثراتی تنقید کے نمونے کہیں کہیں مل جاتے ہیں:
- شبلی
- مجنوں گورکھپوری (تنقیدی حاشیے)
- عبدالرحمٰن بجنوری (محاسن کلام غالب)
- محمد حسن عسکری (انسان اور آدمی، ستارہ یا بادبان)
- رشید احمد صدیقی
- شاعر کی زبان سے عالم بے خودی میں ایک ترانہ نکل جاتا ہے جو سامعہ سے دماغ تک پہنچ کر ہم وارفتۂ ہستی کر دیتا ہے۔ (رشید احمد صدیقی)
- خورشید الاسلام

نوٹ: واضح ہو کہ ہمارے بیشتر نقاد بیک وقت مختلف دبستانوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ خاص کر تاثراتی، رومانی اور جمالیاتی تنقید کے دبستانوں سے وابستہ نقادوں کی فہرست تو تقریباً یکساں ہے اس لیے ایک ہی نام ایک سے زائد دبستانوں میں آپ کو مشترک نظر آئے گا۔

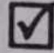
مارکسی تنقید یا ترقی پسند تنقید

- انسان کے خیالات اور جذبات اس کے تمام مساعی ایک مخصوص دور کے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور جو مادی اسباب کسی ایک ماحول کی تشکیل کرتے ہیں ان میں طریقۂ پیداوار یا پیداوار کی غرض سے اقتصادی تنظیم سب سے زیادہ اہم ہے۔ (کارل مارکس)
- مارکسی تنقید سے تنقید کا وہ دبستان مراد ہے جو کارل مارکس کے نظریات کا علم بردار ہے اور ادب و شعر کو، مارکسی افکار کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔
- مارکسی نقاد ادب کو ایک آلۂ کار اور محنت کش عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔
- جدلیاتی مادیت مارکسی تنقید کی پہچان ہے۔

ترقی پسند نقاد حسب ذیل ہیں:

- اختر حسین رائے پوری ''ادب اور زندگی (مضمون)، 'ادب اور انقلاب'' 1932
- ادب اور زندگی پہلا مضمون ہے جس میں ادب کو مارکسی نظریات کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- سجاد ظہیر 'اردو کی جدید انقلابی شاعری' (مضمون)
- سجاد ظہیر ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں سے ہیں۔
- ڈاکٹر عبدالعلیم اردو ادب کے رجحانات (مضمون)
- مجنوں گورکھپوری تنقیدی حاشیے
- مجنوں گورکھپوری پہلے تاثراتی تنقید نگار تھے بعد کو وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔
- مجنوں کی کتابیں تنقیدی حاشیے، تاریخ جمالیات، غزل سرا، غالب شخص اور شاعر، اقبال، نکات مجنوں۔
- احتشام حسین ادب اور سماج
- ممتاز حسن ماضی کے ادب عالیہ سے متعلق
- عزیز احمد (ترقی پسند ادب، اقبال ایک نئی تشکیل)
- اختر انصاری افادی ادب، ادبی ڈائری
- مجتبیٰ حسین ادب و آگہی
- ڈاکٹر محمد حسن ادبی تنقید، مارکسی تنقید (مضمون)
- ڈاکٹر قمر رئیس

- ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی 'نئی علامت نگاری'، 'تنقید اور عصری آگہی'، 'اردو مرثیے کی سماجیات'۔
- محمد علی صدیقی "نشانات"، "اشارات"، "جہات"، "توازن"، "کروچے کی سرگذشت"، "سرسید احمد خان اور جدت پسندی"، "تلاش اقبال"۔
- شارب ردولوی تنقیدی مباحث، مراثی انیس میں ڈرامائی عناصر، مطالعہ ولی، افکار سودا، جگر فن اور شخصیت
- محمد حسن عسکری ترقی پسند تحریک کے سخت مخالف تھے۔
- ترقی پسند تحریک نے لوگوں کو مطالعے کا شوق دلایا۔ اس نے تنقید کو محض لفظی یا صنعتی شعبدہ بام ہونے سے بچایا..... اس نے بتایا کہ تنقید محض گلستان میں کانٹوں کی تلاش نہیں ہے۔ یہ تنقید ذہنی صحت کا معیار قائم کرتی ہے اور تجربے کی قدر و حیثیت متعین کرتی ہے۔ (آل احمد سرور)
- کلیم الدین احمد نے ترقی پسند ادب کو غیر تشفی بخش اور پروپیگنڈہ کہا ہے۔ کیونکہ انھیں ترقی پسند ادب کے اصول غلط معلوم ہوتے ہیں اس میں ادبی محاسن کا فقدان اور چند اشتراکی خیالات کی تکرار نظر آتی ہے۔
- ترقی پسند نقاد، جمالیات، لفظی خوبیوں اور دوسری چیزوں کا احساس رکھتے ہیں۔ اس سے متاثر ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں بھولتے کہ خود ان کا احساس جمال مادی رشتوں اور رابطوں سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ (احتشام حسین)



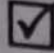
جمالیاتی تنقید

- جمالیاتی تنقید کا کام فن پارے میں موجود حسن و مسرت کے اجزا تلاش کرنا ہے۔
- کوئی تنقیدی فیصلہ جمالیاتی اقدار پر نظر رکھے بغیر صحیح نہیں ہوسکتا۔ (آسبورن)
- جمالیاتی تنقید میں زیادہ زور فنی اقدار پر دیا جاتا ہے۔
- جمالیات تنقیدی دبستان موضوع اور فکر کی عظمت کو پہلا مقام دیتا ہے۔

جمالیاتی تنقید کے نمائندہ نقاد

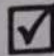
- محمد حسین آزاد
- شبلی نعمانی
- مہدی افادی
- عبدالرحمٰن بجنوری (محاسن کلام غالب، باقیات بجنوری)
- نیاز فتح پوری
- محمد حسن عسکری
- اثر لکھنوی

- فراق گورکھپوری
- جمالیاتی تنقید اور تاثراتی تنقید کو ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ (سید عبداللہ)



نفسیاتی تنقید

- ادب میں ادیب یا فنکار کی شخصیت کا مطالعہ نفسیاتی مطالعہ ہے اور اس نقطۂ نظر کی بنیاد پر جو تنقید کی جاتی ہے اسے نفسیاتی تنقید کہتے ہیں۔
- تنقید کے سلسلے میں فن کار کی شخصی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کسی فن پارے کو فن کار کی شخصیت سے جدا کر کے سمجھنے کا خیال مہمل ہے۔ فن کار کی شخصیت کو سمجھتے وقت تحلیل نفسی سے نقاد کا گریز اس رہنا عملی طور پر فن کار کی شخصیت سے جدا کر کے سمجھنے کے مرادف ہے۔ (شبیہ الحسن)
- تنقید کو نفسیات کی دلدل میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ نفسیات کا علم ہمارے لیے بڑا مفید ہے مگر وہ بڑا پرفریب بھی۔ میں نفسیاتی شعور کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے سستی نفسیاتی تنقید کو گمراہ کن سمجھتا ہوں۔ (آل احمد سرور)
- انگریزی میں نفسیاتی تنقید نگاروں میں آئی اے رچرڈس اور آڈن کا نام اہم ہے۔
- اردو کے نفسیاتی تنقید نگار مندرجہ ذیل ہیں۔
- وحیدالدین سلیم (افادات سلیم)
- میراجی (میراجی اردو کے پہلے باضابطہ نفسیاتی نقاد ہیں)، ('اس نظم میں')
- وزیر آغا (نظم جدید کی کروٹیں، اردو شاعری کا مزاج، اردو ادب میں طنز و مزاح، تخلیقی عمل، تنقید اور احتساب، تصورات عقل و خرد)
- سلیم احمد (نئی نظم اور پورا آدمی)
- ریاض احمد (مضمون 'اردو تنقید کا نفسیاتی دبستان')
- شبیہ الحسن (تنقید و تحلیل)
- انھوں نے نفسیاتی تنقید پر اہم کام کیا ہے)



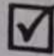
سائنٹی فک تنقید

- سائنٹی فک ادبی تنقید سے مراد معروضی تنقید ہے یعنی ادب کو ایسے معیاروں سے پرکھنے کی کوشش جن میں سائنس کی سی صحت، قطعیت اور غیر جانب داری ہو۔
- مغرب میں سائنٹفک تنقید کے ابتدائی نقادوں میں میتھو آرنلڈ کا نام سرفہرست ہے۔

- ادبی تنقید فن ہے سائنس نہیں، گو سائنسی طریقہ کار سے مدد لے سکتی ہے اور لے رہی ہے۔ یہ مقصد نہیں ذریعہ ہے فن کو بہتر طور پر سمجھنے اور فن پاروں کی قدر و قیمت پانے کا، اس میں کوئی اصول حرف آخر نہیں لیکن ہر اصول سے فن کے ستر پردوں میں سے کچھ کو اٹھانے میں مدد ملتی ہے۔ (آل احمد سرور)

اردو کے سائنٹفک نقاد

- سید عبداللہ
- سید اعجاز حسین 'آئینہ معرفت'، 'مختصر اردو ادب'، 'نئے ادبی رجحانات'، 'مذہب اور شاعری'
- اختر حسین رائے پوری: ادب اور انقلاب، سنگ میل
- سید احتشام حسین
- عبادت بریلوی: اردو تنقید کا ارتقا، غزل اور مطالعہ غزل، غالب اور مطالعۂ غالب، مقدمات عبدالحق، اقبال کی اردو نثر، تنقیدی زاویے، روایت اور تجربے، جدید شاعری اور شاعری کی تنقید
- عبدالعلیم: اردو ادب کے رجحانات
- آل احمد سرور
- مسعود حسین خاں: اردو زبان و ادب، شعر و زبان، اقبال کی نظری و عملی شعریات، مقالات مسعود، قصہ مہر افروز دلبر (ترتیب)
- محمد حسن



ہیئتی تنقید

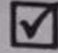
- اردو میں ہیئتی تنقید کا تصور مغرب سے آیا ہے۔
- ہیئتی تنقید، تخلیق میں ہیئت، اس کے تشکیلی عناصر اور اس کے مختلف مباحث و مسائل سے مشروط ہے۔
- ہیئتی نقاد فن پارے کی ہیئت اور اس کے تشکیلی عناصر سے بحث کرتا ہے۔
- اردو میں ہیئتی تنقید سے متعلق قابل توجہ کام شمس الرحمٰن فاروقی نے کیا ہے۔
- شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنی کتاب 'لفظ و معنی' میں لکھا ہے:
  "ہیئتی تنقید شعر کو الفاظ پر مبنی سمجھتی ہے اور چونکہ الفاظ تصورات کا پیش خیمہ یا تصورات

کے حامل یا تصورات کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں اس لیے الفاظ ہی سب کچھ ہیں وہی موضوع ہے اور وہی ہیئت۔"

- شمس الرحمٰن فاروقی کے مطابق ہیئتی تنقید محل الفاظ کے لغوی معنی ان کے استعاراتی معنی، مروجہ معنی، رموزی معنی، ڈرامائی معنی یعنی معنی کی تمام سطحوں سے بحث کرتی ہے۔
- یاد رہے کہ ہیئتی تنقید جمالیاتی اور تاثراتی تنقید سے قریب ہے جب کہ مارکسی تنقید اور نفسیاتی تنقید سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ کہیں کہیں ان کے بالکل مختلف ہے۔

اردو کے ہیئتی نقاد

* وزیر آغا * شمس الرحمٰن فاروقی * گوپی چند نارنگ



اسلوبیاتی تنقید

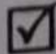
- اسلوبیات کی اصطلاح اسلوب سے بنی ہے۔
- ادب میں اسلوب کے مطالعہ اور نقد و جرح کو اسلوبیاتی تنقید کہا جاتا ہے۔
- اسلوبیات محض ایک حربہ ہے کل تنقید ہر گز نہیں۔تنقیدی عمل میں اس سے بیش بہا مدد لی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ تاثراتی اور جمالیاتی طور پر جو رائے قائم کی جاتی ہے، اسلوبیات اس کا کھرا کھوٹا پرکھ کر تنقید کو ٹھوس تجزیاتی، سائنسی معروضی عطا کر سکتی ہے۔(پروفیسر گوپی چند نارنگ)

اردو میں اسلوبیاتی تنقید کے اولین نقاد اور رہبر مسعود حسین خان ہیں۔

- اردو میں اسلوبیاتی نقاد گوپی چند نارنگ ہیں۔

گوپی چند نارنگ کی تصانیف: ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب، ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری، سانحۂ کربلا بطور شعری استعارہ، امیر خسرو کا ہندی کلام، ادبی تنقید اور اسلوبیات، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، قاری اساس تنقید، ترقی پسندی جدیدیت مابعد جدیدیت، جدید کے بعد۔

- مضامین: اسلوبیات انیس، اسلوبیاتِ میر، اسلوبیات اقبال
- اسپنگارن نے تاثراتی تنقید کو جدید تنقید یا تخلیقی تنقید کہا ہے۔



اردو کے اہم ناقدین

آقائے اردو

محمد حسین آزاد

(1830-1910ء)

- نام محمد حسین تھا اور آزاد تخلص۔
- آزاد ذوالحجہ 1245ھ مطابق 10 جون 1830 کو دہلی میں پیدا ہوئے۔
- آزاد کا انتقال 22 جنوری 1910 کو لاہور میں ہوا اور حالی نے قطعہ تاریخ وفات کہا ہے۔
- آزاد کا خاندان ایران سے کشمیر آیا تھا اور شاہ عالم ثانی آفتاب کے عہد میں دہلی آ گیا تھا۔
- آزاد کے دادا کا نام محمد اکبر والد کا محمد باقر اور والدہ کا امانی بیگم تھا۔
- محمد باقر دلی کالج میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہیں 1828 میں مدرس مقرر ہوئے تھے۔
- محمد باقر نے ایک اخبار 'دہلی اخبار' کے نام سے 1836 میں جاری کیا تھا جسے اردو کا پہلا اخبار ہونے کا شرف حاصل ہے جو 10 مئی 1840 سے نام میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ 'دہلی اردو اخبار' کے نام سے شائع ہونے لگا تھا۔
- 20 اپریل 1848 سے دہلی اردو اخبار پر محمد حسین (آزاد) کا نام مہتمم کی حیثیت سے آنا شروع ہوا تھا۔
- 12 جولائی 1857 کو بہادر شاہ ظفر کی تجویز پر 'دہلی اردو اخبار' کا نام بدل کر 'اخبار الظفر' رکھ دیا گیا تھا۔
- محمد باقر پر دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر فرانس ٹیلر کے قتل کے الزام کی وجہ سے 'دہلی اردو اخبار' 13 ستمبر 1857 کو بند ہوا تھا۔
- محمد باقر جمیل جالبی کے مطابق اس قتل کے الزام کی وجہ سے پھانسی پر چڑھائے گئے تھے اور نورالحسن نقوی کے مطابق انھیں گولی مار کر موت کی سزا دی گئی تھی۔
- محمد باقر شیخ ابراہیم ذوق کے لنگوٹیا یار تھے۔ اسی تعلق کے بنا پر آزاد نے ذوق کی شاگردی اختیار کی تھی اور سفر ایران سے واپس آ کر ان تھک محنت کر کے دیوانِ ذوق مرتب کر کے اسے اپنے خرچ سے چھپوایا تھا۔
- آزاد پہلی اور آخری بار ایران 1885 میں گئے تھے۔

حکومت ہند نے محمد حسین آزاد کو شمس العلما کا خطاب 1887 میں دیا تھا۔

- آزاد 5 جون 1890 کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے اور 6 جون سے پچاس روپے ماہوار ان کی پنشن مقرر ہوگئی تھی۔ 30 اگست 1892 کو گورنر جنرل کی سفارش پر وزیر ہند نے 75 روپے ماہوار کی خصوصی پنشن اور منظور ہوئی تھی۔
- آزاد کے چودہ بچے ہوئے تھے مگر صرف ایک آغا محمد ابراہیم زندہ بچے تھے۔
- آزاد کو اردو کا پہلا تاریخ نویس مانا جاتا ہے۔

محمد حسین آزاد کی تنقیدی نظریات

- شعر کے متعلق آزاد کی رائے ہے کہ ''شعر ایک پرتو روح القدس کا اور فیضان رحمت الٰہی کا ہے کہ اہل دل کی طبیعت پر نزول کرتا ہے۔''
- آزاد شعر کو خیالی باتوں کا مجموعہ اور گلزار فصاحت کا پھول بتاتے ہیں۔
- آزاد کا کہنا ہے کہ ہمارا شاعر اپنے ملک کی چیزوں کو نظر انداز کر کے ملک سے باہر نظر دوڑاتا ہے۔ اسے دجلہ و فرات تو نظر آتے ہیں گنگا جمنا دکھائی نہیں دیتیں۔ نسرین، نسترن، شمشاد و صنوبر اسے بھاتے ہیں مگر گلاب، چمپا، چمیلی کی اسے خبر نہیں۔

محمد حسین آزاد کے کارنامے

* آب حیات 1880: پہلا ایڈیشن 1880، دوسرا ایڈیشن 1883
* آب حیات اردو شعرا کا تذکرہ ہے جس سے ایک طرف ادبی تاریخ نویسی کا راستہ کھلتا ہے اور دوسری طرف اردو زبان کی عہد بہ عہد ترقی کی تصویر سامنے آتی ہے۔
* دربار اکبری 1898: اس میں جلال الدین اکبر بادشاہ ہندوستان اور اس کے دربار کے جلیل القدر امرا کے حالات و واقعات درج ہیں۔
* سخن دان فارس: یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اردو زبان میں فارسی زبان و قواعد سے متعلق ہے۔
- ڈرامہ اکبر 1922: اس میں شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کی داستان عشق کو اردو ڈرامے کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔
* سیر ایران: آزاد نے سفر ایران کے دوران جو روزنامچہ یادداشتوں کے طور پر لکھا تھا تاکہ بعد میں اس کی بنیاد پر اپنا سفرنامہ لکھ سکیں۔ اسے آزاد کے پوتے نے ان کی وفات کے بعد لاہور میں ایران پر دیے ہوئے لیکچر کے ساتھ 'سیر ایران' کے نام سے شائع کیا۔
* نگارستان فارس * قصص ہند * نیرنگ خیال

* **دیوان ذوق 1832**: اس میں 3412 غزلیں ہیں۔ آزاد کے دیوان ذوق کا خاتمہ ان الفاظ میں ہوتا ہے کہ "الٰہی تو جانتا ہے آزاد نے جو کچھ کیا نیک نیت اور پاک عقیدت سے کیا ہے اور تیرے حکم سے کیا ہے اس خدمت کو قبول کر۔"
* **مکاتیب آزاد** * **مقالات مولانا محمد حسین آزاد**، مرتب: آغا محمد باقر (تین جلدیں)
* آزاد کی شاعری کے دو مجموعے ہیں۔

(1) **نظم آزاد 1899**: یہ مجموعہ جدید اردو شاعری کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ (جمیل جالبی)

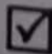
* 'نظم آزاد' کے سرورق پر لکھا ہے کہ "نظم آزاد جو حسن و عشق کی قید سے آزاد ہے۔"
* مجموعہ نظم آزاد ہی میں مثنوی شب قدر اور وہ لیکچر جو 15 اگست کو نظم اور کلام موزوں کے باب میں خیالات کے موضوع پر انجمن پنجاب کے جلسہ میں دیا گیا تھا شامل ہے۔

(2) **خم کدہ آزاد 1932**: اس میں وہ غزلیات، قطعات اور قصائد شامل ہیں جو آزاد نے 'نظم آزاد' سے پہلے کہے تھے اور جو رنگ قدیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس مجموعے میں جذب دوری کے عنوان سے ایک آزاد نظم بھی شامل ہے۔

* آزاد کی نظمیں: شب قدر، صبح امید، حب وطن، خواب امن، دادِ انصاف، وداعِ انصاف، گنج قناعت، ابر کرم، جذب دوری، پیاری بلی، خطاب بہ قلم، دوستی، نوطرز مرصع، الوالعزمی

محمد حسین آزاد کے متعلق مختلف آرا و خیالات

c کلیم الدین احمد نے آزاد کی تنقید کا سب سے بڑا عیب ان کی انشا پردازی کو بتایا ہے۔
c "محمد حسین آزاد نے اردو تنقید نگاری کی بنیاد رکھی مگر ٹیڑھی۔ پھر بھی یہ کیا کم ہے کہ انھوں نے بنیاد رکھی تو۔" (ڈاکٹر احسن فاروقی)
c آزاد میں تنقید کا مادّہ بالکل نہیں تھا۔ (کلیم الدین احمد)
c رام بابو سکسینہ نے لکھا ہے کہ "آزاد کی عبارت میں بھاشا کی سادگی اور بے تکلفی، انگریزی کی صاف گوئی اور فارسی کی حسن کاری سب یک جان ہوگئی ہے۔"
c شبلی نے آزاد کے بارے لکھا ہے کہ "آزاد گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے۔"
c محمد حسین آزاد نثر میں شاعری کرتے ہیں اور شاعری کرتے ہوئے نثر لکھتے ہیں۔ (رام بابو سکسینہ)
c محمد حسین آزاد کے دماغ تک انگریزی لالٹینوں کی روشنی نہ پہنچنے کی بات کلیم الدین احمد نے کہی تھی۔



اردو کا برناڈ شاہ

الطاف حسین حالی

(1837ء-1333ھ)

- نام الطاف حسین تھا اور تخلص پہلے خستہ پھر حالی۔
- حالی پانی پت ضلع کرنال (پنجاب) میں 1253ھ مطابق 1837ء میں پیدا ہوئے۔
- حالی کا انتقال 13 صفر 1333ھ مطابق 31 دسمبر 1914 میں پانی پت میں ہوا۔
- حالی کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا اور بڑے بھائی کا خواجہ امداد حسین مظہر
- حالی کے مورث اعلیٰ پیر ہرات شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہیں۔ انھیں کے نسبت سے حالی کو خواجہ الطاف حسین حالی کہا جاتا ہے۔
- حالی کی شادی ان کے ماموں میر باقر علی کی لڑکی اسلام النسا سے حالی کی مرضی کے خلاف 1854 میں 17 سال کی عمر میں ہوئی تھی۔
- حالی کے دو بیٹے خواجہ اخلاق حسین اور خواجہ سجاد حسین تھے اور ایک بیٹی عنایت فاطمہ۔
- حالی کا سلسلہ حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے۔
- حالی کے درسی اساتذہ: قاری ممتاز علی، سید جعفر علی، مولوی ابراہیم انصاری، مولوی نوازش علی، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولوی محبت اللہ، مولوی قلندر علی۔
- شاعری کے استاد: غالب
- حالی نے شاعری شروع کی تو اپنا تخلص خستہ رکھا مگر غالب کے مشورے سے تخلص بدل کر حالی بروزن غالب کر دیا۔
- مالک رام کا خیال ہے کہ حالی نے اپنا تخلص شیفتہ کی صحبت کی وجہ سے تبدیل کیا تھا۔

(مونوگراف خواجہ الطاف حسین حالی، ص 23، از شہزادا انجم، اردو اکادمی دہلی)

- حالی کے معنی ہیں میرا حال، خود کہا ہے:

اپنی روداد تھی جو عشق کی کرتے تھے بیاں
جو غزل کہتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی

- نواب مصطفیٰ خاں جو اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے ان سے حالی کے مراسم 1863 میں ہوئے۔
- حالی غالب سے 55-1854 میں دہلی میں ملے اور اردو فارسی کی غزلیں سنائی جنہیں سن کر غالب نے ان کو شاعری کرنے کا مشورہ دیا۔
- کرنل ہالرائیڈ کی سفارش پر جون 1904 میں ہندوستان کے وائسرائے نارتھ بروک نے حالی کو شمس العلما کے خطاب سے نوازا۔
- حیدرآباد کے نواب سر آسمان جاہ نے 1887 میں سرسید کی سفارش پر 75 روپیہ ماہانہ وظیفہ حالی کے لیے مقرر کیا تھا۔
- خواجہ غلام الثقلین حالی کے پوت داماد ہیں اور حالی خواجہ غلام السیدین، صالحہ عابد حسین اور خواجہ احمد عباس کے پرنانا ہیں۔
- حالی کو سرسید سے 1868 میں شیفتہ نے ملایا۔
- حالی کی نظموں کی خصوصیت استدلال، ڈرامائیت، بیانیہ انداز اور مخصوص مقتضائے حال کے عین مطابق زبان ہے۔
- مسعود حسن رضوی کے علاوہ مولانا حسرت موہانی اور عبدالرحمٰن نے بھی حالی کے خیالات سے اختلاف کیا ہے۔
- حالی نے نیچرل شاعری کا نظریہ پیش کیا تھا۔
- حالی کے یہاں سرسید اور شیفتہ کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔
- حالی اردو کے پہلے سوانح نگار ہیں اور حیات سعدی 1886 پہلی سوانحی تصنیف ہے۔

حالی کے کارنامے

تصانیف:

(1) رسالہ منطق سنہ تصنیف 1854

(2) مولود شریف سنہ تصنیف 1864 اور 1870 کے درمیان، اشاعت 1923

(3) تریاق مسموم، اشاعت 1868 (4) شواہد الالہام: اشاعت 1872

(5) اصول فارسی سنہ تصنیف 1864 (6) علم طبقات الامراض

(7) مجالس النسا 1874: یہ کتاب لاہور میں مڈل جماعت کی طالبات کے لیے لکھی گئی تھی۔ یہ اصلاحی

اور اخلاقیات کی کتاب ہے۔ (اسے ناول بھی کہا گیا ہے)
مجالس النساء پر کرنل ہالرائیڈ نے حالی کو لارڈ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپے کا انعام دلوایا تھا۔

(8) مسدس مدو جزر اسلام (مسدس حالی) سنہ تصنیف 1879

* مسدس مدو جزر اسلام مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان ہے۔
* اس مسدس کو حالی نے سرسید کے فرمائش پر لکھا تھا۔
* حالی کی مسدس کے بارے میں سرسید نے لکھا ہے کہ "بے شک میں اس کا محرک ہوا ہوں اور اس کو میں اپنے اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لایا۔ میں کہوں گا میں حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں۔

(9) سوانح حکیم ناصر خسرو (1881) یہ سوانح عمری حالی نے فارسی میں لکھی ہے۔

(10) مضامین حالی 1881 بتیس مضامین کا مجموعہ ہے جسے مولوی وحیدالدین سلیم نے 1902 میں شائع کیا۔

(11) حیات سعدی 1886 حالی کی پہلی باقاعدہ نثری تصنیف ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں سعدی کے حالات ہیں اور دوسرے حصے میں ان کے کلام پر تبصرہ ہے۔

(12) یادگارِ غالب 1897 دو حصوں میں ہے۔ پہلے حصے میں مرزا کی زندگی کے واقعات، اخلاق، عادات و خیالات کا بیان ہے۔ دوسرے حصے میں غالب کا تمام کلام نظم و نثر، اردو و فارسی کا انتخاب ہے۔

c یادگارِ غالب میں حالی نے غالب کے بارے میں لکھا ہے کہ "اگرچہ شاعر کی حیثیت سے انہوں نے شراب کی جا بجا تعریف کی ہے مگر اس کو بہت برا جانتے تھے اور اپنے فعل پر سخت نادم تھے، باوجود اس کے انہوں نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپایا نہیں۔

(13) حیات جاوید 1901: یہ سرسید کی سوانح عمری ہے۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں چھ ابواب ہیں جن میں سرسید کی ولادت خاندان، بچپن، تعلیم اور عنفوان شباب کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی ان کی زندگی کے تدریجی ارتقا علمی، ادبی کارناموں کی تفصیلات کا مفصل بیان، اور ان کی وفات تک کی تفصیلات درج ہیں۔

دوسرے حصے میں سرسید کی زندگی ان کی تصنیفات اور ان کے کاموں پر ریویو شامل ہے۔

c شبلی نے حیات جاوید کو مدلل مداحی اور کتاب المناقب کہا ہے۔

(14) مقالات حالی 1952: حالی کے چھوٹے فرزند خواجہ سجاد حسین نے حالی کے مقالات کو دو جلدوں میں جمع کیا ہے۔ اس میں وحیدالدین سلیم کے جمع کیے ہوئے بتیس مضامین کے علاوہ 12 لیکچر اور 27 تبصرے ہیں۔

(15) مجموعہ نظم حالی: چند متفرقات کا مجموعہ ہے۔اس کے شروع میں حالی کا دیباچہ ہے۔اس میں پندرہ نظمیں شامل ہیں۔

(16) دیوان ومقدمہ شعروشاعری 1893: -اس دیوان میں حالی کی اردو غزلیات، قصائد، قطعات، ترکیب بنداور رباعیات ہیں۔

- اس دیوان کے آخر میں حالی نے اپنے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین مظہر کی وفات پر قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں۔اس میں 123 غزلیں اور پونے تیرہ سو اشعار ہیں۔

(17) کلیات حالی 1914: یہ نظم ونثر فارسی عربی کا مجموعہ ہے۔

(18) مکتوبات حالی: حالی کے مکتوبات کو ان کے چھوٹے فرزند خواجہ سجاد حسین نے مرتب کیا ہے جس پر مولوی عبدالحق کا مقدمہ ہے۔

(19) انتخاب کلام داغ: مرزا داغ دہلوی کے کلام کا انتخاب ہے۔

- انجمن پنجاب لاہور کے مشاعروں کے لیے حالی نے چار نظمیں لکھیں۔

(1) برکھارت 1874: اس میں ایک سو پینتالیس اشعار ہیں۔

(2) نشاط امید 1874: اس میں بانوے اشعار ہیں۔

(3) حب وطن 1874: اس میں 215 اشعار ہیں۔

(4) مناظرہ رحم وانصاف 1875 اس میں ایک سو انیس اشعار ہیں۔

- حالی کی دوسری نظمیں: (1) کلمۃ الحق 1883، (2) مناجات بیوہ 1884، (3) پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ 1882، (4) دولت اور وقت کا مناظرہ 1887، (5) حقوق اولاد 1888، (6) روٹی کیونکر میسر آتی ہے، (7) شکوہ ہند 1888، (8) مناظرہ واعظ وشاعر 1883، (9) چپ کی داد، (10) تعصب وانصاف، (11) قوم کی پاسداری، (12) خودستائی، (13) عقل اور نفس کی گفتگو (14) زمزمۂ قیصری

- حالی نے اپنی سوانح عمری یعنی ترجمۂ حالی 1901 میں نواب عماد الملک بہادر آف حیدرآباد کی فرمائش پر لکھی۔

حالی کے مراثی:

- حالی نے کل پانچ شخصی مرثیے لکھے ہیں۔

(1) مرثیۂ غالب 1869 جو ترکیب بند میں ہے۔

(2) بڑے بھائی خواجہ امداد حسین کا مرثیہ 86-1885

(3) مرثیہ حکیم محمود جان 1892 جو مسدس کی ہیئت میں ہے۔
(4) ملکۂ وکٹوریہ کا مرثیہ 1901 جو ترکیب بند میں ہے۔
(5) نواب محسن الملک کا مرثیہ 1907

حالی کے قصائد:

* حالی کے کلام میں سات مکمل اور تین نامکمل قصیدے ہیں یعنی کل دس قصائد۔
* مکمل قصائد میں سے دو نعت میں ہیں۔
* تین نواب سر آسمان جاہ، ملکہ وکٹوریہ اور نظام دکن کی تعریف میں ہیں۔
* ایک قصیدہ علی گڑھ کالج کے ایک وفد کی طرف سے حیدر آباد میں ایک عام جلسے میں پڑھا گیا تھا۔ اس میں نظام دکن کی مدح کے ساتھ ساتھ بعض اعیانِ ریاست کا شکریہ بھی ادا کیا گیا ہے۔
* ایک قصیدہ 'قصیدہ الغیاثیہ یا عرضِ حال' ہے۔
* ناتمام قصائد میں ایک قصیدہ نواب کلب علی خان والی رام پور اور ایک سرسید کی تعریف میں ہے۔
* تیسرے قصیدے میں صرف تشبیب کے چند اشعار ہیں۔
* اس کے علاوہ حالی کے کلام میں چار نظمیں: (1) شکر مسٹر برور (2) مناظرۂ واعظ و شاعر (3) مسٹر ماریسن کی روانگیٔ ولایت (4) اشعار مدحیہ (لفٹیننٹ گورنر پنجاب کی شان میں) اور ہیں جو اپنی ہیئت اور موضوع دونوں کے اعتبار سے قصیدے کے ذیل میں آجاتی ہیں۔
* حالی کے اکثر قصیدے مدحیہ ہیں لیکن وہ قصیدے کے روایتی معیار سے مختلف ہیں۔
* حالی نے مدح میں عموماً حقیقت و اصلیت پر زور دیا ہے اور رسمی مبالغے سے احتراز کیا ہے۔ حالی نے اصول سازی میں معروضیت کو خاص اہمیت دی ہے۔
حالی کے مطابق خیال کی بنیادی ایسی چیز پر ہونی چاہیے جو در حقیقت کچھ وجود رکھتی ہو۔

حالی کے تنقیدی نظریات

- حالی کا مقدمہ شعر و شاعری پہلی بار 1893 میں مع دیوان حالی مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا تھا۔
- مقدمہ کے سرورق پر ایک عربی قول ''در مع الدہر کما دار'' لکھا تھا جس کا مفہوم تھا جس رخ یا جدھر زمانہ پھرے تم بھی ادھر یا اس رخ پھر جاؤ۔
- حالی کا 'مقدمہ شعر و شاعری' مقدمہ ابن خلدون کی طرز پر ہے۔
- حالی کے یہاں مبالغہ سے خالی ہونا شیفتہ کا اثر ہے اور نیچرل شاعری سرسید کا اثر ہے۔

- مقدمہ شعروشاعری کے رد میں مسعود حسن رضوی ادیب نے 'ہماری شاعری' لکھی ہے۔
- حالی نے اپنے مقدمہ شعروشاعری میں مندرجہ ذیل انگریزی شعرا کا تذکرہ کیا ہے:
(1) ولیم شیکسپیئر، (2) گولڈ اسمتھ، (3) سر والٹر اسکاٹ، (4) ملٹن، (5) بائرن، (6) لارڈ میکالے
- حالی نے مندرجہ ذیل مشرقی مفکرین کا حوالہ اپنے مقدمہ شعروشاعری میں دیا ہے:
(1) ابن رشیق (2) ابن خلدون (3) اصمعی (4) خلیل بصری، (5) ابن عبدربہ
- مقدمہ شعروشاعری دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں شاعری کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں عملی تنقید ہے۔
- حالی تخیل، مطالعۂ کائنات، تفحص الفاظ کو شاعری کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔
- حالی سادگی، جوش اور اصلیت کو شعر کی خوبی ٹھہراتے ہیں۔
- حالی نے مثنوی کو سب سے زیادہ مفید اور کارآمد صنف کہا ہے۔
- حالی نے غزل کو عشق و عاشقی کے دائرے میں قید کہا ہے۔
- حالی کو قصیدہ جھوٹ اور خوشامد سے لبریز نظر آتا ہے۔
- حالی کے مطابق مرثیہ کے ذریعے اخلاق کی بہترین تعلیم دی جاسکتی ہے۔
- حالی وزن اور قافیے کو شعر کے لیے ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔
- حالی نے مقدمہ شعروشاعری میں میکالے، گولڈ اسمتھ، اور سر والٹر اسکاٹ کا ذکر کیا ہے۔
- اردو تنقید کی تاریخ میں 'مقدمہ شعروشاعری' کو بوطیقا کی طرح اہمیت حاصل ہے۔
- حالی کے مطابق شعر کی مدح و ذم میں بہت کچھ کہا گیا ہے اور جس قدر اس کی مذمت کی گئی ہے وہ بہ نسبت مدح کے زیادہ قرین قیاس ہے۔

مقدمہ شعروشاعری کے متعلق مختلف آرا و خیالات

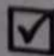
- آج جب لکھنے والوں کا مطمح نظر حالی کی طرح محدود نہیں۔ وہ بہترین مغربی ادب اور تنقید سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کسی نے بھی مقدمہ شعروشاعری سے بہتر تنقیدی کارنامہ پیش نہیں کیا۔ (کلیم الدین احمد)
- مولوی عبدالحق نے مقدمہ شعروشاعری کو پہلا نمونہ کہا ہے۔
- پروفیسر آل احمد سرور نے مقدمہ شعروشاعری کو اردو شاعری کے پہلے منشور کا نام دیا ہے۔
- مقدمہ شعروشاعری تنقید میں اپنی مثال آپ ہے۔ (ابو اللیث صدیقی)

- حالی کا مقدمہ شعر و شاعری اردو تنقید کے جدید دور کا اور ان کا کلام اردو شاعری کے نئے دور کا باقاعدہ آغاز کرتا ہے۔ (عزیز احمد)
- دیوان حالی کا مقدمہ فن شاعری اور اردو شاعری پر زبان اردو میں سب سے اعلیٰ پایہ کی تنقید ہے۔ (عبدالرحمٰن بجنوری)
- حالی ہماری شاعری کے مجدد اور تنقید کے مجتہد ہیں۔ (شوکت سبزواری)
- مقدمہ شعر و شاعری اردو شاعری کی تنقید میں ایک عہد آفریں کارنامہ ہے۔ (عبدالقادر سروری)
- یہ صرف ان کے دیوان کا مقدمہ نہیں بلکہ اردو فن تنقید کا پہلا مقدمہ ہے۔ (مولوی عبدالحق)
- اپنے زمانے، اپنے ماحول، اپنے حدود میں حالی نے جو کچھ کیا وہ لائق ستائش ہے۔ حالی صرف اردو تنقید کے بانی ہی نہیں اس وقت اردو کے بہترین نقاد بھی ہیں۔ (کلیم الدین احمد)
- کہا جا سکتا ہے کہ تنقید میں حالی اردو کے ڈرائیڈن Dryden ہیں۔ جس طرح ڈرائیڈن نے انگریزی تنقید میں نئی روح پھونکی اور جدید فن تنقید کی بنیاد ڈالی اسی طرح حالی نے اردو تنقید کو تذکرہ نگاری کی سطح سے بلند کر کے ایک علمی اور تحقیقی فن کی صورت دی۔ (مجنوں گورکھپوری)

حالی کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- غالب نے اپنے ایک خط میں حالی کے متعلق کہا تھا کہ "یہ طرزِ خاص میری دولت تھی سو ایک ظالم 'پانی پت' انصاریوں کے محلے میں رہنے والا لوٹ لے گیا۔"
- حالی کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فارسی اور اردو عملی تنقید سے ایک منظم نظریہ تنقید پیدا کیا۔ پرانی تنقید میں عمل تھا مگر اصول نہ قلم بند تھے نہ واضح حالی نے پرانی تنقید کو ایک نیا نظریہ بخشا۔ ان کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے مغربی تنقید اور مشرقی نقد و نظر میں ایک پیوند قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ (سید عبداللہ)
- ہمارے حالی بھی کسی زمانے میں اچھے شاعر تھے لیکن حضرت نے اب حسن خیال کی دھن میں حسن بیان سے قطع نظر کی ہے اور حسن خیال کو اس قدر روندا ہے کہ حسن جاتا رہا اور خیال ہی خیال رہ گیا۔ (اکبر الہ آبادی)
- اگرچہ میں کسی کو فکر شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا مگر تمہاری نسبت مرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔ (غالب)
- ان کے جتنے رفیق اور ہم عصر تھے سب صاحب طرز تھے لیکن زندگی صرف حالی کے طرز کو نصیب ہوئی۔ (آل احمد سرور)

- حالی سے پہلے ہماری شاعری دل والوں کی دنیا تھی۔ حالی نے 'مقدمہ شعر و شاعری' کے ذریعہ اسے ایک ذہن دیا۔ بیسویں صدی کی تنقید حالی کی اسی ذہنی قیادت کے سہارے ابھی تک چل رہی ہے۔ (آل احمد سرور)
- حالی کی غزلوں میں صحت مند ادبی شعور ہے۔ (آل احمد سرور)
- مجنوں گورکھپوری نے حالی کی غزلوں کو دل کی باتیں کہا ہے۔
- انگریزی ادب میں سوانح نگاری میں جو مرتبہ Baswell کا ہے۔ وہی اردو میں حالی کا ہے۔
- کسی نے بھی مقدمہ شعر و شاعری سے بہتر تنقیدی کارنامہ پیش نہیں کیا۔ (کلیم الدین احمد)
- حالی کی تنقید تو جدید ترین شعریات کے لیے بیج کا کام سرانجام دے رہی ہے۔ (وہاب اشرفی)
- مجنوں گورکھپوری نے حالی کی غزلیہ شاعری کو اقلیدسی کلیات کہا ہے۔
- خیالات ماخوذ، واقفیت محدود، نظر سطحی، فہم و ادراک معمولی، غور و فکر ناکافی، تمیز ادنیٰ، دماغ و شخصیت اوسط، یہ تھی حالی کی کل کائنات۔ (کلیم الدین احمد)
- حالی کی اہمیت تاریخی ہے، شاعر کی حیثیت سے بھی اور نقاد کی حیثیت سے بھی، اور یہ اہمیت ہمیشہ باقی رہے گی۔ (کلیم الدین احمد)
- حالی نے پرانی تنقید سے الگ ہو کر نئی تنقید کی ابتدا کی ہے۔ شبلی نئی اور پرانی تنقید کے بیچ معلق نظر آتے ہیں۔ (کلیم الدین احمد)
- مسدس حالی ایک الہامی کتاب ہے۔ (رام بابو سکسینہ)
- مسدس حالی ایک تارا ہے جو اردو شاعری کے افق پر طلوع ہوا۔ (رام بابو سکسینہ)
- کلام حالی میں کلام سعدی جیسی مکمل عکاسی پائی جاتی ہے۔ (فراق)
- سعدی ہمارے لیے تھا۔ حالی ہم سب سے ہے۔ (فراق)
- حالی کی شخصیت میں وہ بات تھی جو سچی چاندنی میں ہوتی ہے۔ (خورشید الاسلام)
- حالی نے سلطنت مغلیہ کے زوال پر اسلام اور اسلامیوں کا ماتم کیا، اکبر نے طنز و ظرافت سے کام لیا اور اقبال نے نعرۂ جنگ بلند کیا۔ (رشید احمد صدیقی)
- الطاف حسین حالی نے شاعرانہ تنقید کا ایک ایسا البم مرتب کیا جس کا جواب اردو تو کیا مغرب کی بہت کم زبانوں میں ملے گا۔ (شیخ محمد اکرام)
- مجنوں گورکھپوری نے حالی کو اردو کا ڈرائیڈن کہا ہے۔
- مسدس مدو جزر اسلام کو سرسید نے فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دیا ہے۔



امداد امام اثر

سید امداد امام نام، اثر تخلص اور خطاب شمس العلما تھا۔

- سید امداد امام اثر 17/اگست 1849ء کو موضع کرائے میر سرائے ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے۔
- (موضع سالار پور ضلع پٹنہ وہاب اشرفی کے مطابق)
- امداامام اثر کا 17/اکتوبر 1934ء کو ہوا تھا۔
- امداد امام اثر کے والد کا نام سید وحید الدین خان تھا اور دادا کا سید امداد علی خان جو سارن ضلع کے صدر امین تھے۔
- امداد امام اثر نے ابتدائی تعلیم سید محمد محسن بنارسی سے حاصل کی تھی۔
- امداد امام اثر اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے جید عالم تھے۔
- امداد امام اثر نے وکالت کر کے آرہ میں وکالت بھی کی تھی۔
- امداد امام اثر پٹنہ کالج سے تاریخ اور عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے وابستہ رہے تھے۔
- امداد امام اثر ریاست سورج پورہ ضلع شاہ آباد میں مدار المہام کے عہدے پر فائز رہے تھے۔
- امداد امام اثر عقیدتاً شیعہ تھے۔
- امداد امام اثر نے دو شادیاں کی تھیں۔
- امداد امام اثر ناول نگار، شاعر اور ناقد تھے۔
- امداد امام اثر اردو فارسی کے عمدہ شاعر تھے۔

امداد امام اثر کے تنقیدی نظریات

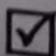
- امداد امام اثر اخلاقیات کو شاعری میں بہتر تصور کرتے ہیں۔
- امداد امام اثر کے خیال میں شاعری کو اخلاق آموزی کا ایک بہترین ذریعہ ہونا چاہیے۔
- امداد امام اثر شاعری میں الفاظ کی تہہ داری کے قائل ہیں۔
- امداد امام اثر شعر میں اخلاقیات کے ساتھ معنی کو بھی کلیدی اہمیت دیتے تھے۔
- امداد امام اثر کے نزدیک 'خوش خیالی' کی ترکیب میں 'خوش کی صفت' جمالیاتی اور اخلاقی زیادہ ہے۔
- امداد امام اثر کے مطابق شاعری پر سیاسی اور معاشرتی بحرانوں سے لے کر ماحولیات موسم، چرند پرند اور زراعت کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

- امداد امام اثر کے تنقیدی شعور کے پس منظر میں ابن قتبہ، ابن رشیق، عبدالقاہر جرجانی، ابو ہلال عسکری، جاحظ، کولرج اور رچرڈسن وغیرہ کے اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں۔
- امداد امام اثر نے اپنی کتاب 'کاشف الحقائق' میں امرؤالقیس کا میر و غالب سے تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔
- امداد امام اثر نے لکھا ہے کہ اگر سنسکرت کی شعری روایات پر بھی توجہ دی جاتی تو صنفی سطح پر اردو شاعری کو بہت سی وسعتیں میسر آتیں۔
- امداد امام اثر مصوری کو ایک قسم کی شاعری مانتے۔
- امداد امام اثر نے شاعری کی دو قسمیں بتائی ہیں۔
- امداد امام اثر ایسی شاعری جس کا تعلق ان کے الفاظ میں عالم خارج سے ہے اسے Objective شاعری کہتے ہیں اور جس کا تعلق ذہن سے ہے اسے Subjective شاعری کہتے ہیں۔

امداد امام اثر کے کارنامے

- 'کاشف الحقائق' 1897ء (دو جلدیں)
- 'کاشف الحقائق' کا نام بہارِ سخن بھی ہے جیسا کہ اس کے سرورق پر لکھا ہے 'کاشف الحقائق' معروف بہ بہارِ سخن۔
- پہلی جلد میں شاعری کی تعریف، موسیقی سے اس کا تعلق اور مصوری وغیرہ کا بیان ہے۔
- 'کاشف الحقائق' جلد دوم فارسی اور اردو شاعری کی مباحث پر مشتمل ہے۔
- مقدمہ شعر وشاعری کے بعد نظریاتی اور عملی تنقید کا بہترین نمونہ کاشف الحقائق کو مانا جاتا ہے۔
- 'کاشف الحقائق' کو تنقیدی اجتہاد کا نمونہ قرار دیا گیا ہے۔
- 'کاشف الحقائق' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کتاب اردو شاعری کا مطالعہ اور تجزیہ ہندوستان اور فارس کے پس منظر میں کیا گیا ہے۔

* کتاب الاثمار
* فسانۂ ہمت (ناول)
* مرأۃ الحکما
* مصباح الظلم
* فوائد دارین (مذہبی کتاب)
* کیمیائے زراعت
* معیار الحق
* کتاب الجواب معروف بہ مناظر المصائب
* دیوانِ اثر
* رسالہ طاعون
* ہدیۂ قیصریہ



شبلی نعمانی

- نام محمد شبلی تھا، امام ابو حنیفہ کے نام کی نسبت سے اپنے نام کے آگے نعمانی لکھتے تھے۔
- شبلی نسلاً راجپوت تھے
- شبلی یکم جون 1857 کو بندول جیراجپور اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔
- شبلی کا انتقال اعظم گڑھ میں 1914 میں ہوا۔
- شبلی کے والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔
- شبلی کے بزرگوں میں ایک راجہ شیوراج سنگھ تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔
- شبلی کے استاد مولانا فاروق چریاکوٹی اور مولانا ارشاد حسین تھے۔
- شبلی نے وکالت کی تعلیم حاصل کر کے وکالت کا پیشہ بھی اختیار کیا تھا۔
- شبلی اپنے چھوٹے بھائی مہدی حسن کا داخلہ کرانے کے لیے 1881 میں علی گڑھ گئے تھے اور سرسید کی شان میں عربی میں ایک قصیدہ پڑھا تھا جو علی گڑھ گزٹ میں 15 اگست 1881 میں شائع ہوا۔
- شبلی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں عربی کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے 1883 میں مقرر ہوئے تھے۔
- شبلی فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔
- شبلی ابتدا میں اردو میں تسنیم اور فارسی میں شبلی تخلص کرتے تھے۔ ایک آدھ غزل میں ضرورت وزن کے لیے نعمان تخلص بھی اختیار کیا ہے۔
- شبلی کو شمس العلما کا خطاب 1894 میں ملا تھا۔
- شبلی کی ادبی و علمی خدمات کے صلے میں ریاست حیدر آباد سے انھیں سو روپے وظیفہ مقرر ہوا تھا۔
- شبلی نے دار المصنفین 1914 میں قائم کیا تھا۔
- شبلی مشرقیت کے دلدادہ تھے۔
- شبلی نعمانی نے 1885 میں نظم صبح امید لکھی تھی جس میں مسلمانوں کی غفلت اور سرسید کے زیر اثر ان کے بیدار ہونے کو موضوع سخن بنایا تھا۔
- شبلی نے اپنے چھوٹے بھائی کا مرثیہ لکھا تھا
- شبلی نے سرسید کی وفات کے بعد علی گڑھ چھوڑ دیا تھا۔
- سید علی بلگرامی کے اصرار پر شبلی حیدر آباد گئے تھے اور وہاں محکمۂ تعلیم کے ناظم مقرر ہوئے تھے۔

- ترکی کے سلطان نے شبلی کو تمغہ مجیدی عنایت کیا تھا۔
- شبلی نعمانی کے تصانیف کے مطالعہ سے لگتا ہے کہ وہ نقاد کم اور مورخ زیادہ تھے۔

شبلی کے تنقیدی نظریات

- شعرالعجم کی چوتھی جلد میں شبلی کے تنقیدی تصورات اور ان کے وضع کردہ اصول واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔
- شبلی کے مطابق علم حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں ایک ادراک اور دوسرا احساس۔
- ادراک کی مدد سے حاصل کیے جانے والے علوم کو شبلی نے عقلی علوم کہا ہے۔
- احساس کی مدد سے حاصل کیے جانے والے علوم کو شبلی نے احساسی علوم سے تعبیر کیا ہے۔
- شبلی سائنس اور دوسرے علوم کو ادراکی علوم میں شمار کرتے ہیں۔
- شبلی شاعری کو احساسی علوم میں شمار کرتے ہیں۔
- شبلی کے نزدیک شاعری ایک ذوقی اور وجدانی شئے ہے۔
- شبلی کے نزدیک شاعری محض خارجی حقائق کا بیان نہیں بلکہ داخلی احساسات کی مدد سے ایک نئی حقیقت کا اظہار ہے۔
- شبلی کے نزدیک شاعری اپنے داخلی احساسات کی ترجمانی کے لیے یعنی اپنے لیے کی جاتی ہے۔ سامع کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے نہیں۔
- علامہ شبلی کے نزدیک شاعری دو چیزوں کا نام ہے محاکات اور تخیل
- محاکات سے شبلی کی مراد کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح بیان کرنا ہے کہ اس کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔
- شبلی محاکات کے لیے مشاہدہ اور مطالعۂ کائنات کو لازمی جانتے ہیں۔
- شبلی محاکات سے زیادہ اہم تخیل کو مانتے ہیں۔
- شبلی نے تخیل کو نئی نئی ایجاد کرنے والی قوت (قوت اختراع) سے تعبیر کیا ہے۔
- شبلی تشبیہ واستعارے کو شاعری کے لیے بہت ضروری خیال کرتے ہیں۔
- شبلی کے تنقیدی خیالات حالی کے خیالات کی ضد ہیں۔
- شبلی شعر میں لفظ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جبکہ حالی معنی کو
- شبلی شعر میں میناکاری کے قائل ہیں جبکہ حالی سادگی کے

- شبلی شاعری کو خطابت سے مختلف اور برتر خیال کرتے ہیں۔
- شبلی کا خیال ہے کہ ''مضمون تو سب پیدا کر سکتے ہیں، شاعری کا کمال اس میں ہے کہ مضمون کن لفظوں میں ادا کیا گیا ہے اور بندش کیسی ہے۔''

شبلی کے دیگر کارنامے

* ظل الغمام فی مسئلۃ القرأۃ خلف الامام
* اسکات المعتدی علی انصاف المقتدی
* **مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم** 1887: اسے شبلی نے اپنی پہلی تالیف قرار دیا ہے۔
* **المامون:** اس میں مامون رشید کی زندگی اور عہد سلطنت کے حالات بیان ہوئے ہیں۔اس میں ان اعتراضات کا جواب بھی ہے جو مسٹر پامر نے اپنی تصنیف ہارون رشید میں کیے تھے۔
* سید سلیمان ندوی نے المامون کو تاریخ بنی العباس کا نچوڑ کہا ہے۔پہلی اشاعت 1887۔سر سید کی فرمائش پر شبلی نے پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی کی اور سر سید نے 1889 میں اپنے مقدمے کے ساتھ اسے دوبارہ شائع کیا۔
* **سیرۃ النعمان:** امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری۔اس تصنیف کا پہلا حصہ 1889 میں اور دوسرا حصہ 1890 میں لکھا گیا اور یہ کتاب 1891 میں شائع ہوئی۔
* **سفرنامہ روم ومصر وشام:** سر سید اس کی اشاعت کے اس لیے خلاف تھے کہ ترکی کی حمایت سے انگریزی حکومت ناراض ہوگی لیکن جب مولانا نے بتایا کہ اس میں کوئی ایسا ذکر نہیں ہوگا تو انھوں نے اشاعت کی اجازت دے دی۔
* شبلی نے سفرنامہ روم ومصر وشام 1893 میں لکھنا شروع کیا تھا اور سفرنامہ 1894 میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔(شبلی اس سفر کے لیے 1892 میں نکلے تھے)
* رسائل شبلی
* **الفاروق:** دو حصوں پر مشتمل ہے۔حضرت عمر کی سوانح ہے
* **الغزالی:** شبلی کی یہ تصنیف حیدرآباد دکن میں قیام کے دوران لکھی گئی اور اگست 1902 میں کان پور سے پہلی بار شائع ہوئی۔
* علم الکلام 1903
* الکلام

* سوانح مولانا روم: یہ جلال الدین رومی کی سوانح عمری ہے۔ 1906 میں شائع ہوئی۔
* موازنہ انیس و دبیر: اس میں شبلی نے انیس و دبیر کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اشاعت اوّل 1907
* موازنہ انیس و دبیر سے اردو میں تقابلی ادب کی ابتدا ہوئی ہے۔
* موازنہ انیس و دبیر میں بلاغت کے جزئیات کے ضمن میں چودہ مثالیں دی گئی ہیں۔
* شعرالعجم: یہ پانچ جلدوں میں ہے۔ چار جلدیں شبلی کی زندگی میں ہی شائع ہوگئی تھیں۔ پانچویں جلد شبلی کی وفات کے چار سال بعد 1918 میں شائع ہوئی۔
* سیرۃ النبی: اس کتاب کی پہلی جلد شبلی نے مکمل کی تھی اور دوسری پر شبلی نے کام شروع ہی کیا تھا کہ شبلی کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد سیرت النبی کو شبلی کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے خود شبلی کی فرمائش اور وصیت پر مکمل کیا تھا۔
* مقالات شبلی: یہ آٹھ جلدوں میں ہے
* کلیاتِ اردو
* دیوان شبلی (فارسی)

شعری مجموعے: دست گل، بوئے گل، برگ گل
* مکاتیب شبلی: دو جلدوں پر مشتمل شبلی کے خطوط کے مجموعے جسے سلیمان ندوی نے مرتب کرکے شائع کیا تھا۔
* خطوط شبلی: اس مجموعے میں شبلی کے وہ خطوط شامل ہیں جو انھوں نے عطیہ بیگم فیضی اور زہرا بیگم کے نام لکھے تھے۔ اس مجموعے کو محمد امین زبیری اور سید محمد یوسف قیصر نے مرتب کرکے شائع کیا تھا۔
* خطوط شبلی بنام آزاد: اس مجموعے کو سید محمد حسنین نے مرتب کرکے 1988 میں شائع کیا تھا۔
* باقیات شبلی: مقالات شبلی کی جلد ہشتم ان باقیات پر مشتمل تھی جو مقالات کی سات جلدوں میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ مشتاق حسین نے مزید تلاش و جستجو کے بعد 'باقیات شبلی' کے نام سے ایک مجموعہ اور مرتب کیا جو 1965 میں شائع ہوا۔

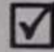
شبلی کی اہم نظمیں: صبح امید، خواتین عرب، شہر آشوب اسلام، عدل جہانگیر، مساوات اسلام، ہم کشتگان
* شبلی نے نظم صبح امید 1884 میں لکھی تھی جو 1885 میں شائع ہوئی تھی۔

شبلی کے متعلق مختلف آراء و خیالات

c بقول ڈاکٹر عبدالحق "اردو میں تنقید کا ایک ایسا سربلند روشنی کا معیار قائم کیا جس کی نظیر ابھی تک

قائم نہ ہو سکی۔"

- شبلی کے یہاں جگہ جگہ رومانوی تنقید کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہ اردو کے پہلے رومانوی نقاد ہیں اور اردو تنقید کو رومانی رنگ و آہنگ سے آشنا کرنے کا سہرا انھیں کے سر ہے۔ (عبادت بریلوی)
- حالی نے پرانی تنقید سے الگ ہو کر نئی تنقید کی ابتدا کی۔ شبلی نئی اور پرانی تنقید کے بیچ معلق نظر آتے ہیں۔ (کلیم الدین احمد)
- شبلی پہلے یونانی ہیں جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے وہ انشاپرداز تھے۔ اگر انشاپرداز نہ ہوتے تو مصور ہوتے۔ (خورشید الاسلام)
- مہدی افادی نے شبلی کو تاریخ کا معلم اوّل قرار دیا ہے۔
- کلیم الدین احمد نے شبلی کے صبح امید کو مسدس حالی پر ترجیح دیا ہے۔



احتشام حسین

- نام سید احتشام حسین
- احتشام حسین اعظم گڑھ کے قصبہ ماہل میں 21 اپریل 1912 کو پیدا ہوئے۔
- احتشام حسین کا انتقال الہ آباد میں 1972 میں ہوا۔
- احتشام حسین نے اعظم گڑھ اور الہ آباد میں تعلیم پائی۔
- احتشام حسین کا بحیثیت لکچرر تقرر لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو فارسی میں 1936 میں ہوا تھا۔
- احتشام حسین الہ آبادی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں پروفیسر کے عہدے پر 1961 میں فائز ہوئے تھے۔
- احتشام حسین کی تصنیفی زندگی کا باقاعدہ آغاز 1932 کے قریب ہوا۔
- احتشام حسین نے راک فیلر فاؤنڈیشن کی دعوت پر امریکہ کا سفر کیا تھا۔
- احتشام حسین اپنے ادبی سفر کی ابتدا میں نیاز فتح پوری کے رومانی افسانوں سے متاثر تھے۔
- احتشام حسین ترقی پسند تنقید کے نمائندہ نقاد ہیں اور آخر تک وہ اس تحریک سے وابستہ رہے۔
- احتشام حسین کی تنقید کی بنیاد اشتراکی نظریات پر ہے۔
- احتشام حسین تنقید میں سائنٹفک نظریے کے قائل ہیں۔

احتشام حسین کے کارنامے

- **تصانیف:** تنقیدی جائزے، تنقیدی حاشیے، تنقید اور عملی تنقید، ذوق ادب اور شعور، ادب اور سماج، روایت اور بغاوت، افکار و مسائل، اعتبار نظر، عکس اور آئینے، تنقیدی نظریات (اول، دوم)، اردو کی کہانی، اردو ساہتیہ کا اتہاس (ہندی) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔
- **ویرانے:** احتشام حسین کے افسانوں کا پہلا اور آخری مجموعہ ہے۔
- **ساحل اور سمندر:** احتشام حسین کا سفرنامہ ہے۔

احتشام حسین کے اقوال

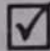
- ایک خیال کو جو کسی مادی تجربے پر مبنی ہو شدت احساس کے ساتھ مخصوص فنی طریق اظہار کے ساتھ پیش کرنا شاعری کہلاتا ہے۔
- اقبال صرف آزادی کے مفکر اور فلسفی ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے خدوخال کے شاعر کی

حیثیت سے بھی زندہ رہیں گے جو غیر معمولی لطافت و حسن اور طاقت سے بھرے ہوئے گیت گاتا ہے۔

- تنقید نگاری سے میرا مقصد ادب کی حقیقت و ماہیت پر غور کرنا، شاعر اور ادیب کو اس کی تخلیقی کاوش پر، نقاد کو اس صحیح شعور و ادراک پر داد دینا اور ادب کو زندگی کے تہذیبی رشتے میں دیکھنا ہے۔
- حقیقت کو اس کی مختلف شکلوں میں پہچاننے کے لیے ہر افسانے کے مواد کا مطالعہ، سماجی اور معاشی رجحانات، طبقاتی تضاد اور جہد حیات کی روشنی میں کرنا چاہیے۔

احتشام حسین کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- احتشام صاحب کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ اعلیٰ و اوسط شاعر اور متشاعر، ادیب اور خطیب سب کے ساتھ ایک ہی قسم کا خلوص برتتے ہیں کیونکہ ان کے پاس صرف ایک کسوٹی ہے اور وہ ہے سماجی یا سیاسی نقطۂ نظر۔ (خلیل الرحمٰن اعظمی)
- احتشام حسین کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ادب کے جملہ سماجی علوم خاص طور پر تاریخ، سیاست، اقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان سب سے مدد لیے بغیر وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچتے۔ (نورالحسن نقوی)
- پچھلے پینتیس چالیس سال سے اردو تنقید پر صرف ایک نقاد کی حکمرانی رہی ہے۔ سید احتشام حسین کی۔ یہ حکمرانی جابرانہ اور آمرانہ نہیں تھی بلکہ ایک ایسے ہمدرد اور دوست کی تھی جو دھیرے دھیرے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ (محمد حسن)
- اور جب احتشام حسین اس طرز میں لکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی ہاتھی خوش فعلیاں کر رہا ہو۔ (کلیم الدین احمد)



کلیم الدین احمد

- نام کلیم الدین احمد
- کلیم الدین احمد 1908 میں پٹنہ میں پیدا ہوئے۔
- کلیم الدین احمد کا انتقال 1983 میں ہوا۔
- کلیم الدین احمد کے والد کا نام عظیم الدین احمد تھا جو ایک شاعر ہونے کے ساتھ اردو، فارسی اور عربی کے عالم بھی تھے۔
- کلیم الدین احمد نے اپنے والد کے کلام کا مجموعہ 'گل نغمہ' کے نام سے ترتیب دے کر اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کیا تھا۔
- کلیم الدین احمد نے تین برس (23-1921) محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سٹی میں تعلیم حاصل کی۔
- اپنے اسکول کے زمانے میں کلیم الدین احمد نے اپنی پسندیدہ غزلوں اور نظموں کی دو الگ الگ کاپیاں بنا رکھی تھیں (1) کشکول (2) سبد گل چیں
- غزلوں کے لیے مخصوص 'کشکول' نامی کاپی میں ولی، درد، جلال، نوح، احسن مارہروی اور ریاض خیرآبادی کی غزلیں ہوتی تھیں۔
- نظموں کے لیے مخصوص 'سبد گل چیں' نامی کاپی میں ظفر علی خاں، حالی، اکبر اور فضل حق آزاد کی نظمیں شامل تھیں۔
- کلیم الدین احمد نے اعلیٰ تعلیم لندن اور کیمبرج میں حاصل کی تھی۔
- کلیم الدین احمد نے ProfGibbs سے عربی گرامر اور Prof.Guillaume سے الفخری پڑھا تھا۔
- کلیم الدین احمد نے کیمبرج میں ایف آر لیوس سے براہِ راست تربیت حاصل کی تھی اور انھیں کی زیرِ تربیت 'عملی تنقید' میں دسترس حاصل کی تھی۔
- کلیم الدین احمد کی تنقید میں لیوس کا واضح اثر نظر آتا ہے۔
- کلیم الدین احمد نے لکھا ہے کہ ''ڈاکٹر لیوس نے مجھے نقاد بنایا''۔
- کلیم الدین احمد کی پہچان متنازعہ نقاد کی حیثیت سے بھی ہے۔
- بقول نورالحسن نقوی کلیم الدین احمد نے تنقید کے میدان میں قدم رکھا تو اردو دنیا میں زلزلہ سا آ گیا۔
- بقول نورالحسن نقوی کلیم الدین کی تنقید یک رخی ہے۔ وہ اپنے ادب کو انگریزی ادب کے ہم پلہ

دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔
- بقول تنقید نگار کلیم الدین احمد ایوانِ ادب میں اس طرح داخل ہوئے جیسے کوئی مست ہاتھی شیشہ گر کی دکان میں گھس جائے۔

کلیم الدین احمد کے کارنامے

- اپنی تلاش میں (خودنوشت سوانح ہے)۔
- Psycho-Analysis and Literary Criticism: اس کتاب کے علاوہ کلیم الدین کی تمام کتابیں اردو میں ہیں۔
- **تنقیدی تصانیف:** اردو شاعری پر ایک نظر (دو جلدوں میں)، اردو تنقید پر ایک نظر، عملی تنقید، سخنہائے گفتنی، اقبال ایک مطالعہ، انیس ایک شاعر، قدیم مغربی تنقید، اردو زبان اور فن داستان گوئی، تنقید کی بھول بھلیاں، ادبی تنقید کے اصول، میری تنقید ایک باز دید۔

کلیم الدین احمد کے اقوال

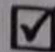
- کلیم الدین احمد نے تذکروں کو سرے سے تنقید ماننے سے انکار کیا ہے۔
- ''یہ تنقید محض سطحی ہے اس کا تعلق زبان، محاورہ اور عروض سے ہے لیکن یہ شاید کہنے کی ضرورت نہیں کہ تنقید کی ماہیت اور اس کے مقصد اور اس کے صحیح اسلوب سے بھی تذکرہ نویس واقفیت نہ رکھتے تھے۔ ان تذکروں کی اہمیت تاریخی ہے اور دنیائے تنقید میں ان تذکروں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔''
- کلیم الدین احمد نے تنقید کے بعض مغربی اصولوں کو اردو شعروادب سے منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔
- کلیم الدین احمد کا کہنا ہے کہ اردو ناقد اصول تنقید سے ناواقف ہیں اور اردو میں اصول تنقید کی ترتیب وتشریح کا فقدان ہے۔
- ''میں یہ نہیں کہتا کہ پیغام اور شاعری میں کوئی بیر ہے شرط یہ ہے کہ پیغام شعری تجربہ بن جائے۔
- ''ادب دو چیزوں کے اتحاد کا نام ہے۔ انسانی تجربات اور حسن صورت۔''
- ادب کی دنیا ایک ہے۔ اس میں الگ الگ چھوٹی چھوٹی دنیائیں ہیں، خود مختار حکومتیں نہیں۔ شاعری کا مدعا آج بھی وہی ہے جو دو ہزار برس پہلے تھا اور فنون لطیفہ کے بنیادی قوانین، شاعری کی اصولی باتیں ساری دنیا میں ایک ہیں۔
- انہدام کے بغیر تعمیر ممکن نہیں۔ اگر اردو ادب کے نقائص بیان کیے جاتے ہیں، تو اس کا مقصد

صرف یہ ہے کہ اردو انشا پرداز ان نقائص سے شناسائی حاصل کریں اور ان سے بچ کر ایک بہترین ادب کی تخلیق میں منہمک ہو جائیں۔

- کلیم الدین احمد نے اردو تنقید کے وجود کو محض فرضی، اقلیدس کا نقطۂ خیالی اور معشوق کی موہوم کمر سے تعبیر کیا ہے۔
- کلیم الدین احمد نے مثنوی کو بے لطف قصہ، مرثیے کو غیر حقیقی ماحول کا ترجمان، قصیدہ کو لفاظی اور غزل کو نیم وحشی صنف سخن قرار دیا ہے۔
- غالب ایک مبتذل صنف شاعری یعنی غزل پر لکھتے رہے، اس لیے شاعر کی حیثیت سے ان کا مقابلہ دانتے، شیکسپیئر سے کرنا اپنی کم فہمی کا ثبوت پیش کرنا ہے۔ پھر غالب میں وہ شاعرانہ اوصاف نہیں جو دانتے، شیکسپیئر میں پائے جاتے ہیں۔
- اردو تنقید کا حال مشاعروں جیسا ہے، مشاعروں میں شعروں کی شعریت یا عدم شعریت کی بنا پر تعریف یا مذمت نہیں ہوتی، تعریف اور مذمت دونوں کا سبب غیر متعلق ہے۔ یہی حال تنقید کا بھی ہے۔

کلیم الدین احمد کے متعلق مختلف آرا و خیالات

- بعض لوگوں نے کلیم الدین کو مغرب پرست اور مغرب نواز بتایا ہے۔
- انھیں محض مغرب کا اندھا مقلد اور مارکسی تنقید کا کٹر مخالف کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا۔ ان کی انتہا پسندی سے چڑھنے کے بجائے ان کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ (آل احمد سرور)
- کلیم الدین احمد ہمارے چوٹی کے نقادوں میں سے ہیں۔ میں انھیں ایک بہت اہم نقاد ہی نہیں، تنقید کا ایک بہت اچھا معلم بھی سمجھتا ہوں۔ نقاد کا کام صرف بت گری نہیں بت شکنی بھی ہے اور کلیم الدین احمد نے بہت سے بت توڑے ہیں۔ (آل احمد سرور)
- کلیم الدین احمد کی تنقید ہمارے ذہنی افق کو وسیع کرتی ہے، ہمیں طرفداری کے بجائے فن فہمی کے آداب سکھاتی ہے۔ (آل احمد سرور)
- وہ وہی کہتے تھے جو انھیں کہنا تھا اور اسی شد و مد سے کہتے تھے جو ان کا شیوہ تھا۔ دراصل وہ کبھی اس نیت سے حملہ آور نہیں ہوتے تھے کہ میدان ان کے ہاتھ آ جائے۔ (محمود الٰہی)



آل احمد سرور

(1912ء۔9فروری2002ء)

- نام آل احمد سرور
- آل احمد سرور 1912ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔
- آل احمد سرور کا انتقال 9فروری 2002ء کو علی گڑھ میں ہوا۔
- آل احمد سرور نے ابتدائی تعلیم بدایوں، پیلی بھیت، گونڈا، غازی پور وغیرہ کے مدرسوں میں حاصل کی تھی۔
- آل احمد سرور نے بی اے سی کی ڈگری سینٹ جارج کالج آگرہ سے حاصل کی تھی۔
- آل احمد سرور نے ایم اے (انگریزی) علی گڑھ سے کیا تھا۔
- آل احمد سرور شعبۂ انگریزی علی گڑھ میں جونیئر لکچرر 1934 میں مقرر ہوئے تھے۔
- آل احمد سرور اس کے بعد ایم اے (اردو) کر کے شعبۂ اردو میں جونیئر لکچرر مقرر ہوئے تھے۔
- آل احمد سرور رضا انٹر کالج رامپور میں پرنسپل کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔
- آل احمد سرور نے لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں آٹھ نو سال گزارے۔
- آل احمد سرور اردو کے پروفیسر ہو کر 1955 میں علی گڑھ آئے۔
- آل احمد سرور علی گڑھ سے ریٹائر ہو کر اقبال انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ہو کر سری نگر گئے۔
- آل احمد سرور سری نگر کے بعد شعبۂ اردو علی گڑھ میں پروفیسر ایمریٹس کے اعزازی منصب پر فائز رہے۔
- آل احمد سرور انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سکریٹری بھی رہے۔
- آل احمد سرور کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے ہوتا ہے۔
- ریڈیائی تقاریر پر مشتمل آل احمد سرور کا پہلا تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'تنقیدی اشارے' کے عنوان سے 1942 میں منظر عام پر آیا تھا اور 2000 تک ان کے تنقیدی مضامین کے 23 مجموعے شائع ہوئے تھے۔
- آل احمد سرور اردو کے پہلے ناقد ہیں جن کا تمام تر تنقیدی سرمایہ مضامین کی صورت میں ہے۔ انھوں نے کسی موضوع پر کوئی مستقل تنقیدی کتاب تصنیف نہیں کی ہے۔
- آل احمد سرور کی تنقید دوٹوک فیصلے صادر نہیں کرتی بلکہ ان کے یہاں معروضی اصولوں کے تحت

اچھے اور برے پہلوؤں کو آشکارا کرنے کا رویہ ہے۔

- آل احمد سرور کی تنقید پر جدید مغربی ناقدین ایلیٹ، رچرڈس وغیرہ کے ساتھ مارکسی اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔
- آل احمد سرور تصورات کے ذیل میں حالی سے اور اسلوب کے ذیل میں محمد حسین آزاد سے بہت متاثر ہیں۔
- آل احمد سرور حسرت موہانی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے غزل کی بہترین قسم عاشقانہ غزل کو قرار دیتے ہیں۔
- آل احمد سرور نے تنقید کے مختلف دبستانوں سے اثرات قبول کیے ہیں لیکن وہ کسی خاص نظریہ کے پیرو و مقلد نہیں۔
- آل احمد سرور کی تنقید نگاری کو اعتدال و توازن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔
- سرور نے غالب کا اڈیسن سے، سجاد انصاری کا نٹشے سے، اقبال کا ملٹن سے، سر سید کا حالی و اکبر سے موازنہ کیا ہے۔

آل احمد سرور کے کارنامے

- **سلسبیل 1935**: پہلا شعری مجموعہ،-خواب اور خلش (شعری مجموعہ)
- **خواب باقی ہیں**: خودنوشت
- **تنقیدی اشارے**: ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ ہے۔
- **تنقیدی مضامین و مجموعے**: تنقید کیا ہے، ادب اور نظریہ، نظر اور نظریہ، نئے اور پرانے چراغ، مسرت سے بصیرت تک، ذوق جنوں، تنقید کے بنیادی مسائل، پہچان اور پرکھ، کچھ خطبے کچھ مقالے، فکر روشن، افکار کے دیے، اردو میں دانشوری کی روایت، دانشور اقبال، اقبال، اقبال فیض اور ہم، اقبال نظریہ اور شاعری (خطبہ)، اقبال اور ان کا فلسفہ، اقبال اور مغرب کا عکس غالب، عرفان غالب۔

آل احمد سرور کے اقوال

- میں نے اپنے مضامین میں جابجا شاعرانہ انداز بیان یا جذباتی اسلوب کے خلاف آواز بلند کی ہے۔(تنقید کیا ہے)

- میں پہلے ادب میں ادبیت دیکھتا ہوں بعد میں کچھ اور گویہ جانتا ہوں کہ ادب میں جان زندگی سے ایک گہرے اور استوار تعلق سے آتی ہے۔
- میں ادب کا مقصد نہ ذہنی عیاشی سمجھتا ہوں نہ اشتراکیت کا پرچار۔
- میں محض نیا یا پرانا کہلانا پسند نہیں کرتا۔ میں نیا بھی ہوں اور پرانا بھی لیکن قدرتی طور پر اپنے دور کے میلانات وخیالات سے متاثر ہوں۔
- میں مغربی اصولوں، نظریوں اور تجربوں سے مدد لینا اردو ادب کے لیے مفید سمجھتا ہوں، مگر اس کے یہ معنی نہیں لیتا کہ اپنے تہذیبی سرمائے کے قابل قدر حصوں کو نظرانداز کردوں۔
- ادب سیاسی، مذہبی اور اخلاقی موضوعات سے مدد لیتا ہے، لیتا رہا ہے مگر یہ مذہب کا خادم ہے نہ سیاست کا نقیب ہے، نہ اخلاق کا نائب، ادب ہرجائی ہے اور ادب کا ہرجائی پن ہی اس کی دولت ہے۔ یہ معلومات نہیں تاثرات عطا کرتا ہے، یہ علم نہیں عرفان دیتا ہے۔ یہ نظریہ نہیں نظر بخشتا ہے۔
- خالص شاعری یا خالص آرٹ ایک اصطلاح ہے جو سہولت کے لیے یا سمجھانے کے لیے یا ادب کو پروپیگنڈے والے ادب سے ممتاز کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے ورنہ خالص ادب کا وجود بہت کم ہے۔
- انگارے کے مصنفین نفسیاتی نقطۂ نظر سے جیمس جوائس اور معاشی نقطۂ نظر سے کارل مارکس کے مقلد تھے۔
- اچھی تنقید محض تخریبی نہیں ہوتی، محض خامیوں یا کوتاہیوں کو نہیں دیکھتی، وہ بلندیوں کو دیکھتی ہے اور یہ اندازہ لگاتی ہے کہ بلندی کیسی ہے۔

آل احمد سرور کے متعلق مختلف آرا وخیالات

- معلوم نہیں کیوں سرور صاحب کچھ جھنجھلائے ہوئے ہیں۔ شاید انھیں احساس کمتری ہے اور یہ احساس کمتری کہتا ہے تم نے ابھی تک کوئی مفصل کتاب کیوں نہیں لکھی وہ دسترخوان کی مکھی ہیں شہد کی مکھی نہیں۔ (کلیم الدین احمد)
- بقول شمس الرحمٰن فاروقی آل احمد سرور اس وقت اردو کے سب سے بڑے نقاد ہیں۔"



شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقید

(1935ء)

- نام شمس الرحمٰن فاروقی
- شمس الرحمٰن فاروقی اعظم گڑھ کے کوڑیا پار نامی گاؤں میں 1935ء میں پیدا ہوئے۔
- والد کا نام خلیل الرحمٰن فاروقی تھا۔
- فاروقی نے نویں جماعت تک تعلیم اعظم گڑھ میں حاصل کی۔
- فاروقی نے بی اے گورکھپور سے اور ایم اے انگریزی الہ آباد یونیورسٹی سے کیا۔
- فاروقی نے مرکزی سول سروس کا امتحان بھی پاس کیا تھا۔
- شمس الرحمٰن فاروقی ماہنامہ 'شب خون' کے بانی اور مدیر رہے ہیں۔
- شمس الرحمٰن فاروقی جدیدیت کے بنیادگزاروں میں سے ایک ہیں۔
- شمس الرحمٰن فاروقی نے شاعری اور ناول نگاری کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔
- شمس الرحمٰن فاروقی ادب کو پروپیگنڈہ بنانے اور سماجی مسائل کے حل کی ذمہ داری ادیب پر ڈالنے کے سخت مخالف رہے ہیں۔
- فاروقی کے نزدیک افسانہ شاعری سے کمتر ہے۔
- فاروقی کے خیال میں شاعر اپنے تجربے کو قاری تک تین منزلوں یعنی اظہار، ترسیل اور ابلاغ کے ذریعے پہنچاتا ہے۔
- فاروقی کے نزدیک ''جس تحریر میں موزونیت اور اجمال کے ساتھ جمالیاتی حسن اور ابہام ہوگا وہی شاعری ہوگی۔''
- بقول فاروقی ''وہ نقاد جو معاصر ادب کا مطالعہ کرنے سے جی نہیں چراتا ہے اس میں مصروف و منہمک ہوتا ہے ہماری تعریف اور احترام کا مستحق ہے۔''
- فاروقی کی رائے میں ابہام شاعری کی بہت بڑی خوبی اور تنقید کی سب سے بڑی لعنت ہے کیونکہ شاعری میں تو ابہام نئے نئے معنی کے دروازے کھولتا ہے اور تنقید میں ابہام کے باعث نفس مطلب کا دم گھٹ جاتا ہے۔

اعزازات وانعامات

- شمس الرحمٰن فاروقی کو سرسوتی سمان سے 1996ء میں نوازا گیا تھا۔
- شمس الرحمٰن فاروقی کو حکومت ہند نے پدم شری سے 2009ء میں نوازا تھا۔
- شمس الرحمٰن فاروقی کو ڈی لیٹ کی اعزازی ڈگری سے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے نوازا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کے کارنامے

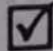
- کئی چاند تھے سرآسماں (ناول)
- سبز اندر سبز (مجموعۂ کلام)

فاروقی کی دیگر تصانیف:

لفظ ومعنی، شعر غیر شعر اور نثر، عروض آہنگ اور بیان، تنقیدی افکار، فاروقی کے تبصرے، افسانے کی حمایت میں، اثبات ونفی، تفہیم غالب، شعر شور انگیز (چار جلدوں میں میر تقی میر کے بارے میں)، انداز گفتگو کیا ہے، اردو غزل کے اہم موڑ، داستان امیر حمزہ: زبانی بیانیہ بیان کنندہ اور سامعین، اردو کا ابتدائی زمانہ: ادبی تہذیب وتاریخ کے پہلو، ساحری شاہی صاحب قرانی: داستان امیر حمزہ کا مطالعہ جلد اوّل، غالب پر چار تحریریں، غالب چند پہلو، تعبیر کی شرح، درس بلاغت (مرتبہ شعریات (ارسطو کی Poetics کا اردو ترجمہ بنام ''بوطیقا'')، نئے نام (مرتبہ)، تحفۃ السرور (مرتبہ) جدیدیت اور ہم۔

فاروقی کے متعلق کے مختلف آراوخیالات

- تنقید میں شمس الرحمٰن کی کاوشیں اور ان کے نتائج نہ صرف قابل صد تحسین بلکہ قابل صد شکر ہیں۔ (فضیل جعفری)
- بقول محمد حسن عسکری ''لوگ اب فاروقی کا نام حالی کے ساتھ لینے لگے ہیں۔''



گوپی چند نارنگ

- نام گوپی چند نارنگ تھا۔
- گوپی چند نارنگ ڈکی بلوچستان میں 11رفروری 1931ء کو پیدا ہوئے تھے۔
- گوپی چند نارنگ نے انٹرمیڈیٹ اجمیر بورڈ اور بی اے (فارسی آنرز) پنجاب یونیورسٹی سے کیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ نے ایم اے دہلی یونیورسٹی سے 1954ء میں کیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ نے دہلی یونیورسٹی سے 'اردو شاعری میں ہندوستانی عناصر' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری 1958ء میں حاصل کی تھی۔ (قمر رئیس کے مطابق)
- گوپی چند نارنگ نے انڈیانا یونیورسٹی امریکہ سے لسانیات، سمعیاتِ اور تشکیلی گرامر پر خصوصی کورس کیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ دہلی یونیورسٹی کے سینٹ اسٹیفنس کالج میں لکچرر 1959ء میں مقرر ہوئے تھے (قمر رئیس کے مطابق)
- گوپی چند نارنگ ساہتیہ اکادمی کے صدر 2003ء سے 2007ء تک رہے ہیں۔
- گوپی چند نارنگ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پروفیسر 1974ء میں مقرر ہوئے تھے۔
- گوپی چند نارنگ دوبارہ دہلی یونیورسٹی سے منسلک 1986ء میں ہوئے تھے اور 1995ء تک رہے تھے۔
- گوپی چند نارنگ کو دہلی یونیورسٹی نے پروفیسر ایمریٹس 2005 میں نامزد کیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو افسانوی ادب سے خاص شغف ہے۔
- گوپی چند نارنگ کو ہیئتی تنقید کا بنیاد گزار کہا جاتا ہے۔

گوپی چند نارنگ کے تنقیدی نظریات

- گوپی چند نارنگ ادب کو ادب کی نظر سے دیکھتے ہیں، اسے قدیم و جدید اور ترقی پسند وغیرہ ترقی پسند کے دائروں میں قید کرنے کے قائل نہیں ہیں۔
- گوپی چند نارنگ ادب کو ایک اکائی مان کر پورے خلوص کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔
- گوپی چند نارنگ کا دعویٰ ہے کہ میں نے ادب کی روایت کا مطالعہ نہایت سنجیدگی اور محنت کے ساتھ کیا ہے۔
- گوپی چند نارنگ کے نزدیک ادیب کا کسی گروہ سے وابستہ ہونا ادب کے لیے مہلک ہے۔

- گوپی چند نارنگ کی رائے ہے کہ ''کسی ایک نظریے کی پابندی سے فکر کی تازہ کارانہ راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں ادبی لیبلوں کا سخت مخالف ہوں اور ہر فلیٹ فارم سے اپنے اختلاف کے حق کا تحفظ کرتا ہوں۔
- گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے کہ کوئی سچا فن کار رنگ نظر نہیں ہوتا، ہو بھی نہیں سکتا۔ وہ سماج کا فرد ہوتے ہوئے بھی اس سماج سے بالاتر یا باہر بھی ہوتا ہے یعنی ادب کی سب سے کھری حیثیت اوٹ سائڈر کی ہے۔
- جدیدیت کے متعلق ان کا خیال ہے کہ ''جدیدیت اب بھی سرکشی، تازہ زمینوں کی تلاش اور نئی فصلوں کی آمد کی بشارت کا ایسا رجحان ہے جو ہر زمانے میں سچے فنکاروں کے دل کی دھڑکن بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے کہ ''وہ جدیدیت جس کا میں حامی ہوں بتِ ہزار شیوہ ہے اور آج کے انسان کے باطنی اور خارجی دونوں تقاضوں کی شہادت اس سے ملتی ہے۔
- گوپی چند نارنگ کے مطابق ادبی تنقید میں جو مدد اسلوبیات سے مل سکتی ہے، کسی دوسرے ضابطۂ علم سے نہیں مل سکتی۔

انعامات واعزازات

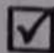
- گوپی چند نارنگ کو عالمی فروغِ اردو ایوارڈ (دوحہ) سے 1998ء میں نوازا گیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو علامہ اقبال پر کام کرنے پر حکومت پاکستان کی طرف سے نیشنل گولڈ میڈل سے 1977ء میں نوازا گیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو 2004ء میں پدم بھوشن اور 1990ء میں پدم شری سے سرفراز کیا گیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو مسلم یونیورسٹی نے 2009ء میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 2008ء میں اور سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد نے 2007ء میں ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 1995ء میں ملا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو غالب اکادمی ایوارڈ سے 1985 میں نوازا گیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو بہادر شاہ ظفر ایوارڈ 2020 میں ملا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو بھارتیہ بھاشا پریشد ایوارڈ 2010 میں ملا تھا۔
- گوپی چند نارنگ کو مدھیہ پردیش اقبال سمان سے 2011ء میں نوازا گیا تھا۔
- گوپی چند نارنگ نے بھارتیہ گیان پیٹھ مورتی دیوی ایوارڈ 2012 میں حاصل کیا تھا۔

گوپی چند نارنگ کے کارنامے

- گوپی چند نارنگ کی چونسٹھ کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں پینتالیس اردو میں، بارہ انگریزی میں اور سات ہندی میں ہیں۔
- گوپی چند نارنگ کی کتاب 'ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات' پر سرقہ ہونے کا الزام ہے۔
- گوپی چند نارنگ کے پی ایچ ڈی کا مقالہ تین کتابوں کی شکل میں شائع ہوا تھا (1) ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں 1961ء (2) اردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب 2002ء (3) ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری 2003ء

دیگر تصنیفات و تالیفات

* اقبال کا فن 1983ء
* اسلوبیات میر 1985ء
* اردو افسانہ روایت اور مسائل 1986ء
* سانحۂ کربلا بطور شعری استعارہ 1986ء
* امیر خسرو کا ہندوی کلام 1987ء
* ادبی تنقید اور اسلوبیات 1989ء
* ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات 1993ء
* ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت 2004ء
* جدیدیت کے بعد 2005ء
* اردو زبان اور لسانیات 2006ء
* دیکھنا تقریر کی لذت 2009ء
* فکشن شعریات
* کاغذ آتش زدہ 2011
* تپش نامۂ تمنا 2012
* آج کی کہانیاں 2013
* غالب معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات 2012
* ہندوستان کے اردو مصنفین اور شعرا
* املا نامہ (ترتیب) انتظار حسین اور ان کے افسانے
* اقبال جامعہ کے مصنفین کی نظر میں
* لغت نویسی کے مسائل
* نیا اردو افسانہ (ترتیب)
* قاری اساس تنقید
* سفر آشنا
* سجاد ظہیر ادبی خدمات اور ترقی پسند تحریک (ترتیب)
* اردو کے تعلیم کے لسانیاتی پہلو
* ادب کا بدلتا منظر نامہ، اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ (ترتیب)
* اردو زبان و لسانیات
* پرانوں کی کہانیاں
* کربل کتھا کا لسانی مطالعہ (خلیق انجم اور نارنگ)
* فراق گورکھپوری شاعر، نقاد، دانشور (ترتیب)

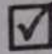


شکیل الرحمٰن

- نام شکیل الرحمٰن تھا۔
- شکیل الرحمٰن موتیہاری میں 1938ء میں پیدا ہوئے تھے۔
- شکیل الرحمٰن کا انتقال دہلی میں 1916ء میں ہوا تھا۔

شکیل الرحمٰن کی کتابیں

* داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوش ربا
* آشرم
* جب جی صاحب
* غالب کی جمالیات
* ادب اور نفسیات
* اقبال
* اقبال روشنی کی جمالیات
* ایک علامت کا سفر
* بچوں کے بابا بلھے شاہ
* رگ وید اور اپنشد کی روشنی
* فکشن کے فنکار پریم چند
* راجیو گاندھی عقیدت کے چند پھول
* ابوالکلام آزاد
* رقص بتاں آذری
* اختر الایمان: جمالیاتی لیجنڈ
* ادب کی جمالیات
* اقبال اور فنونِ لطیفہ
* امیر خسرو کی جمالیات
* بارہ ماسے کی جمالیات
* پریم چند کا فن
* فراق کی جمالیات



وزیر آغا

- وزیر آغا سرگودھا صوبہ پنجاب میں 8 رمئی 1922ء کو پیدا ہوئے تھے۔
- وزیر آغا کا انتقال 8 رستمبر 2010 کو لاہور میں ہوا تھا۔
- وزیر آغا نے فارسی اپنے والد سے اور پنجابی اپنے والدہ سے پڑھی تھی۔
- وزیر آغا نے گورنمنٹ کالج لاہور سے معاشیات میں ایم اے 1943ء میں کیا تھا۔
- وزیر آغا نے اردو ادب میں طنز و مزاح کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے 1956ء میں حاصل کیا تھا۔
- وزیر آغا نے اپنی ادبی صحافت کا آغاز ادبی دنیا لاہور کے جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے 1960ء میں کیا تھا۔
- وزیر آغا نے لاہور سے اپنا سہ ماہی رسالہ اوراق 1965ء میں شائع کرنا شروع کیا تھا۔
- وزیر آغا شاعر، صحافی، انشائیہ نگار اور نقاد تھے۔
- وزیر آغا کو حکومت پاکستان نے ستارۂ امتیاز سے نوازا تھا۔

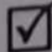
وزیر آغا کے تنقیدی نظریات

- وزیر آغا کے نزدیک تہذیب اور کلچر کے علاوہ نفسیات اور دیو مالا وہ اہم زاویے ہیں جن سے انھوں نے اردو ادب کو دیکھا اور پرکھا ہے۔
- وزیر آغا نے اجتماعی لاشعور کی مدد سے کئی فن کاروں (میرا جی وغیرہ) کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل نئے نتیجے نکالے ہیں۔
- وزیر آغا نے اپنی تنقید میں تہذیب اور نفسیات کی طرف خاص توجہ کی ہے۔
- وزیر آغا کا طریق کار یہ ہے کہ تنقید کے لیے وہ کسی فن پارے کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ پھر یہ کام اس فن پارے پر چھوڑ دیتے ہیں کہ اسے کن کن زاویوں سے دیکھا اور پرکھا جائے مطلب یہ کہ وہ فن پارے کے مطالبات کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اسے مرکزی حیثیت دیتے ہیں۔
- وزیر آغا کے مطابق کسی ادب پارے کا جائزہ اسی وقت مکمل کہلانے کا مستحق ہے جب زمین اور فن کار کی شخصیت کے کسی پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

- وزیر آغا کے نزدیک ایک عظیم فن کار اپنی فطری نمو کے راستے میں کوئی بند نہیں باندھتا۔ وہ اسے آزاد فضا میں پھیلنے کی کھلی اجازت دیتا ہے۔ اس کا فن تنگ مادی حدود کو پار کر کے آسمانی رفعتوں کی طرف پھیلتا تو ہے لیکن اس کی جڑیں سدا زمین ہی سے وابستہ رہتی ہیں۔
- وزیر آغا کے مطابق ادب کی تخلیق کے سلسلے میں اس بات کی قطعاً کوئی قید نہیں کہ اس میں ادیب نے کس عقیدے کا اظہار کیا ہے یا سرے سے کسی عقیدے کو پیش بھی کیا ہے یا نہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس نے جو کچھ پیش کیا ہے اس میں خلوص اور فن کا کیا عالم ہے۔
- وزیر آغا فن پارے کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں۔
- وزیر آغا کے نزدیک جمالیاتی پہلو کو تنقید میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔
- وزیر آغا کے تنقید کو امتزاجی تنقید کا نام دیا گیا ہے۔

وزیر آغا کے کارنامے

* اردو ادب میں طنز و مزاح
* انشائیہ کے خدوخال
* تصورات عشق و خرد اقبال کی نظر میں
* تنقید اور جدید اردو تنقید
* تنقیدی تھیوری کے سو سال
* پہلا ورق
* دستک اس دروازے پر
* سمندر اگر میرے اندر کرے (انشائیے)
* شام کی منڈیر سے
* غزلیں (شعری مجموعہ)
* معنی اور تناظر
* نردبان
* دن کا زرد پہاڑ
* اردو شاعری کا مزاج
* تخلیقی عمل
* نظم جدید کی کروٹیں
* تنقید اور مجلسی تنقید
* مغرب میں نئی تنقید کی تحریک
* چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل (کلیات)
* دوسرا کنارہ
* شام اور سائے
* غالب کا ذوق تماشہ
* گھاس میں تتلیاں
* نئے تناظر
* مسرت کی تلاش
* مجید امجد کی داستان محبت



مجنوں گورکھپوری

- مجنوں گورکھپوری کا اصل نام احمد صدیق تھا۔
- مجنوں گورکھپوری 10 مئی 1904ء کو مشرقی یوپی کے ضلع بستی تحصیل خلیل آباد میں واقع پلدہ عرف ملکی جوت میں پیدا ہوئے تھے جیسا کہ ڈاکٹر شاہین فردوس نے اپنے تحقیقی مقالے میں مجنوں گورکھپوری کے ایک قول سے ثابت کیا ہے کہ ان کی جائے پیدائش بستی ضلع کے ایک گاؤں میں ہے۔
- پروفیسر محمد یٰسین نے مجنوں کی جائے پیدائش گورکھپور لکھا ہے اور ایسا ہی وکی پیڈیا میں ہے۔
- مجنوں گورکھپوری کے فراق گورکھپوری سے گہرے مراسم تھے۔
- مجنوں گورکھپوری کا انتقال 4 / جون 1988ء کو کراچی میں ہوا تھا۔
- مجنوں گورکھپوری کے والد کا نام محمد فاروق تھا جو ایک شاعر تھے اور دیوانہ گورکھپوری کے نام سے مشہور تھے۔
- مجنوں گورکھپوری نے سینٹ اینڈریوز اسکول سے میٹرک کا امتحان 1921ء میں پاس کیا تھا۔
- مجنوں گورکھپوری نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایف اے کا امتحان 1927ء میں پاس کیا تھا۔
- مجنوں گورکھپوری نے سینٹ اینڈریوز کالج سے بی اے 1929ء میں کیا تھا۔
- مجنوں گورکھپوری نے ایم اے انگریزی میں آگرہ یونیورسٹی سے 1934ء میں کیا تھا۔
- مجنوں گورکھپوری نے ایم اے اردو کلکتہ یونیورسٹی سے 1935ء میں کیا تھا۔
- مجنوں گورکھپوری چند دنوں تک گورکھپور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر رہے تھے۔
- مجنوں گورکھپوری 1960ء میں شعبہ اردو کے ریڈر مقرر ہوئے تھے۔
- مجنوں گورکھپوری 1968ء میں پاکستان گئے تھے۔
- مجنوں گورکھپوری 1948ء تک کراچی یونیورسٹی سے اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے منسلک رہے تھے۔
- مجنوں گورکھپوری ابتداً نیاز فتح پوری سے متاثر ہو کر تاثراتی دبستان سے وابستہ ہوئے تھے پھر مارکسزم سے متاثر ہوئے اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ آخر میں انھوں نے سائنٹفک طریقۂ کار کو اپنایا اور سائنٹیفک نقاد بن گئے۔
- مجنوں گورکھپوری پوری نقاد، ناول نگار، افسانہ نگار، شاعر اور صحافی تھے۔

مجنوں گورکھپوری کے تنقیدی نظریات

- مجنوں گورکھپوری نے تنقیدی حاشیے میں لکھا ہے کہ "فنونِ لطیفہ اور بالخصوص شاعری، موسیقی اور

مصوری کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ان کے اثرات کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا اور شاعری بھی اپنے راز کو پوری طرح افشا نہیں ہونے دیتی۔ ہم لاکھ تجزیہ کریں لاکھ نکتے نکالیں پھر بھی ہم واضح طور پر نہ خود جانتے ہیں نہ دوسروں کو بتا سکتے ہیں کہ فلاں شعر ہم کو کیوں اچھا معلوم ہوتا ہے۔

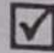
- مجنوں گورکھپوری کے مطابق اردو شاعری بھی اپنا خدار کھتی ہے اور وہ میر کہلاتا ہے۔
- مجنوں گورکھپوری نے ترقی پسند تحریک کے زیر فرمایا ہے کہ آج کے دور میں سب سے بڑا مسئلہ روٹی روزی کا ہے۔ اس سے آنکھیں نہیں چرائی جا سکتیں۔
- مجنوں گورکھپوری کے مطابق ادیب کوئی مراہب یا جوگی نہیں ادب ترک یا تپسیا کی پیداوار نہیں۔ ادیب بھی ہمارے سماج کا ایک فرد ہے۔ وہ بھی ہماری معاشی اور سماجی زندگی سے اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح اور لوگ۔
- مجنوں گورکھپوری کے مطابق ادب اپنے زمانے کے حالات سے بیگانہ رہ ہی نہیں سکتا۔
- مجنوں گورکھپوری کے مطابق روحِ عصر ادب میں بہر حال جلوہ گر ہوتی ہے۔ وہ ادب جو روحِ عصر سے محروم ہو مردہ و ناکارہ ہے۔
- مجنوں گورکھپوری انگریزی نقاد میتھو آرنلڈ کی طرح ادب کو تنقید حیات کہتے ہیں۔
- مجنوں گورکھپوری روسی ادب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔
- مجنوں گورکھپوری نے ترقی پسند تحریک کے زیر اثر کہا ہے کہ کسی ادب پارے کی فنی باریکیاں اتنی اہم نہیں جتنا کہ مواد۔
- مجنوں گورکھپوری نے لکھا ہے کہ ادب ایک آلۂ نشر و اشاعت اور ایک ذریعہ تحریک و تبلیغ ضرور ہوتا ہے لیکن ایسا بہر آلہ اور ایسا ہر ذریعہ ادب نہیں ہوتا۔ میں ادب کو اس معنی میں پروپیگنڈا نہیں سمجھتا جس معنی میں اخبارات پروپیگنڈا ہوتے ہیں یا جس معنی میں مارکس کا اشتراکی اعلان پروپیگنڈا تھا اور نہ ہر پروپیگنڈا ادب ہوتا ہے۔
- مجنوں گورکھپوری کے مطابق ادب ڈھونڈورا قسم کی کوئی چیز نہیں۔ ادیب نہ کوئی ڈھنڈورا ہوتا ہے نہ مبلغ۔
- مجنوں گورکھپوری کا کہنا ہے کہ ادب کی پہلی شرط ہے کہ وہ ادب کے تقاضوں کو پورا کرے۔

مجنوں گورکھپوری کے کارنامے

تصانیف، تالیفات اور تراجم

* تین مغربی ڈرامے
* سراب

- دوش وفردا (تنقید)
- آغاز ہستی (ترجمہ)
- سرنوشت (ناول)
- شعروغزل 1962ء
- غزل سرا
- نقوش وافکار 1955ء (تنقید)
- تنقیدی حاشیے 1945ء (تنقید)
- تاریخ جمالیات
- زہر عشق (ترتیب)
- غالب شخص اور شاعر
- ادب اور زندگی (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)
- سنگھاسن بتیسی
- سمن پوس اور دوسرے افسانے (افسانے)
- مریم مجدلانی (ترجمہ)
- سوگوار شباب (افسانے)
- گردش (ناولٹ)
- خواب وخیال
- نکات مجنوں (تنقید)
- اقبال اجمالی تبصرہ 1945ء (تنقید)
- مجنوں کے افسانے (افسانے)
- پردیسی کے خطوط (دوجلدیں)
- انتخاب دیوان شمس تبریز
- ارمغان مجنوں



شبیہ الحسن

- شبیہ الحسن نفسیاتی نقاد ہیں۔
- شبیہ الحسن نے نفسیاتی تنقید پر اہم کام کیا ہے۔

شبیہ الحسن کی کتابیں

- تنقید وتحلیل
- آل رضا کا فن غزل گوئی
- شام وسحر کی باتیں
- تاریخ تجزیہ وتقدیر
- اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار
- باقیات آل رضا
- تاریخ

تحقیق

- تحقیق کے لغوی معنی چھان بین، تلاش و جستجو اور دریافت کے ہیں۔
- حقائق کو دریافت کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کا نام تحقیق ہے۔
- قاضی عبدالودود کے مطابق ”تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔“
- جمیل جالبی کے مطابق تحقیق دراصل تلاش و جستجو کے ذریعہ حقائق معلوم کرنے اور ان کے تصدیق کرنے کا نام ہے۔
- جمیل جالبی کے مطابق تحقیق ایک ایسا عمل ہے جس سے آپ صحیح اور غلط میں امتیاز کرتے ہیں اور پھر صحیح کی مدد سے اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہیں۔
- ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق تحقیق کے لغوی معنی کسی شے کی حقیقت کا اثبات ہے۔ اصطلاحاً یہ ایک ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔
- پروفیسر عبدالستار دلوی کے مطابق تحقیق کسی مسئلے کے قابل اعتماد حل اور صحیح نتائج تک پہنچنے کا وہ عمل ہے، جس میں ایک منظم طریقہ کار، حقائق کی تلاش و تجزیہ اور تفصیل کاری پوشیدہ ہوتی ہے۔
- قاضی عبدالودود نے تحقیق کے لازمی اجزا کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(1) موضوع کا انتخاب　　(2) مواد کی فراہمی

(3) پیرایۂ اظہار　　(4) اخلاقیات

اردو کے اہم محققین

محی الدین قادری زور

(25 دسمبر 1905ء۔ 23 ستمبر 1962ء)

- نام محی الدین قادری تھا اور تخلص زور۔
- زور 25 دسمبر 1905ء کو حیدر آباد کے محلہ شاہ گنج میں پیدا ہوئے۔
- زور کا انتقال 23 ستمبر 1962ء کو حرکت قلب رکنے کی وجہ سے سری نگر کشمیر میں ہوا۔
- زور سری نگر کے خانیار شریف کے قبرستان میں مدفون ہیں۔
- زور کے والد کا نام سید غلام محمد شاہ قادری ہے جو زعم تخلص رکھتے تھے۔
- زور کی والدہ کا نام بشیر النساء بیگم تھا۔
- زور نے بی اے 1925 میں اور ایم اے اردو 1927 میں پاس کیا تھا۔
- زور نے لندن یونیورسٹی سے 'اردو زبان کا آغاز اور ارتقا' کے موضوع پر دو سال کے اندر اپنا مقالہ مکمل کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔
- زور نے ابتدائی سنسکرت اور لسانیات کی تعلیم لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرایل ٹرنر سے حاصل کی تھی۔
- زور نے پروفیسر ایلا ئڈ جیمس سے اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن میں صوتیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔
- زور نے 1930 میں پیرس یونیورسٹی میں داخلہ لے کر عام فن صوتیات اور انگریزی صوتیات کا علم پروفیسر ڈینل جونس، مس لی لیاس اور ای آرمسٹرانگ سے حاصل کیا تھا۔
- زور جامعہ عثمانیہ اور کشمیر یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر اور چادر گھاٹ کالج کے پرنسپل رہے ہیں۔
- زور نے 15 جنوری 1931 کو 'ادارہ ادبیات اردو' قائم کیا تھا اور اس کی عمارت کا نام 'ایوانِ اردو' خواجہ حسن نظامی نے تجویز کیا تھا۔
- زور اور ان کے ادارۂ ادبیات اردو نے دکنیات کو بڑے پیمانے پر روشناس کرایا ہے۔
- زور کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ اٹھارویں صدی کے بجائے پندرہویں صدی

سے شروع کی جاتی ہے۔

- زور نے پانچ جلدوں میں تذکرہ مخطوطات مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ اس تذکرے کی پہلی جلد 1943 میں شائع ہوئی تھی۔
- زور نے 1965 سے یومِ قلی قطب شاہ منانا شروع کیا تھا۔
- اردو میں اردو لسانیات پر باقاعدہ کام کی ابتدا زور صاحب نے ہی کی تھی۔
- زور نے ادارہ ادبیات اردو سے 1938 میں 'سب رس' کے نام سے ایک ماہ نامہ جاری کیا تھا۔

محی الدین قادری زور کے کارنامے

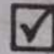
- نواب علی ابراہیم خان کا تذکرہ 'تذکرۂ گلزار ابراہیم 1198ھ-1784 جس میں 320 شعرا کا ذکر ہے اور جسے جان گلکرسٹ نے مرزا علی لطف سے تذکرہ گلشن ہند 1215 کے نام سے سلیس اردو میں ترجمہ کرایا تھا۔
- ڈاکٹر زور نے تذکرہ گلزار ابراہیم اور تذکرہ گلشن ہند دونوں کو ایک ساتھ مرتب کر کے 1352ھ 1934 میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پریس سے شائع کیا تھا۔

* **ہندوستانی لسانیات 1960:** اس میں لسانیات سے متعلق جملہ مباحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔
* **ہندوستانی صوتیات (Hindustani Phonetics)** یہ کتاب انگریزی میں ہے۔
* **اردو شہ پارے 1929:** یہ کتاب اردو ادب کے آغاز سے ولی دکنی کے زمانے تک نثر و نظم کا انتخاب ہے۔
* عہد عثمانی میں اردو کی ترقی 1935
* داستان ادب حیدر آباد
* دکنی ادب کی تاریخ
* اردو کے اسالیب بیان
* روح تنقید (زور کی اہم تصنیف ہے)
* تنقیدی مقالات: مقالات کا یہ مجموعہ روح تنقید کے حصہ دوم کی حیثیت سے شائع ہوا تھا
* تین شاعر: میر تقی میر، میر انیس اور ہوریس اسمتھ پر ایک تنقیدی نظر
* گارساں دتاسی (سوانح)
* معانی سخن (انتخاب)
* سرگذشت غالب
* رمز سخن (انتخاب)
* سرگذشت حاتم
* فیض سخن (انتخاب)

- حیات سلطان محمد قلی قطب شاہ * متاعِ سخن (انتخاب)
- حیات میر محمد مومن * بادۂ سخن (انتخاب)
- نذرِ محمد قلی قطب شاہ * کیفِ سخن (انتخاب)
- کلیات قلی قطب شاہ: زور نے کلیات قلی قطب شاہ کو طویل اور مبسوط مقدمے کے ساتھ مرتب کیا ہے۔
- مثنوی طالب وموہنی (ترتیب)
- اردو شاعری کا انتخاب
- روحِ غالب: غالب کے اردو خطوط کے دل چسپ ادبی حصوں کا انتخاب
- مکاتیب شاد
- شاد اقبال

زور کے افسانوی مجموعے: (1) طلسم تقدیر (2) سیر گولکنڈہ (۳) گولکنڈے ہیرے

- زور کے افسانے: بالا، گولکنڈہ کی آخری رقاصہ، پانچ اشرفیاں، دفینہ، سروِ صحرا، پانچ غنڈے، طلسم تقدیر، کھویا ہوا چاند، انار کے چودہ دانے، شہزادی کا عقد، اورنگ زیب اور تانا شاہ



قاضی عبدالودود

(1313ھ مطابق 1896ء-1984ء)

- نام قاضی عبدالودود
- قاضی عبدالودود 1313ھ مطابق 1896ء میں کاکو بہار میں پیدا ہوئے۔
- قاضی عبدالودود کا انتقال 1984ء میں ہوا۔
- قاضی عبدالودود کے والد کا نام قاضی عبدالوحید تھا جو مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے خاص ارادت مندوں میں شامل تھے۔
- قاضی عبدالودود 1923 میں انگلستان گئے تھے جہاں سے معاشیات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیرسٹری بھی پاس کی تھی۔
- قاضی صاحب انگلستان سے واپس آنے کے بعد خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ سے وابستہ ہوئے تھے۔
- قاضی عبدالودود ایک عظیم محقق تھے جنھوں نے محمود شیرانی کے روایت کو آگے بڑھایا۔
- قاضی عبدالودود نے پٹنہ سے رسالہ 'معیار' 1936 میں جاری کیا تھا۔
- قاضی عبدالودود نے پٹنہ سے تحقیقی رسالہ 'معاصر' نکالا تھا۔
- قاضی عبدالودود نے غالب سے متعلق چونکا دینے والے حقائق پیش کیے ہیں۔
- قاضی عبدالودود کے مطابق تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔

قاضی عبدالودود کے کارنامے

* تبصروں کے مجموعے: اشتر وسوزن، عیارستان
* عیارستان میں تین کتابوں (1) دیوان فائز مرتبہ: مسعود احسن رضوی (2) مرقع شعرا مرتبہ رام بابو سکسینہ (3) میر تقی میر حیات اور شاعری، تالیف خواجہ احمد فاروقی پر تبصرہ ہے۔
* اشتر وسوزن میں دو کتابوں (1) عمدۂ منتخبہ یعنی تذکرۂ سرور مرتبہ فاروقی (2) شاد کی کہانی شاد کی زبانی پر تبصرہ ہے۔
* طویل مضامین: آوارہ گرد اشعار، جہانِ غالب، تعینِ زمانہ

* **قاضی عبدالودود کی ترتیب کردہ کتابیں:** دیوان جوشش، دیوان رضا، قطعات رضا، تذکرۂ ابن طوفان، قاطع برہان، تذکرۂ مسرت افزا، قطعات دلدار
* **دیگر کارنامے:** غالب بحیثیت محقق، یادداشت ہائے قاضی عبدالودود
غالب کا فرضی استاد، معاصر غالب، تبصرہ فرہنگ غالب

قاضی عبدالودود کے متعلق مختلف آرا و خیالات

c قاضی صاحب کی تحریروں سے تحقیق کو جو طاقت اور عناصر ملتے ہیں ان میں ظاہری سطح پر سب سے نمایاں چیز تحقیق کی زبان ہے اور وہ اسلوب جو معنویت سے معمور اور رنگینی سے محفوظ ہے۔ (رشید حسن خان)

c قاضی صاحب نے بہت سے نئے ماخذ کا اس وقت پتا دیا جب ان کا علم اکثر لوگوں کو نہیں تھا۔ ان کی تحریریں ان کی وسعت مطالعہ کی شاہدِ عادل ہیں، کم ایسے ماخذ ہوں گے جو ان کے نظر سے نہ گزرے ہوں۔ (رشید حسن خان)



بابائے اردو

مولوی عبدالحق

- نام عبدالحق تھا لیکن مولوی عبدالحق کے نام سے مشہور ہیں۔
- مولوی عبدالحق 20 راپریل 1870ء کو ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے تھے۔
- مولوی عبدالحق کا انتقال 16 راگست 1961ء کو کراچی میں ہوا تھا۔
- مولوی عبدالحق کے بزرگ ہاپوڑ (سراواں) کے ہندو کائستھ تھے۔
- مولوی عبدالحق نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) سے بی اے 1895ء میں کیا تھا۔
- مولوی عبدالحق نے ریاست حیدرآباد کے معتمد مال نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز 1895ء میں کیا تھا۔
- مولوی عبدالحق نے حیدرآباد کے کمانڈنٹ ان چیف نواب افسر جنگ کی پیش کش پر مدرسہ آصفیہ کی صدر مدرسی اور رسالہ 'افسر' کی ادارت قبول کی تھی۔
- مولوی عبدالحق علی گڑھ کالج کے پہلے طالب علم تھے جنھوں نے سب سے پہلے علی گڑھ کالج یونیفارم پہنا تھا۔
- مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو (سنہ تاسیس 1903ء) کے سکریٹری 1911ء میں مقرر ہوئے تھے۔ عبدالحق کے سکریٹری مقرر ہونے کے وقت انجمن کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل ہو گیا تھا۔
- یادر ہے کہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے تحت 1903ء میں ایک علمی شعبہ قائم کیا گیا تھا جس کا نام انجمن ترقی اردو تھا۔
- مولوی عبدالحق سے پہلے شبلی نعمانی، حبیب الرحمٰن خان شیروانی اور عزیز مرزا انجمن ترقی اردو کے سکریٹری رہے تھے۔
- مولوی عبدالحق 1917ء میں دارالترجمہ کے پہلے ناظم مقرر کیے گئے تھے۔
- مولوی عبدالحق کو جامعہ عثمانیہ کی پروفیسرشپ اور شعبہ اردو کی صدارت 1930ء میں تفویض کی گئی تھی۔
- مولوی عبدالحق سرکاری ملازمت سے 1936ء میں سبک دوش ہو کر کلی طور پر انجمن ترقی اردو سے وابستہ ہو گئے تھے۔
- اکتوبر 1936ء میں علی گڑھ میں منعقد ہونے والے آل انڈیا اردو کانفرنس کے تجویز کے مطابق انجمن ترقی اردو کا مرکزی دفتر اورنگ آباد سے دلی منتقل کیا گیا تھا۔

- مولوی عبدالحق نے تقسیم ہند کے بعد کراچی ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔
- مولوی عبدالحق کو بابائے اردو کا خطاب جامعہ عثمانیہ کے ایک طالب علم محمد یوسف نے 1935ء میں دیا تھا۔
- مولوی عبدالحق کو حکومت پاکستان نے صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی مارچ 1959ء کو عطا کیا تھا۔

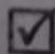
مولوی عبدالحق کے کارنامے

مولوی عبدالحق کی تصانیف

* مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر
* مرحوم دلی کالج
* سر سید احمد خان- حالات وافکار
* چند ہم عصر
* اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصہ
* نصرتی، ملک الشعرائے بیجاپور
* خطبات عبدالحق
* مقدمات عبدالحق
* تنقید عبدالحق
* چند تنقیدات عبدالحق
* اردو کا المیہ
* پاکستان کی قومی وسرکاری زبان کا مسئلہ
* سر آغا خان کی اردو نوازی

مولوی عبدالحق کی مرتب کردہ کتابیں

* نکات الشعر
* دیوان تاباں
* گلشن عشق
* قطب مشتری
* دیوان اثر
* تذکرہ ریختہ گویاں
* مخزن شعرا
* ریاض الفصحا
* عقد ثریا
* کہانی رانی کیتکی اور اودھ بھان
* تذکرۂ ہندی
* چمستان شعرا
* ذکر میر
* مخزن نکات
* قواعد اردو
* معراج العاشقین
* سب رس
* باغ وبہار
* پاکٹ انگریزی اورڈ کشنری
* اسنڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری
* اردو انگریزی ڈکشنری
* لغت کبیر جلد اوّل
* انتخاب کلام میر
* دریائے لطافت
* گل عجائب
* انتخاب داغ
* اردو صرف ونحو
* خطبات گارساں دتاسی
* دی پاپولر انگلش اردو ڈکشنری
* افکار حالی



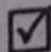
امتیاز علی عرشی

(1322ھ مطابق 1904ء۔ 1981ء)

- نام امتیاز علی عرشی
- امتیاز علی عرشی 1322ھ مطابق 1904ء کو رامپور میں پیدا ہوئے۔
- عرشی کا انتقال 1981ء کو ہوا۔
- امتیاز علی عرشی رام پور رضا لائبریری کے ناظم 1933 میں مقرر ہوئے تھے۔
- امتیاز علی عرشی زندگی بھر رام پور رضا لائبریری سے وابستہ رہے۔
- امتیاز علی عرشی کا اصل میدان عربی تھا۔
- امتیاز علی عرشی کی شناخت ماہر غالبیات کی حیثیت سے ہے۔

عرشی کے کارنامے

* دیوانِ غالب نسخۂ عرشی (1958) (ترتیب)
* مکاتیب غالب 1937 (ترتیب)
* رانی کیتکی کی کہانی (ترتیب)
* سلک گہر (ترتیب)
* باغ اردو (ترتیب)
* نادرات شاہی (ترتیب)
* تاریخ اکبری (ترتیب)
* فرہنگ غالب 1947
* انتخاب غالب
* تاریخ محمدی
* تذکرہ دستور الفصاحت از احمد علی خان یکتا (ترتیب)



ابتدائے تدوین

رشید حسن خاں

(25 دسمبر 1925ء۔2006ء)

- نام رشید حسن خان
- رشید حسن خان 25 دسمبر 1925ء کو شاہ جہاں پور میں پیدا ہوئے۔
- رشید حسن خان کا انتقال 2006ء میں شاہ جہاں پور میں ہوا۔
- رشید حسن خان کے والد کا نام امیر حسن تھا اور دادا کا علی حسن۔
- رشید حسن خان نے ابتدائی تعلیم مدرسہ بحرالعلوم میں حاصل کی۔
- رشید حسن خان کی شادی منظور علی خان کی بیٹی نفیس بیگم سے ہوئی تھی۔
- رشید حسن خان کا تقرر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی میں بحیثیت ریسرچ اسسٹنٹ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کے توسط سے 6 اگست 1959 میں ہوا تھا۔
- رشید حسن خاں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز 1944 میں کیا تھا۔

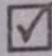
انعامات واعزازات

دہلی ساہتیہ کلا پریشد ایوارڈ	1977
یوپی اردو اکادمی ایوارڈ	1978
غالب ایوارڈ	1979
امتیاز میر اعزاز (میر اکادمی، لکھنؤ)	1980
نیاز فتح پوری، ایوارڈ (کراچی)	1989
نیشنل ایوارڈ مہاراشٹر اردو اکادمی	1990
محمد طفیل ادبی ایوارڈ (لاہور)	1990
کل ہند بہادر شاہ ظفر ایوارڈ (دہلی اردو اکادمی)	1991
نیشنل حالی ایوارڈ (ہریانہ اردو اکادمی)	1992
مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ (یوپی اردو اکادمی لکھنؤ)	1998

- مدھیہ پردیش اردو اکادمی ایوارڈ (بھوپال) 2004

رشید حسن خاں کے کارنامے

(1) انتخاب نظیر اکبرآبادی 1970
(2) انتخاب شبلی 1971
(3) انتخاب مراثی انیس و دبیر 1971
(4) دیوانِ خواجہ میر درد 1971
(5) انتخاب سودا 1972
(6) انتخاب ناسخ 1972
(7) اردو املا 1972
(8) اردو کیسے لکھیں 1975
(9) زبان اور قواعد 1976
(10) ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ 1978
(11) تلاش و تعبیر (تنقیدی مضامین) 1988
(12) فسانۂ عجائب (تدوین) 1990
(13) باغ و بہار (تدوین) 1992
(14) تفہیم (تنقیدی اور تحقیقی مضامین) 1993
(15) انشا اور تلفظ 1994
(16) عبارت کیسے لکھیں 1994
(17) انشائے غالب 1994
(18) مثنوی گلزار نسیم (تدوین) 1995
(19) انتخاب کلام ناسخ 1996
(20) مثنویات شوق (تدوین) (1998)
(21) تدوین، تحقیق، روایت 1999
(22) مثنوی سحرالبیان (تدوین) 2002
(23) مصطلحات ٹھگی (تدوین) 2002
(24) کلیات جعفر زٹلی (تدوین) 2003



گیان چند جین

- نام گیان چند جین تھا اور تخلص غافل۔
- گیان چند جین سیوہارا ضلع بجنور میں 1923ء کو پیدا ہوئے تھے۔
- گیان چند جین کا انتقال 2007ء میں کیلیفورنیا میں ہوا تھا۔
- گیان چند جین جموں یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں 1972ء میں شعبہ کے پہلے صدر مقرر ہوئے تھے۔
- گیان چند جین جموں یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر 1965ء میں مقرر ہوئے تھے۔
- گیان چند جین الہ آباد یونیورسٹی میں 1976ء سے 1979ء تک اردو کے پروفیسر رہے تھے۔
- گیان چند جین 1979ء میں حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے تھے۔
- گیان چند جین حمید کالج، برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال اور لکھنؤ یونیورسٹی سے بھی بحیثیت پروفیسر وابستہ رہے تھے۔
- گیان چند جین کی شہرت ماہر غالبیات کے طور پر تھی اور شاعر تھے۔
- گیان چند جین نے اپنی پہلی غزل 1937ء میں غافل کے قلمی نام سے لکھی تھی۔
- گیان چند جین نے جموں میں قیام کے دوران تفسیر غالب کے عنوان سے غالب کے مکمل منسوخ کلام کی شرح لکھی تھی۔
- گیان چند جین کا خیال ہے کہ اردو شاعری کی تاریخ میں غالب سب سے زیادہ فارسی زدہ شاعر ہیں۔

اعزازات وانعامات

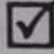
- گیان چند جین کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے 1982ء میں نوازا گیا تھا۔
- گیان چند جین کو پدم شری سے 2002ء میں سرفراز کیا گیا تھا۔

گیان چند جین کے کارنامے

تصانیف:

* اردو کا اپنا عروض
* اپندر ناتھ اشک
* اردو مثنوی شمالی ہند میں (دو جلدیں) (ڈی لٹ کا مقالہ) 1969ء
* پرکھ اور پہچان
* غالب شناس مالک رام

* قاضی عبدالودود بحیثیت مرتب متن
* رموز غالب 1976ء
* تاریخ ادب اردو 1700 تک
* مقدمے اور تبصرے
* اردو کی نثری داستانیں 1954ء
* عام لسانیات 1985ء
* حقائق 1978ء
* ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ وسال
* تحقیق کا فن
* تفسیر غالب
* ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب
* تجزیے 1973ء
* کھوج
* تحریریں 1964
* لسانی مطالعے 1973ء
* ذکر و فکر
* ادبی اصناف
* کتابیات گیان چند



جمیل جالبی

- جمیل جالبی کا اصل نام محمد جمیل خان تھا۔
- جمیل جالبی علی گڑھ میں 12 جون 1929ء کو پیدا ہوئے تھے۔
- جمیل جالبی کے والد کا نام محمد ابراہیم خان تھا جو میرٹھ میں پیدا ہوئے تھے۔
- جمیل جالبی کے آباؤ اجداد یوسف زئی پٹھان تھے جو اٹھارہویں صدی میں سوات سے ہجرت کر کے ہندوستان آباد ہو گئے تھے۔
- جمیل جالبی نے ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی تھی۔
- جمیل جالبی نے گورنمنٹ ہائی اسکول سہارنپور سے میٹرک 1943ء میں کیا تھا۔
- جمیل جالبی نے میرٹھ کالج سے 1945ء میں انٹر اور 1947ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔
- میرٹھ کالج میں ڈاکٹر جمیل جالبی کے استاد ڈاکٹر شوکت سبزواری، پروفیسر غیور احمد رزمی اور پروفیسر کرار حسین تھے۔
- جمیل جالبی کے آئیڈیل اردو ادب کے صف اوّل کے صحافی سید جالب دہلوی تھے۔
- جمیل خان جالب دہلوی کے نسبت سے اپنے نام میں جالبی کا اضافہ کر کے جمیل جالبی ہو گئے۔
- جمیل جالبی نے تقسیم ہند کے بعد 1947ء میں اپنے بھائی عقیل خان کے ساتھ پاکستان آکر کراچی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔
- جمیل جالبی نے سب سے پہلے بہادر یار جنگ ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ملازمت کی تھی۔
- جمیل جالبی نے ملازمت کے دوران ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے تھے۔
- جمیل جالبی نے سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی نگرانی میں قدیم اردو ادب پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری 1972ء میں حاصل کی تھی۔
- جمیل جالبی نے سندھ یونیورسٹی سے مثنوی کدم راؤ پدم راؤ پر ڈی لٹ کی ڈگری 1978ء میں حاصل کی تھی۔
- جمیل جالبی ڈی لٹ کے بعد سی ایس ایس کے امتحان میں بھی کامیاب ہوئے تھے۔
- جمیل جالبی 1983ء میں کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور 1987ء میں مقتدرہ قومی زبان

(موجودہ نام ادارہ فروغ قومی زبان) کے چیئرمین مقرر ہوئے تھے۔

- جمیل جالبی 1990ء سے 1997ء تک اردو لغت بورڈ کراچی کے سربراہ مقرر ہوئے تھے۔
- جمیل جالبی کی سب سے پہلی تخلیق سلندر اور ڈاکو تھی جو انھوں نے بارہ سال کی عمر میں تحریر کی تھی اور یہ کہانی بطور ڈراما اسکول میں اسٹیج کیا گیا تھا۔
- جمیل جالبی کی شائع ہونے والی سب سے پہلی کتاب جانورستان تھی جو جارج اول کے ناول کا ترجمہ تھا۔

اعزازات وانعامات

- جمیل جالبی کو کمال فن ادبی انعام سے 2015ء میں نوازا گیا تھا۔
- جمیل جالبی کو ان کے علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں 1964ء، 1973ء، 1974ء اور 1975ء میں داؤد ادبی انعام ملا تھا۔
- جمیل جالبی کو یونیورسٹی گولڈ میڈل 1987 میں ملا تھا۔
- جمیل جالبی کو محمد طفیل ادبی ایوارڈ سے 1989 میں نوازا گیا تھا۔
- جمیل جالبی کو حکومت پاکستان کی طرف سے 1990 میں ستارۂ امتیاز اور 1994ء میں ہلال امتیاز سے نوازا گیا تھا۔

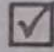
جمیل جالبی کے کارنامے

جمیل جالبی کے تصانیف، تالیفات اور تراجم:

* قومی انگریزی اردو لغت * جانورستان (جارج اوّل کے ناول کا ترجمہ)
* پاکستان کلچر، قومی کلچر کی تشکیل کا مسئلہ * تاریخ ادب اردو (چار جلدیں
* تنقید و تجربہ * نئی تنقید * معاصر ادب
* ادب کلچر اور مسائل * محمد تقی میر * قومی زبان یک جہتی نفاذ اور مسائل
* قلندر بخش جرأت لکھنوی تہذیب کا نمائندہ شاعر * مثنوی کدم راؤ پدم راؤ
* دیوان حسن شوقی * دیوان نصرتی * قدیم اردو کی لغت
* فرہنگ اصطلاحات جامع عثمانیہ * میراجی ایک مطالعہ * ن۔م۔راشد ایک مطالعہ
* ایلیٹ کے مضامین (ترجمہ) * ارسطو سے ایلیٹ تک * حیرت ناک کہانیاں * خوبی

جمیل جالبی کے متعلق مختلف آراوخیالات

- جمیل جالبی ایک منکسر المزاج عالم ہیں جن کی زندگی نئی نسل کے لیے قابل تقلید ہے اور جن کے ادبی کارنامے اردو کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ (خلیق انجم)
- جالبی صاحب کی تحقیق میں بھی ایک تخلیقی رنگ و آہنگ پایا جاتا ہے۔ یہ انداز اردو کے بہت کم محقق کو نصیب ہوا ہے۔ (عبادت بریلوی)
- اور اب میری مستقل رائے ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب حالی سے لے کر آج تک کے تمام اردو تنقید نگاروں میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ (احسن فاروقی)
- علمی تحقیقی مہمان کو سر کرنے کے لیے جس تحمل، استعداد، محنت اور منطقی ذوق کی ضرورت ہے وہ سب چیزیں ڈاکٹر جمیل جالبی کی ذات میں یکجا ہوگئی ہیں۔ (رئیس امروہوی)



Unit-8

غیرافسانوی نثر